عام شمارہ
₹ 80
www.urdubookreview.in
ISSN 0971-9288

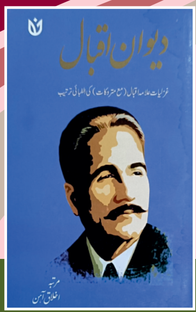

اردو بک ریویو

جولائی - اگست - ستمبر 2026

اَجل سے خوف زدہ، زیست سے ڈرے ہوئے لوگ
کہ جی رہے ہیں میرے شہر میں مرے ہوئے لوگ

— احمد فراز [آمد: 16 جنوری 1931 — رخصت: 25 اگست 2008]

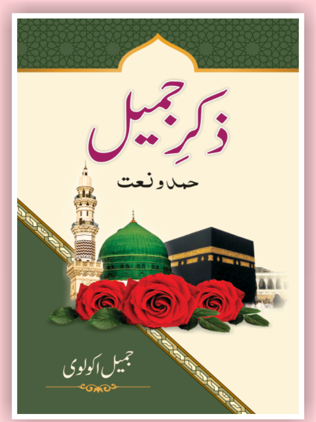

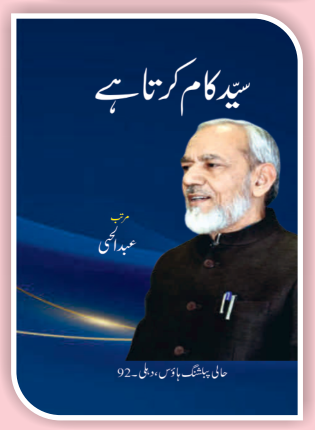

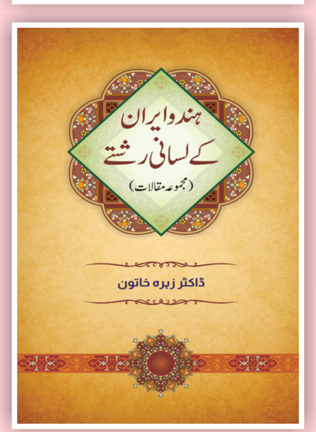

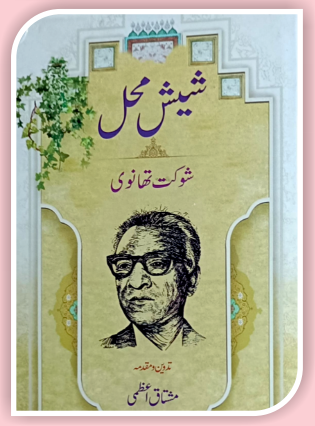

اسیم کاویانی کے مشہورِ زمانہ مضامین؛ اب کتابی صورت میں دستیاب

☆ اردو زبان میں خسرو شناسی کا اجمالی جائزہ ☆ سرسیّد احمد خاں: تصویر کا دوسرا رُخ
☆ یادگارِ غالب: حالی کا ذہنی ارتقا: غالب آشنائی سے غالب شناسی تک ☆ شبلی کی عبقریت پر سوال
☆ حالی اور شبلی کی خوش طبعی اور ظرافت پسندی ☆ مولوی نذیر احمد اور ان کے محتسب
☆ مولانا محمد علی کے سوانح کے دو گُم شدہ باب ☆ مولانا آزاد اور مولانا عبدالماجد دریا آبادی: فکر و نظر کی دوریاں

ان مضامین کی اشاعت کے بعد اُن جرائد کے متعاقب شماروں میں شائع ہوئی چند ہم عصر ادبا کی آراء

کے کے کھلّر (نئی دہلی)

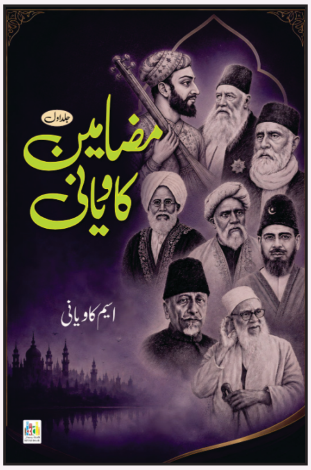

"۔۔۔مضمون جو اسیم کاویانی صاحب نے بہ عنوان 'سرسید: تصویر کا دوسرا رُخ' تحریر کیا ہے۔۔۔میرے خیال میں سرسید کا اس سے اچھا نقشا اس مضمون سے پہلے یا بعد میں پیش نہیں ہوا؛ نہ زبان و بیان کے لحاظ سے اور نہ ہی سرچ اور ریسرچ کی بنا پر۔ یہ تو آگ کا دریا تھا اور ڈوب کے جانا تھا۔" (در تبصرۂ 'انتخابِ گگن'؛ 'ہندستان ایکسپریس'، 3 اپریل 2016)

محمد شرافت علی (جے این یو، نئی دہلی)

"۔۔۔گوشۂ اختلاف میں علامہ شبلی نعمانی پر اسیم کاویانی کی مفصل تحریر (شبلی کی عبقریت پر سوال) اپنی معروضیت کی وجہ سے پسند آئی۔ ضروری نہیں کہ مصنف کی تمام باتوں سے اتفاق کیا جائے، تاہم ان کی تحریر سے جو نکات سامنے آئے ہیں، وہ ہر لحاظ سے توجہ طلب ہیں اور انھیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔" ('ادب ساز'، شمارہ نمبر 10-11؛ مطبوعہ: 2009)

ایس ایم معین قریشی (کراچی، پاکستان)

"۔۔۔تاہم اس شمارے کا سب سے زوردار مضمون 'مولانا حالی اور مولانا شبلی۔۔۔' (اسیم کاویانی) ہے۔ یہ مضمون میرے اس موقف کی تائید کرتا ہے کہ مزاح میں ایسی کام کی باتیں بھی ہونی چاہئیں؛ جن سے قاری کے علم میں کچھ نہ کچھ اضافہ ضرور ہو۔ اس مضمون میں حالی اور شبلی کے تعلق سے ایسے دل خوش کُن لیکن ساتھ ہی معنی خیز اور فکر انگیز واقعات رقم کیے گئے ہیں کہ۔۔" (ماہ نامہ 'شگوفہ' حیدرآباد، مارچ 2015)

خورشید اکرم (دہلی)

"مضامین میں اسیم کاویانی صاحب کا مضمون (مولانا محمد علی کے سوانح کے دو گُم شُدہ باب) چشم کُشا ہے۔ اسیم، صاحبِ علم ہیں۔ وہ بڑی معروضیت کے ساتھ لکھتے ہیں۔ اس لیے خود اُن پر کسی کے لیے متعصب ہونے کا الزام نہیں لگایا جا سکتا۔ مولانا محمد علی اور شوکت علی کی جو تصویر اس سے اُبھرتی ہے؛ وہ ان کا کُل نہیں، بس ایک جُز ہے؛ لیکن ہے۔"

('مکتوبات' سہ ماہی 'عالمی فلک' دھنباد؛ اپریل تا ستمبر 2022)

Website: www.urdubookreview.in

سہ ماہی

اردو بک ریویو

ISSN 0971-9288

URDU BOOK REVIEW

جلد: XXXII شمارہ: 47 جولائی، اگست، ستمبر: 2026

محرم، صفر، ربیع الاول، ربیع الآخر ۱۴۴۸ ھجری

مدیر

محمدؐ عارف اقبال

مدیر اعزازی

ڈاکٹر سیّد تنویر حسین

سرکولیشن مینیجر

ندیم عارف

Mobile: 9953067664

مجلس ادارت

☆ ڈاکٹر شمس بدایونی (بریلی) ☆ اے۔یو۔آصف (نئی دہلی)

☆ شفیق الرحمٰن (نئی دہلی) ☆ طاہر نقوی (نوئیڈا، NCR)

☆ سعید اختر اعظمی (ریاض، سعودی عرب)

مجلس مشاورت

☆ کاشف الہدیٰ (USA) ☆ رضوان احمد فلاحی (لندن)

☆ پروفیسر خالد محمود (نئی دہلی) ☆ ادریس احمد خاں (دہلی)

☆ ڈاکٹر محمد قطب الدین ابوشجاع (انڈیانا، USA)

☆ محمد معین الدین حبیبی (سابق اسسٹنٹ رجسٹرار، JMI، نئی دہلی)

☆ عارف محمود انصاری (مسقط، عمان)

☆ پروفیسر سیّد فرید احمد نہری (بیڑ، مہاراشٹر)

☆ احمد ابوسعید (حیدرآباد) ☆ سلمان غازی (ممبئی)

☆ ڈاکٹر سیّد احمد خاں (نئی دہلی) ☆ ڈاکٹر انیس صدیقی (گلبرگہ)

☆ انتخاب عالم انصاری (ممبرا، تھانے)

☆ عبدالرحمٰن صدیقی (ممبئی) ☆ اعزاز حسن (دہلی)

ممبر آل انڈیا اردو ایڈیٹرز کانفرنس

Under UGC Care List

Member, Press Club of India, New Delhi

قیمت

عام شمارہ (اسٹینڈ قیمت)	: -/80
سالانہ (عام بذریعہ سادہ ڈاک)	: -/300
سالانہ (عام اسپیڈ پوسٹ)	: -/600
سالانہ (کتب خانے و ادارے)	: -/750 (اسپیڈ پوسٹ)
تاحیات (ہندوستان)	: -/7000

بیرون ملک

: 35 امریکی ڈالر (سالانہ)

: 500 یو ایس ڈالر تاحیات

آن لائن رقم ٹرانسفر کرنے کے لیے

Mohammad Arif Iqbal

Current A/c No. 33469561425

State Bank of India, Jama Masjid Delhi

IFSC: SBIN0002366

بینک ڈرافٹ یا ملٹی سٹی چیک پر صرف

"URDU BOOK REVIEW"

تحریر کریں۔

Registered Office

URDU BOOK REVIEW

1739/3 (Basement) New Kohinoor Hotel

Pataudi House, Darya Ganj, New Delhi-2

ترسیل زر اور ادارتی و انتظامی امور میں رابطے کا پتہ

2878, Ist Floor, Gali Captain Wali

Kucha Chellan, Darya Ganj

New Delhi-110002 Ph: [O] 011-44753890

[M] +91 9953630788 +91 9899506816

Email: urdubookreview1995@gmail.com

کمپیوٹر کمپوزنگ: اردو بک ریویو، ڈی ٹی پی ڈویژن

کمپوزیٹر: محمد عمران

Printer, Publisher and Editor: Mohammad Arif Iqbal

پرنٹر، پبلشر اور اونر محمد عارف اقبال نے اصیلا آفسیٹ پرنٹرز، 08-1307، کلاں محل، دریا گنج، نئی دہلی-2 سے چھپوا کر دفتر اردو بک ریویو، 1739/3، (ذیلی منزل)، نیو کوہ نور ہوٹل، پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی-2 سے شائع کیا۔

ترتیب

اداریہ: • ہندوستان کے عظیم تہذیبی ورثہ پر حملہ 03-04

عرضِ ناشر: اردو بک ریویو کا 'وژن' اور 'مشن' 05

قارئین کے تاثرات 07-10

بلا تبصرہ: بِہار کی بَہار 11-12/54

از: علامہ عبدالماجد دریابادی (گزشتہ سے پیوستہ، آخری قسط)

علم وادب: مقتول غالب کے مزار والی گلی 13-14

احمد حاطب صدیقی [ابونثر]

کتاب زندگی 15-21

- ڈاکٹر رعنا حیدری (اورنگ آباد، مہاراشٹر) 15-16
- عبدالرب کوثر رحمانی (ممبئی) 17-18
- ڈاکٹر فرزانہ فرح (بھٹکل، کرناٹک) 19-20
- ڈاکٹر صبیحہ ناہید (نئی دہلی) 21

سیر حاصل: (مفصّل تبصرہ) 23-27

- دیوانِ اقبال: غزلیاتِ علامہ اقبال (مع متروکات)... 23

نقد وتبصرہ 29-55

- حضرت عثمان ذوالنورینؓ: ستارے جس کی گردِ راہ ہوں 29
- ڈاکٹر عبدالجلیل فریدی: قائد ملت، مسیحائے قوم 30
- ہندو ایران کے لسانی رشتے (ڈاکٹر زہرہ خاتون) 32
- مقالاتِ فضیل احمد قادری (پروفیسر سیّد حسن عباس) 34
- شیش محل (خاکے، شوکت تھانوی) 36
- محسن مائیں (محمد عنایت اللہ خان فلاحی) 38
- سیّد کام کرتا ہے (ڈاکٹر عبدالحی) 40
- مجنوں گورکھپوری کے افسانوں کا تنقیدی مطالعہ 42
- لفظ و معانی (مقالات ادبیات فارسی) 44
- گردشِ ایّام (سوانحی ناول) 47
- اردو افسانے میں عورت کا تصور (ڈاکٹر ثمر جہاں) 49
- اختر آصف: حیات وخدمات 51
- بے محاورہ (عالمی اردو افسانچے) 52
- نگارشات (مجموعۂ مضامین) 53

موضوعاتی فہرست 55-59

- اشاریہ 'اردو بک ریویو' جنوری تا دسمبر 2025

جائزہ: اردو کتب ورسائل 61-66

- ماہنامہ صلاح کار (بچّوں کا ڈائجسٹ) 61
- کیسے انہیں بھلائیں (تذکرہ) 62
- افکار وتاثرات (تنقیدی وتحقیقی مقالات کا مجموعہ) 63
- عرفانِ طرزی (تحقیق وتنقید) 64
- اردو فکشن: تفہیم وتجزیہ 65
- ماہنامہ رہنمائے تعلیم جدید (گوشہ آنجہانی نارنگ ساقی) 66

شعری ادب: (مجموعہ کلام) 67-73

- ذکر جمیل (حمد ونعت) 67
- نوائے رنگ (... متنوع نظمیں، وشال کھلّر) 68
- متاعِ ضیا (نعت ومنقبت) 70
- اڑان سے آگے 70
- تارا تارا نظمیں (ادب اطفال) 72

وفیات [Obituaries]: 75-90

- [مولانا] سلمان حسینی ندوی (75)
- ڈاکٹر بانو سرتاج (76) • ڈاکٹر محمد عمر چھاپرا (77)
- عالم بدیع اعظمی (78) • اطہر عزیز (80)
- پروفیسر وہاب قیصر (81) • یاسمین شیخ (82)
- مہ جبیں اختر (82) • محترمہ بسمل صابری (83)
- ظہیر عالم (83) • پروفیسر ظہیر حسین جعفری (84)
- جسٹس ایم ایس لبراہن (85) • ڈاکٹر شہناز مزمل (85)
- سیّد انور جاوید ہاشمی (86) • اصغر علی اسد جعفری (86)
- غلام یزدانی ایڈووکیٹ (87)
- [مولانا] عابد اسعدی مظاہری (87)
- ریحانہ خطیب (88) • منظور پروانہ (88)
- نعیم بدایونی (88) • پروفیسر انصاری محمد سلیم (89)
- پیرزادہ رئیس میاں چشتی (89) • ساحل تماپوری (89)
- راشد سعید دہلوی (90) • بشیر پرواز (90)

نئی کتب: [New Arrivals] 91-93

مضمون نگار یا مبصر کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہندوستان کے عظیم تہذیبی ورثہ پر حملہ

سپریم کورٹ آف انڈیا کے سابق جج جسٹس مارکنڈے کاٹجو (پ:20 ستمبر 1946) کی محبت اردو زبان وادب سے غیر مشروط ہے۔ان کا شمار برادرانِ وطن کے ان محبانِ اردو میں ہوتا ہے جنہوں نے اردو کوٹوٹ کے چاہا ہے۔ وہ اردو زبان کی تہذیبی اور روایتی سرزمین لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ ان کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ عدالت عظمیٰ کی کرسی پر فیصلہ سناتے وقت بھی اردو کے کسی شاعر کا برمحل شعر پڑھا کرتے تھے۔ گزشتہ دنوں تلنگانہ کے ایک اسکول کے پرنسپل پر چند انتہا پسند دائیں بازو کے عناصر نے صرف اس وجہ سے جان لیوا حملہ کیا کہ انہوں نے اپنے اسکول میں اردو کی تعلیم کا اہتمام کیا تھا تو جسٹس کاٹجو اس واقعہ سے بے حد رنجیدہ ہوئے۔ روزنامہ انقلاب میں 3 جولائی 2026 کو اس واقعہ پر ان کا ردعمل کچھ یوں تھا:

''اس نوعیت کے واقعات بھارت کے لیے باعثِ شرم ہیں۔ یہ عناصر جو درحقیقت غنڈہ گرد اور اوباش ذہنیت کے حامل ہیں، سزا کے مستحق ہونے کی بجائے بعض حلقوں میں ہندو تہذیب وثقافت کے محافظ قرار دیے جاتے ہیں، جو نہایت افسوس ناک امر ہے۔ اردو، سنسکرت کی طرح، ہندوستان کی ایک عظیم اور وقیع زبان ہے۔ لیکن جس طرح سنسکرت کے ساتھ ناانصافی کی گئی، اسی طرح اردو بھی طویل عرصے سے ناانصافی کا شکار ہے۔ کچھ جاہل اور متعصب افراد نے بلا جواز اردو کو ایک غیر ملکی زبان قرار دیا اور اسے محض مسلمانوں کی زبان بنا کر پیش کیا، حالانکہ یہ تاریخی حقیقت کے سراسر منافی ہے۔ میں نے اپنے مضمون اور ویڈیو 'اردو کیا ہے؟' میں اردو کی تاریخ، اس کے ارتقا، خصوصیات اور اس کی تہذیبی اہمیت پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، اس لیے یہاں ان مباحث کو دوہرانا ضروری نہیں سمجھتا۔ الٰہ آباد ہائی کورٹ میں بطور جج اپنے ایک فیصلے (رمیش اپادھیائے بنام ریاست اتر پردیش، 1993) میں، میں نے یہ رائے ظاہر کی تھی کہ ہندوستان کی دو عظیم ہمہ گیر تہذیبی زبانیں، یعنی سنسکرت اور اردو، ملک کے تمام اسکولوں میں کم از کم پانچ برس تک (مثلاً آٹھویں جماعت تک) لازماً پڑھائی جانی چاہئیں۔ اس فیصلے کے پیراگراف 14 میں، میں نے لکھا تھا کہ میری رائے میں سنسکرت کے ساتھ ساتھ اردو بھی ہمارے اسکولوں میں کم از کم پانچ سال تک پڑھائی جانی چاہیے (مثلاً آٹھویں جماعت تک)۔ اردو بھی ہمارے ملک کی ایک عظیم زبان ہے مگر اسے غلط طور پر صرف مسلمانوں کی زبان قرار دے دیا گیا۔ برطانوی حکومت ہندوستانی عوام میں تفرقہ پیدا کرنا چاہتی تھی، اس نے یہ گمراہ کن پروپیگنڈہ کیا کہ ہندی ہندوؤں کی زبان ہے اور اردو مسلمانوں کی۔ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اردو شمالی ہندوستان (بلکہ جنوبی ہندوستان کے بھی بعض حصوں) کے تمام تعلیم یافتہ افراد کی مشترکہ زبان تھی، خواہ وہ ہندو ہوں، مسلمان ہوں یا سکھ۔

میر، غالب، فیض، فراق اور جوش جیسے عظیم اردو شعرا مکمل طور پر سیکولر فکر کے حامل تھے اور ان کا کلام ادب کے اعلیٰ ترین نمونوں میں شمار ہوتا ہے۔ آج ہماری نوجوان نسل اپنی تہذیبی

جڑوں سے بڑی حدتک کٹ چکی ہے۔ اس میں مایوسی، بدظنی اور ثقافتی بے سمتی بڑھتی جارہی ہے، اور بیشتر نوجوان ہندوستان کی ان دو عظیم تہذیبی زبانوں، سنسکرت اور اردو سے تقریباً ناواقف ہیں۔ اگر انہیں اسکول کے زمانے میں کم از کم پانچ برس تک یہ زبانیں پڑھائی جائیں تو وہ ان کی بنیادی واقفیت حاصل کرسکیں گے، جسے بعد میں اپنی ذاتی محنت سے مزید وسعت دے سکتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنی تہذیب، تاریخ اور ثقافتی ورثے سے بہتر طور پر آشنا ہوں گے۔ اس اقدام سے ان بنیاد پرست عناصر کی کوششیں بھی کمزور ہوں گی جو خواہ ہندو ہوں یا مسلمان، مذہب کی بنیاد پر ملک کو تقسیم کرنے کی سیاست کرتے ہیں۔''

جسٹس مارکنڈے کاٹجو کے خیالات اور جذبات کا ہم احترام کرتے ہیں۔ ان کا دل صاف ہے اور ان کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ کسی بھی مسئلہ میں اپنی آراء کا اظہار ہمیشہ لاگ لپیٹ کے بغیر کرتے ہیں۔ کاش! فاضل جج صاحب کی باتوں کا انتہا پسندوں کے دل ودماغ پر مثبت اثرات مرتب ہوں۔ لیکن ملک میں ظلم وتشدد کا جو لامتناہی سلسلہ جاری ہے، اندازہ ہوتا ہے کہ انتہا پسند عناصر تعمیر سے زیادہ تخریب میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ ظلم وتشدد کے نشانے پر عام طور پر اقلیتیں (Minorities) ہوتی ہیں۔ ان میں مسلمان اور دلت خاص طور سے شکار کیے جارہے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ ملک میں قانون کا نفاذ اور اس کی پاسداری صفر کے مقام پر پہنچ گئی ہے۔ عوام کے حق میں عدالتوں کے فیصلے نمائشی بن کر رہ گئے ہیں۔ گزشتہ پندرہ برسوں میں 'بلڈوزر کلچر' نے عوام بالخصوص مسلمانوں اور دلتوں کو، خوف ودہشت میں مبتلا کردیا ہے۔ ان مسائل کے ساتھ ملک میں ایسے بے شمار مسائل نے جنم لیا ہے جن کا تعلق عوام کے ساتھ ملک کی معاشی تعمیری ترقی سے ہے۔ ملک میں ڈر اور خوف کا ایسا ماحول پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ تعلیم یافتہ افراد، دانشور طبقہ اور اعلیٰ عہدوں پر فائز افراد تمام تر بے اعتدالیوں کا مشاہدہ کرنے کے بعد بھی خاموش رہنے میں 'عافیت' محسوس کرتے ہیں۔ ظلم کے خلاف نہ کوئی آواز اٹھا سکتا ہے اور نہ ہی کوئی ظالم کا ہاتھ پکڑنے والا ہے۔ ایسا مخدوش ماحول آزاد ہندوستان کی تاریخ میں شاید کبھی نہیں رہا۔ نفرت کی سیاست بھی ہوتی رہی ہے اور فرقہ وارانہ فسادات بھی ہوئے لیکن (ایمرجنسی کی مدت کو چھوڑ کر) ایسی ناگفتہ بہ صورت حال کبھی دیکھنے کو نہیں ملی۔ 2014 سے ملک میں 'ہندتو کے ایجنڈے' کے نفاذ نے قانون کی بالادستی کو بے حد متاثر کیا ہے۔ منصف سے عوام کی آخری امید بھی دَم توڑتی نظر آرہی ہے۔ ملک کی شاید اسی صورت حال کا ادراک کرتے ہوئے سابق بیوروکریٹ، دانشور اور ماہر تعلیم سیّد حامد (مرحوم) نے ایک عرصہ قبل ادبی پیرائے میں کہا تھا:

ایک دو زخم نہیں جسم ہے سارا چھلنی　　درد بے چارہ پریشاں ہے کہاں سے اٹھے

عدالت عظمیٰ کے سابق جج جسٹس مارکنڈے کاٹجو نے بجا طور سے کہا کہ ''اردو پر حملہ درحقیقت ہندوستان کے عظیم تہذیبی ورثے اور اس کی مشترکہ ثقافت پر حملہ ہے۔'' لیکن اس وقت صورت حال یہ ہے کہ انتہا پسندوں کے مسلسل حملوں سے مسلمانوں اور دلتوں کی روح بھی چیخ پڑی ہے۔ انسانیت شرم سار ہورہی ہے۔ اگر برسر اقتدار حکومت (مرکزی و صوبائی) عوام کی مشکلات اور ان پر ہونے والے ظلم وتشدد کو مسلسل نظر انداز کررہی ہے اور ملک کی ترقی میں بنیادی نوعیت کے کام سے غفلت میں مبتلا ہے، تو اسے خود اپنے انجام کا احتساب اور تجزیہ کرنا چاہیے۔ جہاں تک اردو کو حاشیے پر پہنچانے اور اس کے تہذیبی ورثے پر حملے کا سوال ہے تو اس کی ذمہ داری بڑی حد تک نام نہاد 'محبانِ اردو' پر بھی عائد ہوتی ہے جنہوں نے اردو زبان وادب سے اپنا رشتہ منقطع کر رکھا ہے۔ لہٰذا اردو کے دفاع میں کوئی تدبیر کیونکر کارگر ہوسکتی ہے۔

بدھ 9 ستمبر 2026

—— محمد عارف اقبال

عرض ناشر

اردو بک ریویو کا ’وِژن‘ اور ’مشن‘

اردو میں شائع ہونے والے ادبی، تحقیقی، مذہبی اور عام رسائل کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ان رسائل کے قارئین اب محدود ہوتے جارہے ہیں۔ جدید کمپیوٹر سائنس کے اِس دور میں پرنٹ میڈیا سے استفادہ کا رجحان کم ہوتا جارہا ہے۔ ادبی صحافت جس کی بنیاد کتابیں ہیں، حقیقت یہ ہے کہ مجموعی طور پر مطالعے کی عادت ہی ختم ہوتی جارہی ہے۔ موبائل کی لَت نے مطالعے کی عادت کو بُری طرح مجروح کیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ عبوری دَور ہے اور ایک وقت جلد ہی آنے والا ہے جب لوگ کتابوں کی طرف پلٹنے پر مجبور ہوں گے۔

’اردو بک ریویو‘ ایک ایسا مجلّہ ہے جس کی مثال اردو دنیا میں دیگر ادبی، تحقیقی اور مذہبی رسائل سے نہیں دی جاسکتی۔ یہ اپنی نوعیت کا منفرد دستاویزی کام ہے۔ یہ مجلّہ ادب کا ماضی، حال اور مستقبل تینوں ہے۔ یہ مجلّہ علمی اور ادبی تاریخ لکھنے کی کوشش کررہا ہے، اس بات کا ادراک آج کے بیشتر اردو پروفیسرز کو بھلے ہی نہ ہو، لیکن مستقبل کے علم و ادب کی زمین پر یہ مجلّہ اِن شاء اللہ اپنے وجود کا احساس ضرور کرائے گا۔ آنے والی اردو نسل محسوس کرے گی کہ اسے تاریکی سے نکالنے میں ’اردو بک ریویو‘ کس حد تک ممد و معاون ہے جبکہ اس وقت دوسرا کوئی ذریعہ اس نسل کے پاس نہیں ہوگا۔ واضح ہو کہ قوموں کی تاریخ ہو یا علمی و ادبی تاریخ، اس کے محفوظ کرنے کا عمل کبھی ٹھہرتا نہیں، جاری رہتا ہے۔ جن اہل علم نے علمی و ادبی تاریخ لکھنے کا بیڑہ اٹھایا تھا، وہ اپنا کام کر چکے لیکن کیا ان کا کیا ہوا کام ہی مکمل ہے؟ کشمکشِ حیات میں تاریخ تو ندی کی طرح رواں رہتی ہے۔ ’اردو بک ریویو‘ علم و ادب کی اس تاریخ کو جمع کرنے اور لکھنے کا کام انجام دے رہا ہے جس کا تعلق موجودہ دَور سے ہے۔ توجہ فرمائیں کہ ہر گزرا ہوا دن ہمارا ماضی بھی ہے اور ہماری تاریخ بھی۔ اس بات کو یونیورسٹیز کے اساتذہ آج نہیں سمجھ پاتے تو عام تعلیم یافتہ طبقے سے ہم کیا توقع کرسکتے ہیں۔ لیکن یہ بات نہ صرف باعثِ مسرت ہے بلکہ اردو کے روشن مستقبل کو اجاگر کرتی ہے کہ ’اردو بک ریویو‘ کے بیشتر قارئین معاشرے کے تقریباً ہر طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے ان کو ایسی سمجھ دی ہے کہ اردو کے اکثر اساتذہ کی ذہنی کیفیت ان کے مقابلے میں کم تر نظر آتی ہے۔

’اردو بک ریویو‘ کی اشاعت کو دسمبر 2026 میں الحمدللہ، 32 سال مکمل ہوجائیں گے۔ یہ مجلّہ تجارتی یا مالی اعتبار سے کبھی خود کفیل نہیں ہوسکا۔ کیونکہ ’اردو بک ریویو‘ عام رسالہ نہیں ایک ’مشن‘ ہے۔ اس کا وِژن حال سے باخبر کرنا اور روشن مستقبل کو مستحکم کرنا ہے۔ اس مجلّہ کو کبھی کسی ادارے یا تنظیم کا تعاون حاصل نہیں ہوا۔ اس کی بنیادی وجہ نام و نمود اور شہرت سے اوپر اُٹھ کر خالص علمی و ادبی کام کو انجام دینا ہے۔ ہمارے جن معزز اور محترم قارئین نے ’اردو بک ریویو‘ کے اس وِژن اور مشن کو محسوس کیا، انہوں نے وقتاً فوقتاً اپنا دستِ تعاون دراز کیا۔ انہی کے تعاون کو اللہ رب العزت نے بار آور کیا اور اب بھی یہ مجلّہ الحمدللہ جاری ہے۔ مذکورہ بالا سطور میں چند باتیں اس لیے بیان کی گئی ہیں کہ اب بھی وقت ہے، ’اردو بک ریویو‘ کے ’وژن‘ اور ’مشن‘ کا ادراک کرتے ہوئے، ادارے کو مستحکم کرنے کی کوشش کی جائے۔ آپ اپنی آمدن کا محض چند فیصد ادارے کو مستقل دینے کی کوشش کیجیے۔ یاد رکھیے کہ آپ کا عطیہ نہ صرف ادارے کو مستحکم کرے گا بلکہ اردو زبان و ادب کے روشن مستقبل کی تاریخ رقم کرنے میں اہم کردار ادا کرے گا۔

—— محمد عارف اقبال

Mobile: 09953630788

جمعرات، 27 اگست 2026

THE GLORIOUS QURAN دی گلوریس قرآن

مستند ابتدائی ماخذ پر مبنی تشریحات کے ساتھ نیا انگریزی ترجمہ قرآن

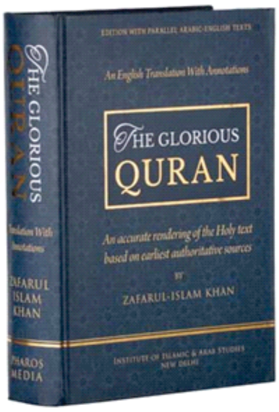

اسلام کی مقدس کتاب قرآن مجید کا درست ترین اور سلیس انگریزی ترجمہ، جس میں قرآن مجید کی تاریخ اور مسائل سمیت متعلقہ موضوعات پر وسیع تشریحات اور ضمیمے، سیرت محمدی ﷺ، اسماء اللہ الحسنیٰ، قرآن میں مذکور انبیاء علیہم السلام کا مختصر تعارف، اسلامی اصطلاحات پر مبنی لغت اور قرآن کا موضوعاتی اشاریہ شامل ہیں۔ یہ سب انتہائی مستند ابتدائی عربی ماخذ پر مبنی ہے۔ قرآن اور اسلام کو سمجھنے کے لیے ایک مکمل اور مستند دستاویز۔ 11 سال کی محنت کا نتیجہ۔

ترجمہ، تشریحی حواشی اور ضمائم: ڈاکٹر ظفر الاسلام خان

مترجم نے ہندوستانی مدارس میں تعلیم حاصل کی۔ بعد ازاں جامعۃ الازہر اور قاہرہ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی اور مانچسٹر یونیورسٹی (انگلینڈ) سے 1987ء میں اسلامیات میں پی ایچ– ڈی کی۔ وہ عربی، انگریزی اور اردو میں 50 سے زیادہ کتابوں کے مصنف اور مترجم ہیں۔

انگریزی ترجمہ قرآن بشمول عربی متن، 1216 صفحات (مجلد/ ڈبل کلر)۔

ہندوستان: 1195 ؍روپے / بیرون ممالک: 48 USD (ڈاک/کوریر فری)

صرف انگریزی ایڈیشن، 816 صفحات (مجلد/ بلیک اینڈ وھائٹ)۔

ہندوستان: 795 ؍روپے / بیرون ممالک: 38 USD (ڈاک/کوریر فری)

PHAROS MEDIA & PUBLISHING PVT LTD
New Delhi
Email: books@pharosmedia.com
Mobile/WhatsApp: +91-98686-56614, +91-98181-20669;
or visit: www.pharosmedia.com

Advtt. 03/2026

قارئین کے تاثرات

□ ... سہ ماہی 'اردو بک ریویو' میں نہ صرف نئی کتابوں پر تبصرے ہوتے ہیں بلکہ کتابوں کا مکمل تعارف بھی ہوتا ہے تاکہ شائقینِ ادب اپنے ذوق وشوق کے مطابق کتابوں کا انتخاب کر کے انہیں حاصل کرسکیں۔ اس مجلّہ میں اردو کی ہر بیش بہا معلومات اور اہم نکات سے متعارف کرایا جاتا ہے۔ ملک سے بیرونِ ملک تک کی اردو زبان وادب کے اساتذہ، ادبا وشعرا، صحافی اور قلم کار کی وفیات پر رسالہ کے مدیر کے تاثرات اور معتبر اطلاعات ہوتی ہیں۔ اپریل تا جون 2026 کے شمارے میں شامل حاطب صدیقی کا انشائیہ نما مضمون 'برِاعظم کے باسی ہیں کہ برصغیر کے؟' عام قاری کی توجہ مبذول کرتا ہے۔ رسالہ کے مدیر محمد عارف اقبال صاحب اردو زبان وادب سے قلبی لگاؤ رکھتے ہیں۔ لہٰذا کسی مضمون میں اردو زبان کے تعلق سے رواروی میں بھی منفی بیانیہ آجانے پر اس کی گرفت کر لیتے ہیں، چاہے اس قلم کار سے ان کے دیرینہ مراسم کیوں نہ ہوں۔ مذکورہ شمارے (عرضِ ناشر) میں ایک مضمون کے حوالے سے اطہر فاروقی صاحب جیسے علم داں اور اردو زبان کے بہی خواہ کو بھی انہوں نے بجا طور سے ہدف بنایا ہے۔

پروفیسر عبدالبرکات
مظفر پور (بہار) موبائل:8210281400

اردو بک ریویو: اردو ادب کی زندہ روایت کا امین

□ ... اردو زبان وادب کی ترقی صرف تخلیقِ ادب سے وابستہ نہیں بلکہ اس کا تعلق ادب کے تعارف، تجزیے، تنقید اور علمی احتساب سے بھی ہے۔ یہی وہ فریضہ ہے جسے "اردو بک ریویو" گزشتہ کئی برسوں سے نہایت خاموشی، مستقل مزاجی اور علمی دیانت کے ساتھ انجام دے رہا ہے۔ اس معرکہ آرا ادبی جریدے کے بانی، مدیر اور روح رواں محمد عارف اقبال نے اردو دنیا میں کتابوں کے تعارف اور تنقیدی جائزے کی ایک ایسی مضبوط روایت قائم کی ہے جو آج نایاب ہوتی جارہی ہے۔

اپریل۔مئی۔جون 2026 کا شمارہ اس روایت کی ایک درخشاں مثال ہے۔ سرورق ہی قاری کو اپنی جانب متوجہ کر لیتا ہے جہاں متعدد اہم کتابوں کے سرورق نہایت خوبصورتی سے پیش کیے گئے ہیں۔ نمایاں طور پر علی گڑھ کالج اور شیراز (سید جلال الدین حیدر)، پروفیسر محسن عثمانی ندوی کی تصانیف اہلِ علم وادب کی نظر میں، تعمیرِ شخصیت: کامیاب زندگی کا فارمولا (مولانا وحید الدین خان)، مبادیاتِ لسانیات (پروفیسر مرزا خلیل احمد بیگ)، ابرار فائق: ایک قلندر مزاج شاعر (پروفیسر محمد نعیم فلاحی)، گلِ کنج: کلیات شاہ (شاہ حسین نہری)، جمالیات: کلام جمال صابری (مہر عالم خاں) جیسی اہم تصانیف شامل ہیں۔ مختلف اہلِ قلم کے تحقیقی اور تنقیدی مضامین اس شمارے کو مزید وقعت عطا کرتے ہیں۔

اسی طرح جائزۂ اردو کتب ورسائل کے عنوان سے متعدد نئی کتابوں کا تعارف اور مختصر تبصرہ پیش کیا گیا ہے۔ ان میں شیعہ سنی اتحاد، عبدالعزیز خالد کی منظوم تمثیل نگاری، یادگار مجلہ عالمی یومِ یونانی میڈیسن، رہنمائے علم الصیدلہ، نشانِ راہ، گل کنج، جمالیات، برمحل اشعار اور ان کے ماخذ اور دیگر اہم تصانیف شامل ہیں۔ صرف تین ماہ کے عرصے میں اس قدر کتابوں کو حاصل کرنا، ان کے لیے موزوں ناقدین اور مبصرین کا انتخاب کرنا، ان سے معیاری تبصرے تحریر کروانا، پھر ان کی ترتیب وتدوین کرنا ایک نہایت محنت طلب، صبر آزما اور دیدہ ریزی کا کام ہے۔

اس شمارے کا ایک نہایت مؤثر اور اہم گوشہ "وفیات" ہے۔ اس عنوان کے تحت تقریباً چوبیس علمی، ادبی، تعلیمی اور سماجی شخصیات پر مختصر مگر جامع مضامین شامل کیے گئے ہیں۔ یہ صرف تعزیتی تحریریں نہیں بلکہ ان شخصیات کی علمی، ادبی اور سماجی خدمات کا مستند ریکارڈ بھی ہیں۔

ان شخصیات میں سے چند سے مجھے ذاتی طور پر ملاقات اور استفادے کا شرف حاصل رہا ہے، جن میں پروفیسر احمد سجاد، بشیر بدر، سید شاہ حسین نہری، فاروق سید اور شبیر احمد انصاری شامل ہیں۔ خصوصاً سید شاہ حسین نہری میرے خسر تھے، اس لیے ان کا تذکرہ میرے لیے محض ایک ادبی مضمون نہیں بلکہ ایک جذباتی یاد بھی ہے۔ ان شخصیات کے ذکر نے مجھے یہ احساس دلایا کہ ہر تین ماہ کے مختصر عرصے میں اتنی بڑی تعداد میں ہمارے علمی اور

ادبی سرمائے کا ہم سے جدا ہو جانا ایک گہرا خلا پیدا کر رہا ہے۔ یہ سوال بھی ذہن میں ابھرتا ہے کہ کیا ہم اسی رفتار سے نئ علمی اور ادبی شخصیات بھی تیار کر رہے ہیں؟ یقیناً یہ ہمارے لیے ایک لمحۂ فکر ہے۔

اس شمارے میں جامع اداریہ، عرضِ ناشر، قارئین کے تاثرات، نقد و نظر، علم و ادب، کتابِ زندگی، سیر حاصل اور نئے کتب جیسے مستقل عنوانات نہ صرف جریدے کی علمی وقعت میں اضافہ کرتے ہیں بلکہ قاری کے مطالعے کو وسعت بھی عطا کرتے ہیں۔خصوصاً مبادیاتِ لسانیات، اور دنیا عورت کی نظر میں (سفرنامہ) پر مفصل تبصرے قابلِ مطالعہ ہیں۔

اس شمارے میں شامل دیگر اہم کتابیں مثلاً سندیلہ کے مشاہیر شعرا، پروفیسر ممتاز احمد کی ادبی خدمات، مولانا ابوالکلام آزاد، فرنگ کا قیدی، عصمت چغتائی کا افسانوی فن، معیار و میزان (رشید حسن خاں...)، شاعری میں شہر جونپور اور تفہیم و تعبیر، بھی اس حقیقت کی غماز ہیں کہ اردو بک ریویو صرف معروف کتابوں تک محدود نہیں بلکہ نئ اور معیاری علمی کاوشوں کو بھی پوری ذمہ داری کے ساتھ منظرِ عام پر لاتا ہے۔

واضح ہو کہ 'اردو بک ریویو' کا ہر شمارہ اجتماعی طور پر ایک ایسی علمی خدمت کا آئینہ دار ہوتا ہے جس کی مثال اردو صحافت میں کم ہی ملتی ہے۔

مدیر محترم کی یہ کوشش رہتی ہے کہ اردو زبان و ادب کی کوئی اہم تصنیف نظر انداز نہ ہو اور اس کا تعارف اردو دنیا تک ضرور پہنچے۔ یہی احساسِ ذمہ داری اردو بک ریویو کو دیگر ادبی جرائد سے ممتاز بناتا ہے۔

'اردو بک ریویو' صرف ایک سہ ماہی جریدہ نہیں بلکہ اردو ادب کی تاریخ، تحقیق، تنقید، کتاب شناسی اور علمی روایت کی ایک معتبر دستاویز ہے۔ محمد عارف اقبال اس کے ذریعے جو خدمت انجام دے رہے ہیں وہ یقیناً اردو زبان و ادب کے لیے ایک دیرپا سرمایہ ہے۔ آنے والی نسلیں ان کی بے لوث ادبی خدمات کو ضرور یاد رکھیں گے۔

ڈاکٹر محمد صفی انوری

بیڑ (مہاراشٹر) موبائل:9422931765

❑ ... نئ دہلی سے جناب محمد عارف اقبال کی ادارت میں شائع ہونے والا اردو سہ ماہی 'اردو بک ریویو' کا تازہ ترین شمارہ (اپریل تا جون 2026) ڈاک سے موصول ہوا۔

اپنی نوعیت و انداز کا یہ الگ ہی اردو رسالہ ہے، جس میں افسانے، غزلیں و نظمیں نہیں ہوا کرتیں بلکہ اردو اور دیگر زبانوں میں اردو زبان و ادب پر شائع ہونے والی مفید کتابوں پر تبصرے، قیمت اور ملنے کے پتے درج کیے جاتے ہیں۔ طلبا، اساتذہ، ریسرچ اسکالرز اور عام اردو قارئین کے لیے اس کا مطالعہ بے حد مفید ہے۔

مدیر صاحب کے دل میں زبان اردو سے جو محبت ہے اور اردو قارئین کے لیے جس قدر ہمدردی ہے، انتہائی دشواری کے باوجود وہ رسالہ کو پوری آب و تاب کے ساتھ شائع کر کے ہم تک پہنچا دیتے ہیں۔ یہ دستاویزی مجلّہ گزشتہ 32 برسوں سے ایک ادبی تاریخ رقم کر رہا ہے۔ ہماری ذمہ داری ہے کہ اردو زبان کی بقا و ترقی کے لیے حتی الوسع حصہ لیں۔

ٹی جے افضل بیگ

بنگلور۔ موبائل:9449002947

'اردو بک ریویو' عہد ساز رسالہ

❑ ... محمد عارف اقبال کی ادارت میں شائع ہونے والے مشہور بلکہ عہد ساز رسالہ 'اردو بک ریویو' کا تازہ شمارہ حال ہی میں منظر عام پر آیا ہے۔ یہ اپنے سابقہ شماروں کی طرح ہی کئ اہم

اعتذار

'اردو بک ریویو' شمارہ اپریل تا جون 2026

(۱) صفحہ 95 پر ادراک گوپال پور 'خصوصی اشارے' درست ہے۔ 'اشاریے' درست نہیں۔ (کالم 'نئ کتب')

(۲) 'وفیات کالم' کے تحت صفحہ 91 پر ڈاکٹر محمد نصیر الدین ناصر عمری کی تفصیلات میں نوٹ کر لیں کہ مرحوم بہ وجوہ ادارہ تصنیف علی گڑھ میں تربیتی کورس مکمل نہیں کر سکے تھے۔ جناب رضوان احمد فلاحی (لندن) کی اطلاع کے مطابق اُن دنوں ایمرجنسی کے سبب ادارہ سیل کر دیا گیا تھا۔

(۳) بشیر بدر کے پس ماندگان میں ایک بیٹا معصوم بدر اور ایک دختر شامل ہیں۔ نصرت بدر کا انتقال ہو چکا ہے۔ (صفحہ 76)

اور اچھی کتابوں پر تبصرے لے کر حاضر ہوا ہے۔ اردو بک ریویو نے کتابوں پر تبصرے کی روایت کو راسخ کرنے کا کام گزشتہ 31 برس سے جاری رکھا ہے۔ یہ اب ایک روایت نہیں رہی بلکہ ایک داستان بن چکی ہے جس میں محمد عارف اقبال کے کتابوں پر چست و درست تبصرے اور ان کے شاندار اور پُرمغز اداریے بھی شامل ہیں۔ اس شمارے میں بھی ان کا تحریر کردہ اداریہ خاصے کی چیز ہے۔ 'قوموں کی حیات میں مادری زبان کا مقام' کے عنوان سے انہوں نے جو باتیں کہی ہیں وہ خدا لگتی ہیں۔ انہوں نے یہ بالکل درست تجزیہ کیا ہے کہ ''یہاں کی تعلیمی و علمی زبان آج بھی غیر ملکی ہے جس سے ہمارے ملک کے باشندے فکری و تہذیبی اعتبار سے کبھی مانوس نہیں ہوئے۔ لہٰذا ذہنی پس ماندگی کا شکار رہے۔'' اس چشم کشا اداریہ کے ساتھ ساتھ شمارے میں وہ سب کچھ ہے جو علم کی پیاس رکھنے والوں کی تشنگی کو دور کر سکے۔ کئی اہم کتابوں پر جاندار تبصرے ہیں تو کچھ شعرا و ادبا کے حالات زندگی پر بہترین مضامین (ادبی انٹرویوز) ہیں۔ اس کے ساتھ ہی 'وفیات' کے سیکشن میں گزشتہ دنوں انتقال کرنے والی اردو زبان و ادب، سیاسیات و سماجیات کی تقریباً تمام اہم شخصیات کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے ان کے حیات و کارناموں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ کتاب ریسرچ کے طلبا کے لیے ریفرنس جرنل کے طور پر بھی کام آئے گی۔

مبشر اکبر
روزنامہ 'انقلاب' ممبئی۔ موبائل: 9619664744

محمد علی جوہر یونیورسٹی

❑ ... تعلیمی ادارے قومی اثاثہ ہوتے ہیں جو برسوں کی اجتماعی محنت اور عوامی اعتماد سے وجود میں آتے ہیں۔ ایسا کوئی بھی قدم جس سے ہزاروں طلبا کی تعلیم متاثر ہونے کا خدشہ ہو، اسے نہایت احتیاط، انصاف اور حساسیت کے ساتھ اختیار کیا جانا چاہیے۔ محمد علی جوہر یونیورسٹی کی 38 عمارتوں کے انہدام سے متعلق انتظامیہ کے فیصلے نے طلبا، والدین، اساتذہ اور پورے تعلیمی حلقے میں سخت تشویش پیدا کر دی ہے۔ قانونی معاملات اپنی جگہ، لیکن یہ ضروری ہے کہ طلبا کی تعلیم، امتحانات اور ان کا مستقبل ہر حال میں محفوظ رکھا جائے۔ اگر واقعی انہدامی حکم کی

فرمانِ الٰهی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

... جب اجتماع کے دن (قیامت) وہ تم سب کو اکٹھا کرے گا

ترجمہ: منکرین نے بڑے دعوے سے کہا ہے کہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ نہ اُٹھائے جائیں گے۔ اُن سے کہو نہیں، میرے رب کی قسم ضرور اٹھائے جاؤ گے۔ پھر ضرور تمہیں بتایا جائے گا کہ تم نے (دنیا میں) کیا کچھ کیا ہے، اور ایسا کرنا اللہ کے لیے بہت آسان ہے' ○ پس ایمان لاؤ اللہ پر، اور اس کے رسول (ﷺ) پر اور اُس روشنی (نور) پر جو ہم نے نازل کی ہے۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے ○ (اس کا پتہ تمہیں اُس روز چل جائے گا) جب اجتماع (قیامت) کے دن وہ تم سب کو اکٹھا کرے گا۔ وہ دن ہوگا ایک دوسرے کے مقابلے میں لوگوں کی ہار جیت کا۔ جو اللہ پر ایمان لایا ہے اور نیک عمل کرتا ہے، اللہ اس کے گناہ جھاڑ دے گا۔ اور اسے ایسی جنّتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ اُن میں رہیں گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے ○ اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے اور ہماری آیات کو جھٹلایا ہے وہ دوزخ کے باشندے ہوں گے۔ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور وہ بدترین ٹھکانا ہے ○

[التغابن: آیات ۷ تا ۱۰]

ترجمانی: علّامہ سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

منتخب ———— ایک خیرخواہ

بنیاد غیر قانونی تعمیرات ہیں تو پھر یہی معیار ملک کے دیگر تمام تعلیمی اداروں پر یکساں طور پر کیوں نافذ نہیں کیا جا رہا ہے؟ صرف اسی یونیورسٹی کو نشانہ بنا کر امتیازی سلوک کا مظاہرہ کیوں کیا جا رہا ہے؟

یہ دعویٰ کہ یونیورسٹی کی عمارتیں اس وقت تعمیر کی گئی تھیں جب یہ علاقہ رام پور ڈیولپمنٹ اتھارٹی کے دائرۂ اختیار میں شامل نہیں تھا، اس کی غیر جانبدارانہ تحقیقات شفاف انداز میں عوام کے سامنے پیش کی جانی چاہیے۔ ساتھ ہی حکومت کو واضح کرنا چاہیے کہ اسی نوعیت کے دیگر تعلیمی اداروں کے خلاف یکساں کارروائی کیوں نہیں کی جا رہی ہے۔ قانون کا یک طرفہ نفاذ عوام کے اعتماد کو مجروح کرتا ہے۔ آئین میں دیے گئے مساوات کے اصول کو کمزور کرتا ہے اور امتیازی رویے کا تاثر پیدا کرتا ہے۔ اگر کسی ضابطے کی خلاف ورزی ہوئی ہے تو قانون کے مطابق یونیورسٹی انتظامیہ پر جرمانہ یا دیگر تعزیری کارروائی کی جاسکتی ہے، لیکن سینکڑوں طلبا اور اساتذہ پر مشتمل ایک فعال یونیورسٹی کی عمارتوں کو منہدم کرنا کسی بھی صورت میں قابلِ قبول نہیں ہے۔

ملک معتصم خان
نائب امیر جماعت اسلامی ہند، نئی دہلی-110025
Mobile: 9440083757

مطالعہ کتب کی بستی مالیگاؤں کی نئی مصیبت

☐ ... جب کسی معاشرے کے پیرِ حقیقت کی زمین چھوڑ کر فضول خرچی اور فحش پن کے دلدل میں دھنسنے لگیں، تو سمجھ جانا چاہیے کہ اس کا مستقل آئی سی یو میں ہے۔ آج مالیگاؤں کے ایک بڑے حصے کا یہی حال ہے۔ پچھلے کچھ دنوں سے شہر میں ایک نیا اور عجیب وغریب بزنس ماڈل پھل پھول رہا ہے۔ ممبئی سے کسی بی گریڈ یا گمنام بالی ووڈ گلوکار یا اداکار کو اٹھالاؤ، شو کے نام پر اسٹیج پر فحش پن اور ہڑدنگ پروسو، اور عوام کی جیبیں ڈھیلی کر کے اپنی تجوریاں بھرو۔ حد تو تب ہو جاتی ہے جب اس بھدے تماشے کو شو بزنس اور فن کا خوبصورت لباس پہنا کر جائز ٹھہرانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس ناچ گانے کے شور میں سب سے دردناک بات یہ ہے کہ معاشرے کی خواتین بھی اس کا حصہ بن رہی ہیں، اور جس نئی نسل کو کتابوں کے پنے پلٹنے چاہیے تھے، وہ ان بیہودہ پروگراموں میں تالیاں پیٹ رہے ہیں۔

ان نام نہاد شوز کا انعقاد کرنے والے لوگ معاشرے کے مفاد سے پوری طرح اندھے ہو چکے ہیں۔ فن کے نام پر جو فحش پن پروسا جا رہا ہے، وہ مالیگاؤں (ضلع ناسک، مہاراشٹر) کی تہذیب اور اقدار کو دیمک کی طرح چاٹ رہا ہے۔

تفریح کی ایک حد ہوتی ہے، لیکن جب تفریح فحاشی اور بے حسی کی حد پار کر جائے، تو وہ معاشرے کے لیے زہر بن جاتا ہے۔ مالیگاؤں کے عوام کو اب یہ سوچنا ہوگا کہ انہیں تماشا دیکھنے والی بھیڑ بننا ہے یا تاریخ بدلنے والا معاشرہ۔ ان چند پیسوں کے بھوکے منتظمین کے جھانسے میں آنا بند کیجیے، ورنہ جب تک آپ کی آنکھیں کھلیں گی، تب تک آپ کی آنے والی نسل اس فحش پن کے ملبے کے نیچے دب چکی ہوگی۔

وسیم رضا خان (جرنلسٹ)
مالیگاؤں، ناسک (مہاراشٹر) موبائل:9370170870

سلام ونیاز (مجموعۂ خطوط)

مصنف: ساحل احمد

صفحات: 856 (مجلد) قیمت:-/920

ISBN 978-81-944111-3-0

رابطہ: اردو بک ریویو، نئی دہلی Tel. 011-44753890 / 9953630788

خصوصی رعایت 50%

بلا تبصرہ

بِہار کی بَہار

گزشتہ سے پیوستہ

از: علامہ عبدالماجد دریابادیؒ

سال اب خوب تو خیال میں نہیں 1920 یا 1921 ہوگا ایک بار حیدرآباد جانا ہوا۔ مولانا شروانی صدرالصدور امور مذہبی کے دولت کدہ پر کوئی علمی کمیٹی تھی نظر ایک نئے چہرہ پر پڑی، اور جی چاہا کہ اب پڑی ہے تو برابر پڑی ہی رہے ہٹنے نہ پائے۔ نرم اور روشن چہرہ پر ریشم کی طرح نرم اور ملائم داڑھی پر پڑی، تو دل نے کہا کہ اس چہرہ کو دیکھتے ہی چلے جائیے۔ بتانے والے نے یہ بتایا کہ یہ مولانا مناظر احسن گیلانی ہیں۔ اللہ اللہ کیسا دھوکہ ہوا۔ نام سے عرصہ سے واقف تھا۔ ایک خیالی صورت بھی ذہن میں تھی۔ لیکن یہ صورت، سیرت ہر چیز سے متعلق خیال اور اندازہ کتنا غلط نکلا۔ خیال تھا کہ مسن ہوں گے، یہ تو جوان نکلے۔ قیاس تھا کہ بڑے بحّاث بڑے مناظر ہوں گے اور خشکی و کرختگی کے پتلے۔ مشاہدہ نے بتایا کہ ایک لطیف جسم لطیف تر روح کو چھپائے ہوئے ہے! خندہ رو، نرم خو، نہ کرختگی نہ ثقالت برعکس اس کے ایک پیکر لینست و لطافت قال کے موقع پر قال اور حال کے محل پر حال صورت پر نورانیت برستی ہوئی، گفتگو سے محبوبیت ٹپکتی ہوئی۔ علم کی جگہ علم، عشق کی جگہ عشق تعارف ہوا اور ملاقات کے پینگ بڑھے۔ اس اٹھارہ انیس سال کی مدت میں کیا کچھ دیکھا کیا کچھ سیکھا، ان سوالات کو بس سوال ہی بنا رہنے دیجیے۔ حیدرآباد کی ہمراہیاں لکھنؤ کی یکجائیاں، دریاباد کی سرفرازیاں، اور پھر عرشہ جہاز پر ساتھ، مدینہ کے 'روضۂ جنت' میں ساتھ، بیت اللہ کے طواف و زیارت میں ساتھ، منٰی کی نمازوں میں ساتھ۔ یہ ساری داستان کہیں پھیلنی شروع ہوگئی تو سمیٹنی مشکل ہوجائے گی۔ مختصر یہ کہ دماغ اگر ایک بہاری سیّد زادہ کے علم وفضل کے آگے جھک گیا تھا، تو دل دوسرے بہاری سیّد کی محبوبیت کی نذر ہوگیا۔ دماغ اگر ایک کی عظمت کا قائل تو دل دوسرے کی محبت کا گھائل 'بِہار کی بَہار' اب بھی روح پرور نہ ہوتو کیا ہو؟

1929 میں سفر حج کی سعادت نصیب ہوئی۔ جہاز پر مولوی نصیرالدین صاحب پنشنر منصف اور ان کے صاحبزادے ضمیرالدین صاحب کا خوب ساتھ رہا۔ ضمیر صاحب جو اس وقت ایک پرجوش خلافتی تھے، ان کے لطف وکرم کی تجدید 9-8 سال بعد خاص شہر پٹنہ میں 1937 میں ہوئی۔ مولوی شاہ لطف اللہ صاحب مونگیری اور ان کے برادران عزیز مولوی نوراللہ ومولوی منت اللہ (اب ایم ایل اے ہیں) سے خصوصیت پیدا ہوجانے کے لیے اتنا ہی بس تھا کہ یہ حضرات مولانا گیلانی کے عزیز قریب ہیں۔ لیکن اس کے علاوہ ان حضرات کا لطف و اخلاص بجائے خود بھی یاد رہ جانے والی چیز ہے اور مدینہ منورہ میں ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب کا وجود تو ہر مسافر وزائر کے لیے ایک آیہ رحمت ہے، ہم لوگوں پر کرم خاص رہا۔ مسجد نبوی میں باب جبرئیل کے دربان بھی ایک بہاری تھے اور خوب شخص تھے، ہم لوگ عموماً اسی دروازہ سے جاتے تھے روز ملاقات رہتی تھی۔ نام اس وقت ذہن میں نہیں۔

جامعہ عثمانیہ کے سررشتہ تالیف وترجمہ کے سلسلے میں ستمبر 1917 سے ستمبر 1918 تک ایک سال مسلسل حیدرآباد میں قیام رہا۔ سرکار عالی کے نائب صدر محاسب (اسسٹنٹ

اکاؤنٹینٹ جنرل) مولوی عبدالغنی بہاری مرحوم تھے۔ ان کے کرم بے حساب رہے۔ ان کے صاحبزادے محی الدین صاحب بی اے بیرسٹر ایٹ لا محکمہ تعلیمات میں تھے۔ اب شاید اورنگ آباد کالج کے پرنسپل ہیں۔ جوانی ہی میں مذہب کے دلدادہ، لطف و کرم میں باپ کے قدم بہ قدم۔ انہیں کے ہاں شمس العلما مولوی محب الحق کی زیارت کئی بار ہوئی۔ اس وقت تو بہت بزرگ صورت معلوم ہوئے۔ بعد کو سننے میں آیا کہ عقاید کچھ 'اہل قرآن' کے سے ہیں۔ یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا کہ ایسا شخص اور منکر حدیث ہو! بہار ہی سے ایک صاحب مولوی ابو مصلح ایڈیٹر حسن و عشق، مراسلت عرصہ سے فرما رہے تھے۔ حیدرآباد کی آمد و رفت کے سلسلہ میں ملاقات ہوئی۔ تحریک قرآن کی دھن میں لگے ہوئے دکن ہی کے سلسلہ میں ایک اور بہار کا عبدالرحمن خان صاحب بھی یاد آ گئے۔ انسپکٹر پولیس تھے۔ مدتوں مہربان رہے۔

ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی ایم اے، پی ایچ ڈی کا نام رہا ہی جاتا تھا۔ نظر ثانی کے وقت یاد پڑا۔ یہیں ٹانکے دیتا ہوں۔ اب مدت سے کلکتہ یونیورسٹی میں عربی کے استاد ہیں، ایک زمانہ میں لکھنؤ یونیورسٹی میں تھے۔ اس وقت تو میں ہی ذرا الگ رہا، بعد کو معلوم ہوا بڑے مسلمان تھے۔ مراسلت اور ان کے مقالات حدیث نبوی سے اس کی تصدیق ہو گئی۔

پٹنہ کی حاضری کا اتفاق کل دو بار ہوا۔ بوئے انس شہر کی گلی گلی سے آئی۔ نئی کوٹھیوں سے کم تر عظیم آباد کے کھنڈروں سے بیشتر پہلی بار ستمبر 1927 میں جانا ہوا۔ مولانا مناظر صاحب شدید علیل ہو کر پٹنہ کے بڑے اسپتال میں داخل ہوئے تھے۔ تار پا کر عیادت کو دوڑا ہوا گیا۔ مہمان داری مولوی منظر علی مرحوم ایڈیٹر البشر نے کی۔ مولانا کے والد ماجد حیات تھے، ان کی زیارت ہوئی اور مولانا کے برادر عزیز سیّد مکارم احسن سے خوب ملنا ملانا رہا۔ مولوی محمد شفیع صاحب داؤدی، قاضی احمد حسین صاحب ایم ایل سی، مولوی نور محمد صاحب ایڈیٹر 'اتحاد' وغیرہم لطف فرماتے رہے اور مولوی سیّد محمود ندوی تو ہر وقت خدمت کے لیے وقف رہے۔ میزبان صاحب موٹر پر پھلواری لے گئے۔ مزارات کے علاوہ زندہ بزرگ امیر شریعت مولانا محی الدین صاحب کی زیارت نصیب ہوئی۔ مولانا قاری شاہ سلیمان مرحوم و مغفور اور ان کے اہل خاندان کی عزیزانہ مسافر نوازمحبت کا مزہ دل اب تک لے رہا ہے۔ جناب تمنا کو بھی وہیں دیکھا اور کلام سنا اور جناب تمنا کی لطف فرمائیاں رہیں۔ غرض 'پھلواری' کی سیر سے دل باغ باغ رہا اور اس کی سدا بہار سرسبزی کے لیے دعائیں نکلتی رہیں۔

دوسرا سفر 1937 میں ایک اردو کمیٹی کے سلسلہ میں ہوا۔ ضابطہ سے میزبان قاضی عبدالودود صاحب بیرسٹر تھے لیکن قیام مولانا سیّد سلیمان کی رفاقت میں، ریاض حسن خان صاحب رئیس مظفر پور کی کوٹھی پر رہا۔ موصوف مولانا شبلی مرحوم کے ملنے والے اور اس رشتہ سے میرے بھی بزرگ ہوئے۔ بزرگانہ شفقتیں عین روایات بہار کے مطابق رہیں۔ تمنا صاحب اب کی بھی کرم فرماتے رہے، اور ان کے علاوہ ضمیر الدین صاحب اور متعدد حضرات کی عنایتوں کا مینہ دن بھر برستا رہا۔ افسوس ہے کہ ان کے اسمائے گرمی ذہن میں نہیں۔ شام کو ڈاکٹر سیّد محمود وزیر تعلیم کے اعزاز میں علی گڑھ اولڈ بوائز کی طرف سے ایٹ ہوم تھا۔ متعدد نوجوانوں سے ملاقات رہی۔ سب خلوص و محبت کے رنگ میں ڈوبے ہوئے، ایک ڈپٹی مجسٹریٹ اور دو یونیورسٹی کے طلبا کی صورت کا نقش ذہن میں ہے۔ لیجیے ایک ہدیۂ حقیر بزرگان بہار کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے، گو ان کے مرتبہ کے قابل ہرگز نہیں تیار ہو گیا۔ موضوع 'احباب بہار' خود ایڈیٹر صاحب ندیم کا عنایت کیا ہوا تھا۔ محفل خاص میں اغیار کے بار پانے کے کوئی معنی نہیں۔ بہار نمبر میں ایک غیر بہاری کے لیے جگہ نکالنا محض اس کا دل بڑھانا ہے۔ لیکن یہ بہار نمبر ہے، ایسا ہے کہ اس پر کسی خصوصی نمبر کا اطلاق ذرا مشکل ہی ہے۔ ایک تو اودھ اور بہار کے تمدن و معاشرت کی یہ یکسانی کہ ایک کو دیکھ بے اختیار دوسرے کی زبان سے نکلے:

کمال جذب تو دیکھو بہم تمیز شکل ہے

اور پھر اس عموم میں خصوص ان سطور کے راقم کا اہل بہار کے ساتھ نیازمندانہ خلوص — قند و شکر کو جب تولتے ہیں تو خس و خاشاک کے ذریعے بھی قند و شکر ہی کے حکم میں داخل ہو جاتے ہیں۔ عجب کیا جو اس غیر بہاری کو بھی ایک اعزازی (آنریری) بہاری سمجھ لیا جائے۔ [باقی صفحہ 54]

مقتول غالبؔ کے مزار والی گلی

از: احمد حاطب صدیقی (ابونثر)

حافظ غلام سرور صاحب کراچی میں بیٹھے بیٹھے یا لیٹے لیٹے پنجاب میں مقیم ایک سابق آئی جی پولیس کی خودنوشت کا مطالعہ کررہے تھے۔ پڑھتے پڑھتے یکایک چونک اُٹھے۔ ہوا یوں کہ سبک دوش آئی جی صاحب نے یکے بعد دیگرے کئی افراد کے قتل کا ذکر کرنے کے بعد لکھ دیا کہ ''اتنے قتلوں کے بعد...'' اب حافظ صاحب ڈر کے مارے ریٹائرڈ آئی جی صاحب سے تو کچھ پوچھتے نہیں، ہم سے پوچھتے ہیں:

''کیا قتل کی جمع قتلوں درست ہے؟ اگر نہیں، تو قتل کی جمع کیا ہوگی؟''

صاحب! ہم نے تو صرف 'قتلے' کی جمع 'قتلوں' سنا ہے۔ 'قتلہ' (یا قتلا) قاش، پھانک، پارچے اور کھانے کی کسی چیز کے تراشے ہوئے ٹکڑے کو کہتے ہیں۔ اس کی تصغیر یا تانیث کے طور پر 'قتلی' بھی استعمال ہوتی ہے۔ مثلاً آلو کا قتلہ، گوشت کے قتلے اور برفی کی قتلی۔ شب برأت کے حلوے بھی اکثر 'قتلوں' ہی کی صورت میں تیار کیے جاتے ہیں۔ تو جناب!... ''اتنے قتلوں کے بعد''... اب ہم مزید کون سا قتلہ آپ کی خدمت میں پیش کریں؟

رہا یہ سوال کہ قتل کی جمع کیا ہوگی؟ تو اِس کا جواب بہت آسان ہے کہ ہمیں نہیں معلوم۔ ہم نے قتل کی جمع کبھی کسی سے سنی، نہ کہیں پڑھی۔ ہاں دوہرے قتل اور تہرے قتل کی خبریں ضرور پڑھا کرتے تھے۔ حربی اور غیر حربی کی تمیز کیے بغیر اگر کوئی سب کو قتل کرنا شروع کردے تو یہ 'قتلِ عام' کہلاتا ہے، جیسا کہ میرؔ کے زمانے میں فوجی ٹوپی اوڑھ کر گوروں نے عاشق ومعشوق سب کو بلاامتیاز قتل کر ڈالا تھا:

کوئی عاشق نظر نہیں آتا
ٹوپی والوں نے قتلِ عام کیا

اُنھیں گورے ٹوپی والوں کے ہاتھوں قتلِ عام تو آج بھی برپا ہے۔ مٹھی بھر یہود کی خاطر براعظم یورپ اور براعظم امریکا کی مسیحی عسکری طاقتیں مسلمانوں کے بھرے پُرے شہروں میں آباد بچوں اور بچیوں کا ہر روز قتلِ عام کررہی ہیں، بقول حکیم مومن خان مومنؔ:

کرتا ہے قتلِ عام وہ اغیار کے لیے
دس بیس روز مرتے ہیں دو چار کے لیے

ہاں تو، کوشش ہورہی تھی قتل کی جمع جاننے کی۔ اُردو اور عربی لغات چھان مارنے کے باوجود نہ جان پائے، تو ہم نے خود اجتہاد کرکے قتل کی جمع بنانے کی ایک حقیر سی کوشش کر ڈالی۔ قبر کی جمع قبور اور رسم کی جمع رسوم کے وزن پر قتل کی جمع 'قتول' تجویز کی۔ مگر معلوم ہوا کہ عربی میں 'قتول' اُس شخص کو کہتے ہیں جو بہت قتل کرتا ہو۔ بہت قتل کرنے والے کو تو 'قتّال' بھی کہا جاتا ہے اور بہت قتل کرنے والی کو 'قتّالہ'۔ ہمارے ہاں قتّال کو تو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، مگر قتّالہ کو محبوبہ بنا لیا جاتا ہے۔ اُس قتّالہ کے ہاتھوں قتل ہونے والے مقتولین اپنے آپ کو تو اُس کا 'قتیل' قرار دیتے ہیں، مگر خود اُس کو خونیں قاتل قرار دینے کو تیار نہیں۔ ذوقؔ کو اسی بات پر تو اعتراض تھا:

ترے قتیل بتاتے نہیں تجھے قتّال
جب اُن سے پوچھو اجل ہی کا نام لیتے ہیں

قانون میں قتل کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک قتلِ عَمَد یعنی ارادہ کرکے، جان بوجھ کر، دیدہ ودانستہ اور بغض وعداوت سے کسی کو مار ڈالنا۔ دوسرا قتلِ شبہۂ عمد یعنی دو افراد لڑ رہے ہوں اور ایک کے ہاتھوں دوسرا قتل ہوجائے تو شبہہ کیا جا سکتا ہے کہ اُس نے جان بوجھ کر مارا ہوگا۔ تیسرا قتلِ خطا یعنی ارادے کے بغیر،

محض غلطی سے کوئی شخص مارا جائے، مثلاً پتھر پھینکا، کسی کو جا لگا اور وہ مر گیا، سڑک پر کوئی گاڑی کے نیچے آ کر دم توڑ گیا، یا شکار کے لیے کسی جانور کو نشانہ بنایا مگر انسان اُس کی زد میں آ گیا وغیرہ وغیرہ۔ چوتھا قتل 'دفاعی قتل' کہلاتا ہے۔ کوئی شخص کسی حملہ آور سے اپنی جان بچانے کی کوشش میں اُسے مار ڈالے تو ذاتی دفاع کے لیے کیا جانے والا یہ قتل اکثر قانونی نظاموں میں جائز سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً کوئی مسلح ڈاکو کسی کے گھر میں گھس کر اہلِ خانہ کو جان سے مارنے کی کوشش کرے تو اُس کو مار ڈالنا دفاعی قتل ہوگا اور قتلِ برحق ہوگا۔

قتل سے متعلق کئی محاورے اور تراکیب اُردو میں بھی رائج ہیں۔ بھلے زمانوں میں جب لڑائی فقط لڑنے والوں کے درمیان ہوتی تھی، دُوبدو اور دست بدست، تو اُس وقت کی خوں ریز جنگ کو 'قِتال' کہا جاتا تھا۔ اب تو دُور ہی سے قتلِ عام ہو جاتا ہے۔ قتل وخوں ریزی کے مقابلے کو 'مقاتلہ' بھی کہتے ہیں۔ جب یہ مقابلے ہوتے تھے تب میدانِ جنگ کو 'مقتل' کہا جاتا تھا۔ آج شہری آبادیوں کے گلی کوچے ہی نہیں گھر بھی مقتل بنے ہوئے ہیں۔ مقتل کے لیے 'قتل گاہ' کی ترکیب بھی رائج ہے۔ عدالت سے کسی کو قتل کرنے کے احکام جاری ہو جائیں تو آج کل اس دستاویز کو 'Death Warrant' کہنے کا رواج ہے، مگر اس کے لیے محبوب علی خان آصفؔ نے اپنے مشہور شعر میں 'قتل نامہ' جیسی بلیغ ترکیب استعمال کی ہے، یہ شعر فیضؔ صاحب نے بھی اپنی ایک غزل میں نقل کیا ہے، بلکہ پوری غزل ہی اس شعر کی تضمین ہے:

لاؤ تو قتل نامہ مرا میں بھی دیکھ لوں
کس کس کی مہر ہے سرِ محضر لگی ہوئی

محضر اُس کاغذ کو کہتے ہیں جس پر عدالت کی مہر اور دستخط ہو۔ کوئی بھی دستخط شدہ دستاویز محضر کہی جا سکتی ہے۔ متعدد افراد کے دستخطوں سے پیش کی جانے والی درخواست بھی محضر ہوتی ہے۔ ویسے 'محضر' کے لفظی معنی ہیں 'حاضر ہونے کی جگہ'۔ اسی وجہ سے تھانہ کچہری بھی 'محضر خانہ' تھا۔ خیر یہ باتیں تو محض 'محضر' کے ضمن میں برسبیلِ تذکرہ آ گئی ہیں۔ آج کا موضوع تو قتل و قاتل و مقتول و قتیل ہی ہے۔

محبوب کے ہاتھوں قتل ہو جانا ہمارے شاعروں کا محبوب مشغلہ ہے۔ اِس قتل کے لیے بڑی تیاری کی جاتی ہے۔ غالبؔ کہتے ہیں:

آج واں تیغ و کفن باندھے ہوئے جاتا ہوں میں
عذر میرے قتل کرنے میں وہ اب لائیں گے کیا؟

چچا کا کفن باندھنا تو خیر اپنے لواحقین و پسماندگان کو بازار کی بھاگ دوڑ سے بچانے کے لیے تھا، مگر تیغ باندھ کر کیوں گئے؟ شاید محبوب کو بھاگ دوڑ سے بچانے کے لیے کہ اب محبوب یہ عذر مقتول کو نہیں پیش کر سکتا تھا کہ میرے کنے تیغ تو ہئی نہیں، کاہے سے قتل کروں؟

عام آدمی قتل ہو جائے تو دنیا کے تمام مشاغل اور ہر قسم کے جھنجھٹ سے آزاد ہو جاتا ہے۔ کچھ کرنے کے قابل رہتا ہے نہ کچھ کر پاتا ہے۔ مگر شاعر ایسی ڈھیٹ شے ہے کہ قتل ہو جانے کے بعد بھی شعر کہتا رہتا ہے، باز نہیں آتا۔ میر تقی میرؔ مقتول ہوئے تو محبوب سے دست بستہ درخواست کی کہ اب وہ غصہ تھوک کر اُن کی لاش اُٹھوانے میں ورثا کی مدد کرے:

قتل کیے پر غصہ کیا ہے؟ لاش مری اُٹھوانے دو
جان سے ہم بھی جاتے رہے ہیں تم بھی آؤ، جانے دو

چچا غالبؔ مابعدِ قتل اپنے محبوب کی پشیمانی پر ہائے مارتے ہوئے پائے گئے:

کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ
ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

یہی نہیں، پریشان و پشیمان محبوب کو مقتول نے اپنی تدفین کے ضمن میں بھی ایک مخلصانہ مشورے سے نواز ڈالا۔ اُسے مشورہ دیا کہ:

اپنی گلی میں مجھ کو نہ کر دفن بعدِ قتل
میرے پتے سے خلق کو کیوں تیرا گھر ملے؟

غالباً شاعر یہ نہیں چاہتا تھا کہ کوچۂ محبوب کو ''مقتول غالبؔ کے مزار والی گلی'' کہا جائے۔

□□□

(بہ شکریہ: فرائیڈے اسپیشل، کراچی)

ڈاکٹر رعنا حیدری (اورنگ آباد، مہاراشٹر)

ڈاکٹر رعنا حیدری کا آبائی وطن الہ آباد (اُتر پردیش) ہے۔ ان کے والد محترم غلام محمد خان المعروف بہ جی ایم خان ریڈیو ڈرامے کے مایہ ناز آرٹسٹ اور اناؤنسر تھے۔ وہ بہ سلسلۂ ملازمت دکن کے دو اہم شہروں حیدرآباد اور اورنگ آباد میں قیام پذیر رہے۔ اُس زمانے کی دور ریڈیو سروسیز دکن ریڈیو حیدرآباد اور دکن ریڈیو اورنگ آباد سے ان کی وابستگی رہی۔

رعنا حیدری نے آٹھویں جماعت سے ہی نظم کہنی شروع کی تھی۔ اردو نظمیہ شاعری کا وہ معتبر نام ہیں۔ ان کا عقدِ نکاح 2 جنوری 1970 کو اورنگ آباد دکن میں فروکش لکھنؤ کے ممتاز شاعر یعقوب عثمانی کے اکلوتے صاحبزادے ڈاکٹر محمد یوسف عثمانی سے ہوا تھا۔ یوسف عثمانی بھی ایک خوش بیان شاعر تھے۔ رعنا حیدری کی تعلیم اورنگ آباد (دکن) میں ہوئی۔ ایم اے (اردو) کی تکمیل کے بعد انہوں نے 1971 میں مولانا آزاد کالج اورنگ آباد میں اردو لیکچرر کی ملازمت اختیار کی تھی۔ ملازمت کے دوران میں ہی اختیاری طور پر بغیر ریسرچ گائڈ کے رعنا حیدری نے 1999 میں 'سکندر علی وجد: فن و شخصیت' پر پی ایچ ڈی کی تھی۔ اورنگ آباد (دکن) کی مشہور دانش گاہ ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر مراٹھواڑہ یونیورسٹی میں شعبہ اردو کا باضابطہ قیام 1999 میں ہوا۔ رعنا حیدری اس شعبہ کی اولین صدر نشین اور ریڈر منتخب کی گئیں۔ ان کی نگرانی میں جن موضوعات پر پی ایچ ڈی کے لیے تحقیقی مقالے لکھے گئے ان میں پریم چند، علی عباس حسینی، مرزا رفیع سودا، سلیمان خطیب، بشر نواز، حمایت علی شاعر، اختر الزماں ناصر جیسی بڑی سرکردہ شخصیات کے علاوہ مراٹھواڑہ کی نظم گو خواتین شعرا، اردو افسانہ 1980 کے بعد، اور اردو جدید شاعری کے منتخب غیر مسلم شعرا جیسے موضوعات شامل ہیں۔

اورنگ آباد (دکن) کی معروف ادیبہ ڈاکٹر قاضی رضوانہ شمیم نے موجِ وجدان (2026) کے عنوان سے کتاب تحریر کی ہے۔ اس کتاب میں ڈاکٹر رعنا حیدری کی شعری کائنات کا تفصیلی محاکمہ کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر غضنفر اقبال سہروردی کی کتاب باتیں رنگ رنگ (2022) میں ڈاکٹر رعنا حیدری کا طویل انٹرویو شامل ہے۔ علاوہ ازیں ان کی نظم نگاری پر عارف خورشید، واجد اختر صدیقی، ڈاکٹر اسما ثمرین وغیرہم نے بھی لکھا ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر حمید سہروردی نے رعنا حیدری کی نظم گوئی پر لکھا ہے:

> ''رعنا حیدری کی نظموں میں ایک متجسس کردار ابھرتا ہے اور ایک باخبر انسان کی دریافت کی کوشش نظر آتی ہے۔ تہذیب و تمدن کے کھنڈرات پر چھائی ہوئی مایوسی کی دھند میں انہیں نئے انسان کی تلاش ہے۔ وہ اپنے عصر کے مسائل کو حسی سطح پر ایک عورت کی نظر سے دیکھتی اور محسوس کرتی ہیں۔ ان کی نظمیں بے حد سیال بیانیہ پر ان کی قدرت کو ظاہر کرتی ہیں۔''

تصانیف: ● آئینے (1973) ● روپ رس (1998) ● سکندر علی وجد: حیات و شاعری (1998)
● حدیثِ دل (2022) ● نیرنگ نظر (زیر اشاعت)

ڈاکٹر رعنا حیدری

● آپ کی تاریخ پیدائش؟
■ 17 اپریل 1945ء مقام: سکندرآباد، تلنگانہ
● آپ نے کس اسکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کی؟
■ گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول اورنگ آباد دکن
● آپ کی مادری زبان اور ذریعہ تعلیم؟
■ اردو
● آپ کے مطالعہ کے موضوعات کیا ہیں؟
■ شاعری اور فکشن
● اِس وقت کون سی کتاب آپ کے زیر مطالعہ ہے؟
■ چاندنی بیگم (قرۃالعین حیدر)
● آپ کے پسندیدہ مصنّفین (ادیب، ناول و افسانہ نگار، شاعروغیرہ) کون ہیں؟
■ غالب، حالی، اقبال، فیض
● آپ کی زندگی میں کس کتاب سے انقلابی تبدیلی رونما ہوئی؟
■ مقدمہ شعروشاعری (مولانا الطاف حسین حالی)
● حصولِ تعلیم کے دوران میں آپ کو کس نصابی کتاب نے سب سے زیادہ متاثر کیا؟
■ گلۂ صفورہ (شفیق فاطمہ شعریٰ)
● آپ اردو کا کون سا اخبار/رسالہ خریدتے ہیں؟
■ روزنامہ اورنگ آباد ٹائمز (اورنگ آباد)، ایشیا ایکسپریس (اورنگ آباد)، ہدیٰ (دہلی)، نیا ورق (بمبئی)
● آپ کے گھر کے نوجوان (teen agers) کیا اردو لکھنا پڑھنا جانتے ہیں اور اردو کو اپنی مادری زبان سمجھتے ہیں؟
■ جی ہاں
● آپ کے نزدیک سیکولر تعلیم کا کیا مفہوم ہے؟
■ ملک کی ترقی اور امن وامان کے تحفظ کے لیے سیکولر تعلیم ناگزیر ہے
● علم وادب کے میدان میں نئی نسل کے تعلیمی و علمی رجحان کو آپ کس زاویہ سے دیکھتے ہیں؟
■ نئی نسل میں مطالعہ اور مشاہدہ کی کمی کا احساس ہوتا ہے
● کیا آپ اپنے ملک کی تعلیمی ترقی سے مطمئن ہیں؟
■ جی ہاں
● ملک میں اردو کی بنیادی اور حقیقی ترقی کے اہم نکات کیا ہوسکتے ہیں؟ کیا اردو کی ترقی کے لیے اردو کو روزگار سے جوڑنا ناگزیر ہے؟
■ گھر گھر اُردو تعلیم کو عام کیا جائے اور اس کو روزگار سے جوڑنے کے لیے لائحہ عمل ترتیب دیا جائے
● ملک کی اردو اکادمیوں اور اداروں کے ترقیاتی منصوبوں سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟
■ اطمینان بخش کارکردگی ہے مگر کہیں کہیں پیش رفت از حد ضروری ہے
● وہ کون سی کتاب ہے جسے آپ بار بار پڑھنا چاہتے ہیں؟
■ قرآن کریم

● **مکمل پتہ:** 'عثمانیہ فیملی'، اجنتا کلینک، جے سنگھ پورہ، یونیورسٹی روڈ، اورنگ آباد-431001 (مہاراشٹر)
Mobile: 8055510503
Email: raanahyderi@gmail.com

عبدالرب کوثر رحمانی (ممبئ)

لکھنا پڑھنا ایک زندہ معاشرے کی علامت سمجھا جاتا ہے، عبدالرب کوثر رحمانی ایسے ہی معاشرے کے فی زمانہ ایک مثالی قاری کا تشخص رکھتے ہیں۔ ابتدا میں انہیں شعر وادب سے دلچسپی ہوئی اور انہوں نے شعر بھی موزوں کیے، یہ جو اُن کے نام کے ساتھ ’کوثر رحمانی‘ کا لاحقہ ہے یہ اُسی دَور کی نشانی ہے۔ انہوں نے اپنے شعری مجموعے کی اشاعت کا کوئی تصور نہیں کیا، بس محفل میں سنایا اور بات ختم۔

کوثر رحمانی ایک مثالی قاری ہیں تو یہ صرف حسن بیان یا حق دوستی نہیں بلکہ واقعہ ہے کہ ممبئ جیسے شہر میں جہاں عام طور پر لوگ باگ کا منشائے حیات حصولِ زر و دولت ہی ہوتا ہے تو ممبئ میں عبدالرب بھی ایک تاجر ہیں، لکڑی کا اُن کا خاصا کاروبار ہے مگر اس تجارت کو یہودیوں کی طرح انہوں نے نہیں اپنایا، ان کی کتنی ہی رقم لوگ باگ نگل گئے مگر اپنے اس نقصان کو وہ خود بھی ایسے سلیقے سے ہضم کر گئے کہ دوسروں کو خبر تک نہ ہوئی۔ ان کو لکڑی فراہم کرنے والے اکثر تاجر نامسلم ہیں، ہم اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ وہ (نامسلم تاجر) اِن کے صاف وشفاف لین دین کے سبب ان سے لاکھوں لاکھوں کا (اُدھار) کاروبار کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں کرتے، جس کی بنیاد میں عبدالرب کا اخلاقی تجارتی کردار یعنی صاف ستھرا لین دین ہے۔ الحمدللہ، وہ صوم وصلاۃ کے ساتھ ’معاملات‘ میں بھی نہایت صاف ستھرے ہیں۔ موصوف ہوٹل کے بیرے سے روٹی اور سالن کا دام اور پورا حساب پوچھتے ضرور ہیں مگر پیسے کی ادائی میں بالکل کھرے ہیں۔ دوستوں میں ایسا کبھی نہیں ہوا کہ اُن کے ہوتے کوئی اور دوست ہوٹل کا بِل (چاہے جتنا ہو) ادا کر سکے۔ ان کے مطالعے کا شوق اُن کی ذات تک نہیں محدود، اگر اُن کو کوئی کتاب ایسی لگے کہ ان کے باذوق دوست واحباب بھی اسے پڑھیں تو وہ اس کتاب کی ایک دو نہیں پانچ چھ جِلدیں خرید کر دوستوں کو اپنے ڈاک خرچ سے اُن کے پتے پر بھجواتے ہیں۔

لکڑی کے کاروبار (Timber) کے سبب کئی کئی دن تک عبدالرب کو جنگل میں رہنا پڑتا تھا تو اُن کے بچپن کے بعض دوست انہیں بے تکلفی سے ’جنگلی‘ کہہ کر پکارتے تھے۔ اُن کی سادگی اور بھولپن کی انتہا ہے کہ انہوں نے ’جنگلی‘ کا کبھی برا نہیں مانا۔ ان کی عام گفتگو بھی سادہ (وقوف سے عاری) لگتی ہے، بعض حضرات ان کے بارے میں غلط فہمی کے شکار بھی ہو جاتے ہیں مگر وہ لوگ جو اُن سے بے تکلف ہیں وہ جانتے ہیں کہ عبدالرب، وقوف سے خالی نہیں۔ ان کا اصل موضوع تاریخ اور اسلامی تاریخ ہے، جب وہ مقابل کو سنجیدہ سمجھ لیتے ہیں تو اُن کی (تاریخی معلومات اور فہم وفراست کی) گرہیں پر گرہیں کھلتی ہیں، مگر سب پر وہ نہیں کھلتے بلکہ دوستوں کے دِیے گئے لقب ’جنگلی‘ کی (گفتار میں) عملی شکل بن جاتے ہیں۔

جیسا کہ کہا گیا ہے کہ سفر میں آدمی کھل جاتا ہے، احقر نے اُن کے ساتھ دو تین طویل ومختصر سفر کیے ہیں۔ اِن اسفار میں اُن کا صاف وشفاف کردار ہم پر واضح ہوا، ذرا سوچیے کہ دہلی میں عالمی کتاب میلہ لگا ہے اور ممبئ سے انہوں نے صرف اس عالمی کتاب میلے میں شرکت کے لیے بیس بائیس گھنٹے کا سفر خود ہی نہیں کیا بلکہ اپنے ساتھ احقر (ندیم صدیقی) کو بھی لے گئے۔ دو دِن دہلی میں قیام اور ہزراوں روپے کی کتابیں خریدیں جن میں ہمارے لیے ہماری پسند کی کتابیں بھی شامل رہیں۔ اسی طرح علی گڑھ میں قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان (دہلی) کے زیر اہتمام سالِ رواں میں لگنے والے کتاب میلے میں بھی وہ ہمیں ساتھ لے گئے، کتابیں خریدیں اور مشہور اسلامی مفکر راشد شاذ سے اُن کی ملاقات دیدنی تھی۔

ایک بیٹے اور ایک بیٹی کے والدِ مکرم عبدالرب نے اکلوتے بیٹے کی شادی کی اور سال ڈیڑھ برس کا عرصہ گزرا ہوگا کہ بیٹے کو سرطان تشخیص ہوا۔ جس دوست، عزیز نے جو ڈاکٹر، حکیم یا وید بتایا، عبدالرب نے اس سے بیٹے کا علاج کروایا، لاکھوں روپیہ بے دریغ خرچ کیا مگر اللہ نے بیٹے کو اپنے پاس بلا لیا۔ اکلوتے بیٹے کا غم بھی عبدالرب نے یوں جھیلا کہ کسی کے سامنے اِس غم کا رونا نہیں رویا بلکہ ہم نے جب بھی مرحوم بیٹے کا ذکر کیا تو عبدالرب نے ہمارا ہی شعر سنا کر ہمیں چُپ کرادِیا:

غم کی حرمت اسی میں چھپی ہے   ایک آنسو بھی گِرنے نہ پائے

(تعارف وپیش کش: ندیم صدیقی، ممبئ)

عبدالرب کوثر رحمانی

آپ کی تاریخ پیدائش؟

■ 22 اکتوبر 1952ء مقام: ممبئی (مہاراشٹر)

● آپ نے کس اسکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کی؟

■ ساتویں تک ممبئی میونسپل کارپوریشن کے اسکول میں، اس کے بعد انجمن اسلام ہائی اسکول (کرلا۔ممبئی) سے میٹرک (اُس دور میں میٹرک کا امتحان گیارہویں کا ہوتا تھا)

● آپ کی مادری زبان اور ذریعہ تعلیم؟

■ ابتدا تا میٹرک میری تعلیم اُردو زبان ہی میں ہوئی

● آپ کے مطالعہ کے موضوعات کیا ہیں؟

■ شعر و ادب، تاریخ اور دینیات

● اِس وقت کون سی کتاب آپ کے زیر مطالعہ ہے؟

■ جنابِ جاوید غامدی کی کتاب ''علم النبی''

● آپ کے پسندیدہ مصنّفین (ادیب، ناول و افسانہ نگار، شاعر وغیرہ) کون ہیں؟

■ ابنِ صفی، مولانا مودودی، مولانا وحید الدین خان، راشد شاذ، ابو یحییٰ... شاعروں میں فہمی بدایونی

● آپ کی زندگی میں کس کتاب سے انقلابی تبدیلی رونما ہوئی؟

■ مولانا مودودی کی کتاب ''پردہ'' سے

● حصولِ تعلیم کے دوران میں آپ کو کس نصابی کتاب نے سب سے زیادہ متاثر کیا؟

■ یاد نہیں

● آپ اردو کا کون سا اخبار/رسالہ خریدتے ہیں؟

■ ممبئی کے تمام اُردو روزنامے، رسائل میں... نیا ورق، اُردو بک ریویو، اِثبات اور اکثر ادبی و دِینی رسائل کا مَیں مستقل خریدار رہوں

● آپ کے گھر کے نوجوان (teen agers) کیا اردو لکھنا پڑھنا جانتے ہیں اور اردو کو اپنی مادری زبان سمجھتے ہیں؟

■ شکرِ ربی میرے جواں سال مرحوم بیٹے اور بیٹی نے اُردو ہی میں تعلیم حاصل کی اور بیٹی بھی اُردو لکھ پڑھ لیتی ہے بلکہ ایک اسکول میں وہ معلمہ ہے

● آپ کے نزدیک سیکولر تعلیم کا کیا مفہوم ہے؟

■ میرے نزدیک کوئی مفہوم نہیں

● علم و ادب کے میدان میں نئی نسل کے تعلیمی و علمی رجحان کو آپ کس زاویہ سے دیکھتے ہیں؟

■ اس موضوع پر دُنیا کے مقابل جو ہونی چاہیے ویسی خوش کن صورتِ حال ہر گز نہیں ہے

● کیا آپ اپنے ملک کی تعلیمی ترقی سے مطمئن ہیں؟

■ دراصل ہمارے ہاں تعلیم کے سلسلے میں نیت ہی کچھ اور ہے لہٰذا جیسی نیت ویسا نتیجہ سامنے ہے

● ملک میں اردو کی بنیادی اور حقیقی ترقی کے اہم نکات کیا ہو سکتے ہیں؟ کیا اردو کی ترقی کے لیے اردو کو روزگار سے جوڑنا ناگزیر ہے؟

■ اُردو کی جو ترقی اور معیار ہمارے بزرگ بنا گئے ہیں، ہماری نئی نسل اُس ترقی یا اُس معیار سے دور ہے، زبان کا روزگار سے جوڑنا بھی ایک بحث طلب سوال ہے۔ اُردو کو زندہ رکھنا ہے تو اُردو میڈیم یا پھر گھر میں پوری پابندی سے (دِینی تعلیم کی طرح) اس زبان کی تدریس کو لازم کرنا ہوگا

● ملک کی اردو اکادمیوں اور اداروں کے ترقیاتی منصوبوں سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟

■ یہ ادارے ایک سیاسی ڈھکوسلہ ہیں۔

● وہ کون سی کتاب ہے جسے آپ بار بار پڑھنا چاہتے ہیں؟

■ کسی کو خوش کرنے یا اپنے مذہبی ہونے کا یہ اعلان نہیں ہے کہ میں جب جب مضطرب یا آوارہ ذہنی کا شکار ہوتا ہوں توشکر ربی، قرآنِ کریم ہی پڑھتا ہوں

● **مکمل پتہ:** اے ایس ووڈ انڈسٹریز، نوپاڑہ، وِدیا ویہار روڈ (مغرب)، نزد دُرگا ہوٹل، ممبئی-400070
Mobile: 9222100549

ڈاکٹر فرزانہ فرح (بھٹکل، کرناٹک)

ڈاکٹر فرزانہ فرح کی پیدائش ممبئی کے ایک ذی وقار نوائطی گھرانے میں ہوئی۔ والد محمد صائب محتشم اور والدہ بی بی رابعہ دونوں علم وادب سے گہرا شغف رکھتے تھے۔ ڈاکٹر فرزانہ فرح نے میٹرک تک کی تعلیم ممبئی کی مشہور درس گاہ انجمن اسلام گرلز ہائی اسکول میں حاصل کی۔ والد کی ملازمت سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد ان کا خاندان ممبئی سے بھٹکل منتقل ہوا۔ چنانچہ پی یو سی اور بی اے کے امتحانات انہوں نے بالترتیب انجمن پی یو کالج برائے اناث اور انجمن ڈگری کالج آف آرٹس اینڈ سائنس سے امتیازی نشانات کے ساتھ پاس کیے۔ 1994 میں کرناٹک یونیورسٹی دھارواڑ سے اردو میں ایم اے کیا۔ 1998 میں نیٹ (NET) کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ اردو غزل کے ارتقا میں شعرائے بھٹکل کا حصہ، کے زیر عنوان تحقیقی مقالہ قلم بند کیا اور 2009 میں پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی گئی۔ 1994 میں ایم اے میں کامیابی کے فوراً بعد ڈاکٹر فرزانہ فرح نے اپنی ہی مادرِ علمیہ انجمن پی یو کالج برائے اناث بھٹکل میں بہ حیثیت اردو لکچرر پیشہ تدریس سے وابستہ ہوئیں پھر 2016 میں ترقی پا کر پرنسپل کے عہدے پر فائز ہیں۔

ڈاکٹر فرزانہ فرح میں شعری صلاحیتیں خلقی تھیں۔ اسکول کے طالب علمی کے زمانے میں ہی شعر گوئی کا آغاز کیا۔ اردو کے موقر اخبارات اور رسائل میں ان کا کلام شائع ہوتا رہا ہے۔ طنز ومزاح اور خاکہ نگاری کی جانب وہ 2011 کے آس پاس متوجہ ہوئیں۔ مسلسل طنزیہ ومزاحیہ مضامین اور انشائیے لکھے، جو پابندی سے شگوفہ حیدرآباد کے علاوہ دیگر اخبارات ورسائل میں شائع ہوتے رہے۔ ان مضامین کے تین مجموعے شائع ہو کر مقبول ہو چکے ہیں۔ 'شوخی تحریر' پر ڈاکٹر فرزانہ فرح کو کرناٹک اردو اکادمی بنگلور نے ایوارڈ سے نوازا۔ شعری مجموعہ پر بھی کرناٹک اردو اکادمی بنگلور کا انہیں انعام حاصل ہوا۔

ڈاکٹر فرزانہ فرح کل ہند مشاعروں میں مدعو کی جاتی ہیں۔ ادبی سمیناروں، تربیتی کارگاہوں اور زندہ دلان، حیدرآباد کی مزاحیہ محفلوں میں شریک رہتی ہیں۔ نصابی کتابوں اور ان کتابوں کے خزینہ سوالات کے علاوہ مسابقتی امتحانات کے سوالیہ پرچوں کی تدوین کی ذمہ داریاں بھی بہ حسن وخوبی نبھاتی ہیں۔ اکامہادیوی ویمنس یونیورسٹی، وجے پور کی سنڈیکیٹ کے رکن کی حیثیت سے بھی ان کی خدمات قابلِ قدر ہیں۔ حالیہ دنوں میں قومی تہواروں پر لکھے گئے ان کے ترانے سوشل میڈیا اور یوٹیوب پر دھوم مچا رہے ہیں۔ ان کی اعلیٰ علمی، ادبی اور تدریسی خدمات کے اعتراف میں ایسوسی ایشن آف مسلم پروفیشنلز نے یوم اساتذہ کے موقع پر قومی ایوارڈ برائے سال 2022 سے نوازا۔ علاوہ ازیں مختلف اداروں اور تنظیموں نے بھی ان کی خدمت میں اعزازات پیش کیے ہیں۔ لیکن ڈاکٹر فرزانہ فرح ان اعزازات اور ایوارڈس کے مقابل، طالب علمی کے زمانے میں اپنے اساتذہ سے ملی شفقتوں، چاہتوں اور اب اپنی شاگردوں سے مل رہی بے پناہ محبتوں کو ہی اصل سرمایہ حیات تصور کرتی ہیں۔

(تعارف وپیش کش: ڈاکٹر غضنفر اقبال سہروردی، گلبرگہ)

اہم تصانیف: ● شوخی تحریر (2013) ● دیکھنا تقریر کی لذت (2016) ● گل افشانیاں (2024)
● رکا سا موسم (شعری مجموعہ، 2022)

ڈاکٹر فرزانہ فرح

● آپ کی تاریخ پیدائش؟
■ 8 نومبر 1972ء مقام: بھٹکل (کرناٹک)
● آپ نے کس اسکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کی؟
■ انجمن اسلام گرلز ہائی اسکول، باندرہ، ممبئی
● آپ کی مادری زبان اور ذریعہ تعلیم؟
■ مادری زبان نوائطی، ذریعہ تعلیم اردو
● آپ کے مطالعہ کے موضوعات کیا ہیں؟
■ شاعری، سفرنامے، خاکے، مزاحیہ و سرّی ادب
● اِس وقت کون سی کتاب آپ کے زیر مطالعہ ہے؟
■ البم (ہر چرن چاولہ)
● آپ کے پسندیدہ مصنّفین (ادیب، ناول و افسانہ نگار، شاعر وغیرہ) کون ہیں؟
■ غالب، ساحر، مجروح، فیض، ابوالکلام آزاد، ممتاز مفتی
● آپ کی زندگی میں کس کتاب سے انقلابی تبدیلی رونما ہوئی؟
■ لبیک (ممتاز مفتی)
● حصولِ تعلیم کے دوران میں آپ کو کس نصابی کتاب نے سب سے زیادہ متاثر کیا؟
■ غبارِ خاطر
● آپ اردو کا کون سا اخبار/ رسالہ خریدتے ہیں؟
■ پیش رفت، شگوفہ
● آپ کے گھر کے نوجوان (teen agers) کیا اردو لکھنا پڑھنا جانتے ہیں اور اردو کو اپنی مادری زبان سمجھتے ہیں؟
■ جی ہاں
● آپ کے نزدیک سیکولر تعلیم کا کیا مفہوم ہے؟
■ ایسی تعلیم جس کا کسی خاص مذہب یا عقیدے سے براہِ راست تعلق نہ ہو
● علم و ادب کے میدان میں نئی نسل کے تعلیمی و علمی رجحان کو آپ کس زاویہ سے دیکھتے ہیں؟
■ نئی نسل اردو سے دور نہیں۔ بس وہ تخیل سے زیادہ عمل پر یقین رکھتی ہے یہ حقیقت پسندی جدید تقاضوں کی طالب ہے
● کیا آپ اپنے ملک کی تعلیمی ترقی سے مطمئن ہیں؟
■ دورِ حاضر میں 70% تک مطمئن ہوں البتہ چند پالیسیوں سے اختلاف ہے
● ملک میں اردو کی بنیادی اور حقیقی ترقی کے اہم نکات کیا ہو سکتے ہیں؟ کیا اردو کی ترقی کے لیے اردو کو روزگار سے جوڑنا ناگزیر ہے؟
■ اردو سے محبت اور اس کا تحفظ لازمی ہے۔ نئی نسل کو مطالعہ تحریر پر اُبھارنا چاہیے۔ روزگار سے جوڑیں
● ملک کی اردو اکادمیوں اور اداروں کے ترقیاتی منصوبوں سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟
■ اکادمیاں بساط بھر کوشش کر رہی ہیں اور یہ کوششیں قابلِ ستائش ہیں
● وہ کون سی کتاب ہے جسے آپ بار بار پڑھنا چاہتے ہیں؟
■ لبیک (ممتاز مفتی)، آواز دوست (مختار مسعود)

● **مکمل پتہ**: آل ورود، محی الدین اسٹریٹ فرسٹ کراس، مدینہ کالونی، بھٹکل-581320 (کرناٹک)
Mobile: 9886571233
Email: farzanafarahmohtesham@gmail.com

ڈاکٹر صبیحہ ناہید (نئی دہلی)

ڈاکٹر صبیحہ ناہید کا تعلق صوبہ بہار میں ضلع ویشالی کے درگاہ بیلا گاؤں سے ہے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم مظفر پور سے حاصل کی۔ بعد ازاں متھلا یونیورسٹی دربھنگہ سے اردو میں ایم اے اور بی ایڈ کیا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی ازدواجی زندگی کے دوران میں جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی سے 'اردو نظم میں مناظر فطرت' کے عنوان سے تحقیقی مقالہ لکھ کر ڈاکٹر کوثر مظہری کی رہنمائی میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

صبیحہ ناہید کو بچپن سے ہی لکھنے پڑھنے کا شوق رہا ہے۔ زمانہ طالبِ علمی میں آل انڈیا ریڈیو کی اردو سروس میں اکثر ان کے خطوط شامل کیے جاتے تھے۔ وہ کالم نویس، شاعرہ، افسانچہ وفکاہیہ نگار ہیں۔ اردو ادب اور ماحولیات سے ان کا خاص شغف ہے۔ اس موضوع پر ان کے مضامین مختلف اخبارات، رسائل وجرائد میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ریختہ پر بھی ان کا پیج ہے جس پر ان کی تخلیقات اور منظر نگاری سے متعلق کتاب 'اردو نظم میں مناظر فطرت: قطب شاہی دور سے گلوبل وارمنگ تک' موجود ہے۔ وہ بین الاقوامی نسائی ادبی تنظیم (بنات) کی ممبر بھی ہیں اور اس کی مختلف سرگرمیوں میں برابر شامل رہتی ہیں۔ اس کے بینر تلے شائع ہونے والی سبھی تین کتابوں میں ان کے مضامین شامل ہیں۔ ان کے نام سے ایک یوٹیوب چینل (Sabiha Naheed Official) بھی ہے جو مختلف سماجی، معاشرتی، واقعاتی موضوعات کو کور کرتا ہے۔ ان دنوں ڈاکٹر صبیحہ ناہید اپنی فیملی کے ساتھ نئی دہلی میں مقیم ہیں۔

تصانیف: ● اردو نظم میں مناظر فطرت: قطب شاہی دور سے گلوبل وارمنگ تک (2020)

وہ کتابیں جن میں مضامین شامل ہیں: ● ٹیگور اور اقبال (2014، جامعہ ملیہ اسلامیہ)

● یادوں کے جھروکے (2022، بنات) ● جو اکثر یاد آتے ہیں (2024، بنات) ● لوگ کیا کہیں گے (2025، بنات)

● آپ کی تاریخ پیدائش؟

■ 2 جنوری 1965ء مقام: کھِسراہی، ضلع ویشالی (بہار)

● آپ نے کس اسکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کی؟

■ اردو گرلس ہائی اسکول' چندوارہ' مظفر پور' بہار

● آپ کی مادری زبان اور ذریعہ تعلیم؟

■ مادری زبان اردو ہے اور سہ لسانی ذریعہ تعلیم رہی ہے

● آپ کے مطالعہ کے موضوعات کیا ہیں؟

■ اردو شعر وادب، سماجی معاشرتی و مذہبی خصوصاً ماحولیاتی

● اِس وقت کون سی کتاب آپ کے زیر مطالعہ ہے؟

■ زینب غزالی کی تفسیر قرآن 'نظرات فی کتاب اللہ'

● آپ کے پسندیدہ مصنّفین (ادیب، ناول وافسانہ نگار، شاعر وغیرہ) کون ہیں؟

■ منشی پریم چند، علامہ اقبال، سعادت حسن منٹو اور سلام سندیلوی

● آپ کی زندگی میں کس کتاب سے انقلابی تبدیلی رونما ہوئی؟

■ کوئی مخصوص کتاب نہیں۔ مختلف کتابوں نے اثرانداز کیا

● حصولِ تعلیم کے دوران میں آپ کو کس نصابی کتاب نے سب سے زیادہ متاثر کیا؟

■ بانگ درا، اسماعیل میرٹھی کی نظمیں اور پریم چند کی کہانیاں

● آپ اردو کا کون سا اخبار/ رسالہ خریدتے ہیں؟

■ روزنامہ انقلاب' ماہنامہ آج کل اور اردو بک ریویو

● آپ کے گھر کے نوجوان (teen agers) کیا اردو لکھنا پڑھنا جانتے ہیں اور اردو کو اپنی مادری زبان سمجھتے ہیں؟

■ جی ہاں

● آپ کے نزدیک سیکولر تعلیم کا کیا مفہوم ہے؟

■ ایسا نظام تعلیم جس میں اپنے ذاتی تشخص کو برقرار رکھتے ہوئے ہر کسی کو تعلیم حاصل کرنے کے یکساں مواقع فراہم کیے جائیں

● علم وادب کے میدان میں نئی نسل کے تعلیمی وعلمی رجحان کو آپ کس زاویہ سے دیکھتے ہیں؟

■ تعلیم کے ساتھ تربیت کو جوڑنا ناگزیر ہے۔ تربیت کے بغیر تعلیم ایک ایسے پھول کی مانند ہے جس میں کوئی خوشبو نہیں

● کیا آپ اپنے ملک کی تعلیمی ترقی سے مطمئن ہیں؟

■ نہیں... کیونکہ ہم تعلیم یافتہ افراد تو پیدا کر رہے ہیں لیکن انہیں وہ تربیت نہیں دے پا رہے جس سے ایک اچھا انسان بھی کہا جائے

● ملک میں اردو کی بنیادی اور حقیقی ترقی کے اہم نکات کیا ہو سکتے ہیں؟ کیا اردو کی ترقی کے لیے اردو کو روزگار سے جوڑنا ناگزیر ہے؟

■ اسکولوں کے نصاب میں اسے اہم حیثیت دینی چاہیے۔ اردو کو روزگار سے جوڑنا ناگزیر نہ بھی ہو لیکن ضروری تو ہے ہی

● ملک کی اردو اکادمیوں اور اداروں کے ترقیاتی منصوبوں سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟

■ کافی حد تک نہیں کیونکہ ان سے ایک مخصوص طبقے کو تو فائدہ پہنچ جاتا ہے لیکن عام لوگ مستفیض نہیں ہو پاتے۔ لہٰذا اردو کی ترقی کم اور افراد کی ترقی زیادہ ہوتی ہے۔...

● وہ کون سی کتاب ہے جسے آپ بار بار پڑھنا چاہتے ہیں؟

■ قرآن کریم مع ترجمہ اور کلام اقبال

● **مکمل پتہ:** D-20، جسولہ ہائٹس، پاکٹ A-9، جسولہ وہار، نئی دہلی-110002 Mobile: 9810765575

Email: snaheed3@gmail.com

ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی
کی
تصانیف

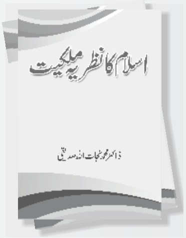

اسلام کا نظریۂ ملکیت

₹300.00

مقاصدِ شریعت

₹215.00

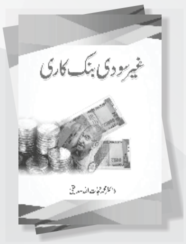

غیر سودی بنک کاری

₹140.00

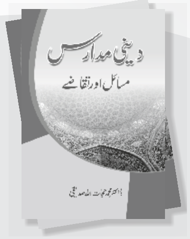

دینی مدارس مسائل اور تقاضے

₹20.00

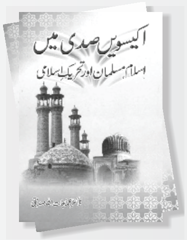

اکیسویں صدی میں اسلام
مسلمان اور تحریک اسلامی

₹55.00

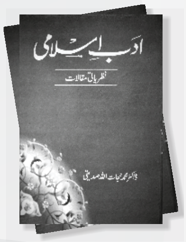

ادب اسلامی

₹60.00

اسلام کا معاشی نظام

₹30.00

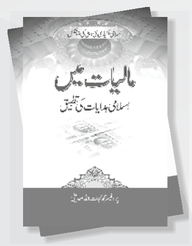

مالیات میں اسلامی ہدایات کی تطبیق

₹24.00

MMI PUBLISHERS مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز

D-307, Dawat Nagar, Abul Fazl Enclave, Jamia Nagar, New Delhi-110025

mmipublishers@gmail.com www.mmipublishers.net **7290092403**

Sub Depot: **Hyderabad :** 9491874087 | **Goa :** 9987196549 | **Bangalore :** 9036996740

سیر حاصل

دیوانِ اقبال

غزلیاتِ علامہ اقبال (مع متروکات) کی الفبائی ترتیب

از: ڈاکٹر شاہد حبیب☆

دیوانِ اقبال
غزلیاتِ علامہ اقبال (مع متروکات) کی الفبائی ترتیب
مصنف: پروفیسر اخلاق آہن
صفحات: 320، قیمت: -/800، اشاعت: 2024
ISBN 978-81-969274-6-2
ناشر: نامک پبلی کیشنز، 301 سکنڈ فلور، نمبر دار بلڈنگ،
اوکھلا مین مارکیٹ، نئی دہلی - 110025
Mobile: 9555999150

پروفیسر اخلاق آہن معاصر ہندوستانی علمی و ادبی منظرنامے میں اُن اہم شخصیات میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے بیک وقت تخلیق، تحقیق، تدوین اور تنقید کے میدان میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ وہ جواہر لعل نہرو یونیورسٹی کے شعبۂ فارسی سے بطور پروفیسر وابستہ ہیں اور فارسی، اردو، ہند۔ایرانی تہذیبی روابط کے حوالے سے ان کی خدمات کو علمی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ان کی بیس سے زائد تصانیف، شعری مجموعے اور تحقیقی و تدوینی کام اردو و فارسی ادب کے سنجیدہ قارئین میں مقبول ہیں جن میں کلاسیکی متون کی تدوین، فارسی صحافت کی تاریخ، بیدل، خیام، امیر خسرو اور داراشکوہ جیسے موضوعات پر علمی کام خصوصی اہمیت رکھتے ہیں۔ انہیں مہرشی بادرائن ویاس سمان سمیت کئی قومی و بین الاقوامی اعزازات سے بھی نوازا جا چکا ہے۔ ان کی تازہ مرتبہ کتاب 'دیوان اقبال —غزلیات علامہ اقبال (مع متروکات) کی الفبائی ترتیب' علمی حلقوں میں ایک اہم مگر متنازع تدوینی تجربے کے طور پر سامنے آئی ہے کیونکہ اس میں اقبال کے اُن متروک کلام کو بھی متداول غزلیات کے ساتھ شامل کر دیا گیا ہے جنہیں خود شاعر نے شعوری طور پر اپنی شعری شناخت سے خارج کر دیا تھا۔ اس ایک پہلو نے اس کتاب کو ایک ادبی خدمت کے بجائے ایک قابلِ بحث تنقیدی مسئلہ بنا دیا ہے۔ حالانکہ پروفیسر اخلاق آہن نے اپنے مقدمے میں یہ جواز پیش کیا ہے کہ چونکہ اقبال کی شخصیت اور فکری شبیہ اب متعین ہو چکی ہے، اس لیے متروکہ کلام کی اشاعت سے کوئی ابہام پیدا نہیں ہوگا۔ یہ استدلال بظاہر معقول محسوس ہوتا ہے مگر علمی اصولیات کے اعتبار سے کمزور ہے۔ کسی شاعر کا متروکہ کلام محققین کے لیے ضرور اہم ہو سکتا ہے مگر اسے متداول اور منظور شدہ کلام کے ساتھ یکجا کر دینا ایک الگ مسئلہ ہے۔ متروکہ کلام دراصل شاعر کی فکری اور فنی ارتقائی منازل کا خام مواد ہوتا ہے، نہ کہ اس کی حتمی ادبی شناخت۔ یوں بھی اردو ادبیات میں اقبال کی شاعری ایک غیر معمولی فکری، تہذیبی اور جمالیاتی مظہر کی حیثیت رکھتی ہے۔ اقبال کی شخصیت صرف ایک شاعر کی نہیں بلکہ ایک فکری نظام، ایک تہذیبی شعور اور ایک انقلابی بصیرت کا استعارہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام کی تدوین، ترتیب، اشاعت اور تعبیر کا کام مسلسل جاری ہے۔

اقبال نے اپنی شاعری کو جذباتی اظہار کا وسیلہ نہیں بنایا بلکہ اسے ایک شعوری فکری مشن کے طور پر برتا۔ ان کی کتابوں کی ترتیب، نظموں کی انتخابی تدوین، اشعار کی اصلاح اور بعض تخلیقات کا

تبصرے کے لیے اپنی کتاب کے دو نسخے ارسال فرمائیں۔ ایک نسخہ موصول ہونے پر تبصرہ شائع نہیں ہوگا۔ (ادارہ)

ترک کرنا اسی شعوری رویے کا حصہ تھا۔ چنانچہ اقبال کے متروکہ کلام کی اشاعت یا اسے ان کے متداول کلام کے ساتھ یکجا کر کے پیش کرنا ایک تدوینی سرگرمی بھر نہیں ہے بلکہ اقبال کے شعری شعور اور ان کی ادبی خودمختاری کے سوال سے براہِ راست وابستہ ہے۔ کیونکہ یہ کام محض ادبی اظہاریہ نہیں ہے بلکہ علمی، تہذیبی اور متنیاتی سطح پر ایک سنجیدہ سوال ہے۔ اس تناظر میں پروفیسر اخلاق آہن کی مرتبہ کتاب 'دیوانِ اقبال: غزلیاتِ علامہ اقبال (مع متروکات) کی الفبائی ترتیب' ایک متنازعہ ادبی کاوش بن کر رہ گئی ہے۔ مرتب نے اقبال کی غزلیات کو الفبائی ترتیب کے ساتھ 'دیوان' کی صورت میں پیش کیا ہے اور اس میں متروکہ غزلیات کو بھی شامل کیا ہے۔ مرتب کا دعویٰ ہے کہ اس ترتیب سے اقبال کی غزلیہ شاعری کا ایک نیا تناظر سامنے آتا ہے اور اقبال کے فکری وفنی ارتقا کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ تاہم اس دعوے کے ساتھ متعدد علمی و اصولی سوالات وابستہ ہیں۔ بنیادی سوال یہ ہے کہ جس کلام کو اقبال نے خود شعوری طور پر ترک کر دیا، کیا اسے ان کے متداول اور منظور شدہ کلام کے ساتھ شائع کرنا درست ہے؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر مرتبہ مجموعہ روایتی معنی میں مکمل دیوانی ترتیب کا حامل نہیں تو اسے 'دیوان' کہنا کس حد تک درست ہے؟

اقبال ان شعرا میں شامل ہیں جنہوں نے اپنے کلام کی ترتیب و تدوین کو غیر معمولی سنجیدگی سے لیا۔ ان کے یہاں شعری اظہار صرف وجدانی کیفیت کا نام نہیں ہے بلکہ فکری ذمہ داری کا عمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی شاعری کے انتخاب میں نہایت احتیاط سے کام لیا۔ 'بانگِ درا' کی ترتیب سے پہلے انہوں نے اپنے پرانے کلام پر نظرثانی کی، متعدد غزلیں اور نظمیں حذف کیں، بعض اشعار میں ترمیم کی اور صرف وہی کلام محفوظ رکھا جسے وہ اپنے فکری وفنی معیار کے مطابق سمجھتے تھے۔ یہ عمل ان کی اپنی شعری شناخت کی تشکیل کا عمل تھا۔

ڈاکٹر صابر کلوروی نے 'کلیاتِ باقیاتِ شعرِ اقبال' (مطبوعہ 2004) کے دیباچے میں واضح طور پر لکھا ہے کہ باقیات میں شامل تقریباً نوّے فیصد کلام ایسا ہے جسے اقبال نے شعوری طور پر ترک کر دیا تھا۔ اس اعتراف کے بعد یہ حقیقت مزید واضح ہو جاتی ہے کہ متروکہ کلام کو اقبال کی اصل شعری شناخت کا حصہ سمجھنا درست نہیں۔ خود صابر کلوروی اس امر کی تنبیہ کرتے ہیں کہ اس کلام کو درسی کتابوں، ریڈیو یا ٹی وی کے لیے مناسب نہیں سمجھا جانا چاہیے اور حوالہ دیتے وقت بھی اسے 'باقیات' کے طور پر الگ شناخت دی جانی چاہیے تاکہ متداول کلام سے امتیاز برقرار رہے۔ یہاں بنیادی نکتہ یہ ہے کہ جب خود باقیات کے مرتب اس کلام کو متداول کلام سے ممیز رکھنے کی تاکید کر رہے ہیں تو پھر اسے اقبال کے دیوان میں شامل کر کے متداول غزلیات کے ساتھ یکجا پیش کرنا کس اصول کے تحت جائز قرار دیا جا سکتا ہے؟ محض واوین میں متروکہ غزلوں کو رکھ دینا اس بنیادی مسئلے کا حل نہیں بنتا کیونکہ عام قاری کے لیے یہ تفریق ہمیشہ واضح نہیں رہتی۔ نتیجتاً متروکہ کلام بھی اقبال کے منظور شدہ شعری سرمائے کا حصہ محسوس ہونے لگے گا۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ کسی شاعر کے متروکہ کلام کی بازیافت ادبی تحقیق کے لیے اہم ہوتی ہے۔ اس سے شاعر کے فکری ارتقا، اسلوبی تجربات اور تخلیقی سفر کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ دنیا کی بڑی ادبی روایتوں میں بھی شعرا کے مسودات، ڈائریاں، ابتدائی نسخے اور نامکمل تحریریں محفوظ کی جاتی رہی ہیں۔ مگر یہاں ایک بنیادی فرق کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، تحقیقی بازیافت اور ادبی canonization دو مختلف عمل ہیں۔ اگر کسی شاعر کے متروکہ کلام کو تحقیقی ضمیمے، حواشی یا مستقل تحقیقی مجموعے کی صورت میں شائع کیا جائے تو یہ عمل قابلِ قبول ہے کیونکہ اس کا مقصد شاعر کے ارتقا کا مطالعہ ہوتا ہے، نہ کہ اس کلام کو شاعر کے مستند اور حتمی شعری سرمائے کا حصہ بنانا۔ لیکن جب اسی کلام کو متداول کلام کے ساتھ یکجا کر کے 'دیوان' کے عنوان سے شائع کیا جائے تو اس سے متنی حدود دھندلا جاتی ہیں۔

اقبال کے معاملے میں یہ سوال مزید حساس ہو جاتا ہے کیونکہ اقبال نے اپنی شاعری کو ایک فکری مشن کے طور پر ترتیب دیا تھا۔ ان کے نزدیک شاعری محض فن نہ تھی بلکہ 'ابلاغِ پیغام' کا وسیلہ تھی۔ لہٰذا جو کلام ان کے فکری نصب العین سے ہم آہنگ نہ تھا، اسے انہوں نے شعوری طور پر حذف کر دیا۔ ایسے میں ان متروکات کو دوبارہ اصل متن میں شامل کرنا دراصل اقبال

کی شعری خودمختاری میں مداخلت کے مترادف ہے۔ یہاں غالبؔ کی مثال بھی اکثر پیش کی جاتی ہے کہ ان کے متروکہ اشعار بعد میں دریافت ہوئے اور شائع کیے گئے۔لیکن غالب کے معاملے میں بھی نسخۂ حمیدیہ اور دیگر متون کو متداول دیوان کے مساوی درجہ نہیں دیا گیا بلکہ متنی تنوع کے طور پر دیکھا گیا۔ اقبال کے ہاں تو معاملہ مزید واضح ہے کیونکہ انہوں نے اپنے انتخاب کے ذریعے اپنے فکری تشخص کو شعوری طور پر مرتب کیا۔ اس لیے ان کے ترک کردہ کلام کو دوبارہ اصل شعری corpus میں شامل کرنا ایک متنازعہ تدوینی عمل ہی کہلائے گا۔ کیونکہ اقبال کی شاعری کی سب سے بڑی خصوصیت اس کا فکری ربط اور معنوی تسلسل ہے۔ ان کی غزلوں میں بھی ایک داخلی نظم اور فکری وحدت پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال کو محض غزل گو شاعر نہیں بلکہ ایک مفکر شاعر کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ ان کے ترک کردہ کلام میں اگرچہ فنی چمک، رومانوی کیفیت یا روایتی تغزل کی جھلک ملتی ہے لیکن یہی وہ عناصر تھے جنہیں اقبال نے بعد میں اپنی شعری شخصیت کے لیے غیر موزوں سمجھا۔ پروفیسر اخلاق آہن نے اپنے مقدمے میں اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ ابتدائی دور کی بعض غزلوں میں دبستانِ لکھنؤ اور روایتی غزلیہ شاعری کا اثر نمایاں ہے (ص:10)۔ وہ لکھتے ہیں کہ بعض عاشقانہ اور تغزلیہ مضامین اقبال کی بعد کی فکری شبیہ سے مطابقت نہیں رکھتے تھے، اسی لیے اقبال نے انہیں ترک کر دیا۔ یہ اعتراف دراصل اس بات کا ثبوت ہے کہ اقبال کا ترکِ کلام ایک شعوری اور نظریاتی عمل تھا۔ ایسے میں سمجھنا چاہیے کہ ان غزلوں کو دوبارہ متداول غزلیات کے ساتھ شامل کرنا اقبال کے اپنے تخلیقی فیصلے کو کالعدم قرار دینے کے مترادف ہے۔ یہ بات بھی اہم ہے کہ اقبال کے قاری کے ذہن میں ایک مخصوص شعری و فکری شبیہ موجود ہے۔ اگر متروکہ اور ابتدائی غزلوں کو بلا امتیاز اصل دیوان کا حصہ بنا دیا جائے تو اس شبیہ میں خلطِ مبحث پیدا ہو سکتا ہے۔ تحقیق کا کام شبیہ کو مسخ کرنا نہیں بلکہ اسے زیادہ واضح بنانا ہوتا ہے۔ چنانچہ ضروری تھا کہ متروکہ غزلوں کو ایک مستقل تحقیقی ضمیمے یا الگ حصے میں رکھا جاتا، نہ کہ انہیں دیوانی ترتیب میں اس طرح شامل کیا جائے کہ وہ متداول کلام کے ساتھ مدغم محسوس ہونے لگے۔

اسی کے ساتھ پروفیسر اخلاق آہن کی اس مرتبہ کتاب پر سب سے اہم اعتراض اس کے عنوان یعنی 'دیوانِ اقبال' سے متعلق ہے۔ اردو اور فارسی شعری روایت میں 'دیوان' محض غزلوں کے مجموعے کو نہیں کہتے بلکہ اس کی ایک مخصوص فنی اور تدوینی تعریف موجود ہے۔ کلاسیکی روایت میں دیوان اس شعری مجموعے کو کہا جاتا ہے جس میں شاعر کی غزلیات کو ردیف یا حرفِ آخر کی بنیاد پر مکمل الفبائی ترتیب سے مرتب کیا گیا ہو۔ اس ترتیب میں حروفِ تہجی کی جامع نمائندگی بھی ضروری سمجھی جاتی ہے۔ اگر کسی مجموعے میں تمام حروفِ تہجی کے تحت غزلیں موجود نہ ہوں یا ترتیب محض جزوی نوعیت کی ہو تو اسے روایتی معنی میں مکمل 'دیوان' قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ کلاسیکی فارسی و اردو روایت میں دیوان کی تدوین ایک نہایت منظم اور اصولی عمل سمجھا جاتا تھا۔ جبکہ پروفیسر اخلاق آہن کی زیر نظر مرتبہ کتاب میں غزلیات کو الفبائی ترتیب سے پیش کیا گیا ہے مگر یہ ترتیب مکمل دیوانی روایت کی نمائندہ نہیں۔ نہ تمام حروفِ تہجی کی نمائندگی موجود ہے اور نہ وہ جامع دیوانی ساخت جو کلاسیکی روایت میں ضروری سمجھی جاتی ہے۔ ایسے میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس مجموعے کو 'دیوان' کہنا کس حد تک درست ہے؟ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ ہر غزلیاتی مجموعہ 'دیوان' نہیں ہوتا۔ اگر محض الفبائی ترتیب ہی دیوان کی شرط ہوتی تو جدید دور کے کئی شعری انتخاب بھی دیوان کہلاتے۔ دیوان دراصل ایک مکمل شعری corpus کی نمائندگی کرتا ہے جبکہ زیرِ بحث مجموعہ نہ تو اقبال کے مکمل غزلیہ corpus کا نمائندہ ہے اور نہ ہی اس میں روایتی دیوانی جامعیت موجود ہے۔ چنانچہ 'دیوانِ اقبال' کی اصطلاح علمی اعتبار سے محلِ نظر ہے۔

متنی تدوین کے جدید اصولوں میں مصنف کی منشا کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ کسی بھی متن کی حتمی صورت وہی سمجھی جاتی ہے جسے مصنف نے اپنی زندگی میں منظور کیا ہو۔ غیر مطبوعہ مسودات، ابتدائی ڈرافٹ، یا ترک شدہ تحریریں تحقیق کا مواد تو ہو سکتی ہیں مگر انہیں اصل متن کا درجہ نہیں دیا جاتا۔ اقبال کے متروکہ کلام کی اشاعت کا مسئلہ بھی اسی اصول سے وابستہ ہے۔

اگر اقبال نے شعوری طور پر کسی غزل یا شعر کو حذف کر دیا تو یہ ان کا ادبی حق تھا۔ بعد کے مرتبین کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس حذف شدہ متن کو دوبارہ اصل corpus میں شامل کر دیں۔ یہ عمل مصنف کی تخلیقی خودمختاری سے تجاوز کے مترادف ہے۔ اس کا اعتراف مرتب کے ممدوح ڈاکٹر صابر کلوروی نے اپنی مرتبہ 'کلیات باقیاتِ شعرِ اقبال' کے دیباچے میں کیا بھی ہے:

''۱۹۲۳ء میں اقبال نے اردو کلام کی تدوین کا آغاز کر دیا۔ اسی دوران میں اقبال کے دوست احمد دین نے اقبال سے مشورہ کیے بغیر اور انہیں حیرت میں ڈالنے کی غرض سے کتاب 'اقبال' شائع کر دی جس میں اقبال کی غزلیں اور نظمیں شائع کر دیں۔ اقبال اس پر ناراض ہوئے اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ ان کی شاعری انتخاب اور اصلاح نیز نظر ثانی کے بغیر دوبارہ شائع نہیں ہونی چاہیے۔ چنانچہ احمد دین نے یہ مجموعہ نذرِ آتش کر دیا۔ تاہم اس کے ایک دو نسخے کسی طرح محفوظ رہ گئے۔ ۱۹۲۳ء میں ہی حیدر آباد (دکن) سے مولوی عبدالرزاق نے اخبارات و رسائل سے کلام حاصل کر کے کلیات اقبال چھاپ دیا۔ یہ امر بھی اقبال کو ناگوار گزرا چنانچہ اس مجموعہ کی فروخت کو حیدر آباد کی ریاست تک محدود کر دیا گیا۔''

(کلیات باقیاتِ شعرِ اقبال از ڈاکٹر صابر کلوروی، ص:16،15)

پروفیسر اخلاق آہن نے اگرچہ واوین اور حواشی کے ذریعے متروکہ کلام کی نشان دہی کی ہے لیکن اس کے باوجود اصل مسئلہ برقرار رہتا ہے۔ کیونکہ ایک مرتب جب کسی متن کو 'دیوان' کے عنوان سے پیش کرتا ہے تو وہ دراصل اسے canonical حیثیت دے رہا ہوتا ہے۔ اس canonicalization کے نتیجے میں متروکہ اور متداول کلام کے درمیان حدِ فاصل کمزور پڑ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جدید متنیات میں 'critical edition' اور 'reading edition' کے درمیان فرق کیا جاتا ہے۔ اگر مقصد محض تحقیق ہوتا تو متروکہ غزلوں کو الگ appendix میں رکھا جاتا، ان کے تاریخی و فکری پس منظر کی وضاحت کی جاتی اور انہیں اصل دیوانی متن سے الگ رکھا جاتا۔ لیکن جب انہیں اصل غزلیات کے ساتھ شامل کر دیا گیا ہے تو قاری کے ذہن میں ان کی حیثیت بدلنے کا قوی اندیشہ ہے۔

پروفیسر اخلاق آہن نے اپنے مقدمے میں بارہا اس بات پر زور دیا ہے کہ اقبال کو صرف نظم کا شاعر سمجھنا درست نہیں، کیونکہ ان کی غزلیہ شاعری بھی اہمیت رکھتی ہے۔ یہ بات اصولاً درست ہے کہ اقبال کی غزل اردو شاعری کا اہم سرمایہ ہے مگر اس حقیقت سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ ان کے ہر ابتدائی یا متروکہ شعر کو بھی اسی درجۂ اہمیت کے ساتھ پیش کیا جائے۔ اقبال کی غزل کا اصل امتیاز اس کا فکری آہنگ اور معنوی تسلسل ہے۔ ان کی بہترین غزلیں وہی ہیں جنہیں انہوں نے اپنے شعری انتخاب میں باقی رکھا۔ متروکہ غزلوں میں اگرچہ بعض فنی امکانات موجود ہیں مگر ان میں وہ فکری پختگی اور معنوی ارتقا نہیں جو اقبال کی نمائندہ شاعری کی خصوصیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خود اقبال نے انہیں اپنی شعری شناخت سے خارج کر دیا۔ لہٰذا یہ کہنا کہ متروکہ غزلوں کی شمولیت سے اقبال کی غزل گوئی کا نیا پہلو سامنے آتا ہے، جزوی طور پر درست سہی مگر اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ انہیں متداول غزلیات کے ساتھ یکساں درجہ دے دیا جائے۔

یہ حقیقت تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ پروفیسر اخلاق آہن کی یہ کاوش محنت، جستجو اور علمی انہماک کا نتیجہ ہے۔ انہوں نے مختلف مصادر، بیاضوں، رسائل اور باقیات سے استفادہ کر کے ایک بڑی شعری مقدار کو یکجا کیا ہے۔ اقبال کی غزلیہ شاعری کے مطالعے کے لیے یہ مواد یقیناً مفید ہے۔ لیکن کسی تحقیقی کاوش کی افادیت اس بات کی ضمانت نہیں بنتی کہ اس کے تمام تدوینی فیصلے بھی درست ہوں۔ اصل مسئلہ یہ نہیں کہ متروکہ کلام کو محفوظ کیوں کیا گیا بلکہ یہ ہے کہ اسے کس انداز سے پیش کیا گیا۔ اگر اس کتاب کا عنوان 'باقیاتِ غزلیاتِ اقبال' یا 'غزلیاتِ متروکۂ اقبال' رکھا جاتا جیسا کہ ان کے پیش رو محققین غلام رسول مہر، سید عبدالواحد معینی، گیان چند جین اور ڈاکٹر صابر کلوروی وغیرہ نے کیا ہے۔ متروکہ و متداول کلام کو الگ الگ حصوں میں پیش کیا جاتا تو شاید ان کی یہ کوشش بنظرِ استحسان دیکھی جاتی یا اعتراضات کی شدت کم ہو جاتی۔ مگر 'دیوانِ اقبال' کے عنوان کے تحت ان سب کو یکجا کرنا علمی اور تدوینی سطح پر کئی مسائل پیدا

کرتا ہے۔

یہ بھی قابلِ غور ہے کہ اقبال کے بیشتر قارئین متن کی تدوینی باریکیوں سے واقف نہیں ہوتے۔ ان کے لیے جو کچھ 'دیوانِ اقبال' کے نام سے شائع ہوگا، وہی اقبال کا اصل اور مستند کلام سمجھا جائے گا۔ اس طرح متروکہ اشعار بھی آہستہ آہستہ canonical حیثیت اختیار کر سکتے ہیں جو اقبال کی اصل شعری منشا کے خلاف ہے۔ اقبال کے شعری سرمائے کی تدوین اور اشاعت کے باب میں خود اقبال کا رویّہ نہایت واضح، محتاط اور اصولی تھا۔ 1919 کے بعد جب سید سلیمان ندوی اور دیگر احباب نے اُنھیں اردو مجموعۂ کلام کی اشاعت کی طرف متوجہ کیا تو اقبال نے اس کام کو محض مواد کی جمع آوری نہیں بلکہ ایک شعوری تخلیقی انتخاب کے طور پر لیا۔ یہی وجہ ہے کہ 1921 میں شیخ اعجاز کے توسط سے جب ان کے کلام کی اشاعت کی اجازت طلب کی گئی تو اقبال نے صاف انکار کرتے ہوئے یہ موقف اختیار کیا کہ وہ خود اپنے کلام کو مرتب کرنا چاہتے ہیں۔ بعد ازاں 1923 میں احمد دین اور مولوی عبدالرزاق کی طرف سے اقبال کی اجازت اور نظرِ ثانی کے بغیر جو مجموعے شائع کیے گئے، اُن پر اقبال کی ناراضی اس حقیقت کا واضح ثبوت ہے کہ وہ اپنے غیر منتخب یا غیر نظرثانی شدہ کلام کی اشاعت کو اپنی شعری شناخت کے خلاف سمجھتے تھے۔ احمد دین کے شائع کردہ مجموعے کو نذرِ آتش کروا دینا صرف جذباتی ردِعمل نہیں تھا بلکہ ایک ادبی و فکری اعلان تھا کہ شاعر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے تخلیقی وجود کی نمائندگی کے لیے کس کلام کو باقی رکھنا اور کس کو حذف کرنا چاہتا ہے۔ اس تناظر میں بعد کے مدونین یا مرتبین نے جب متروکات کو متداول کلام کے ساتھ شامل کرنے کی جسارت کی تو وہ دراصل اقبال کے اسی شعوری انتخابی عمل کو غیر مؤثر بنا دینے کی کوشش کے مترادف ہے۔ اگرچہ صابر کلوروی نے یہ احتیاط ضرور برتی کہ متروکات کو تحقیقی مطالعے اور فکری ارتقاء کی تفہیم تک محدود رکھا اور واضح کیا کہ اسے متداول کلام سے ممیز سمجھنا چاہیے، لیکن پروفیسر اخلاق آہن کے مرتبہ 'دیوان اقبال' میں ان متروک غزلوں کو متداول غزلیات کے ساتھ یکجا کر دینے سے مسئلہ زیادہ سنگین ہو گیا ہے۔ اس طرزِ تدوین سے قاری کے سامنے اقبال کی وہ شعری شخصیت بھی اسی سطح پر آ جاتی ہے جسے خود اقبال نے ناقابلِ نمائندگی سمجھ کر ترک کر دیا تھا۔ مزید یہ کہ جب مرتب خود یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ متروکات میں ایسے اشعار بھی موجود ہیں جو ''اقبال کے معروف کلام سے کم نہیں'' تو یہ بات غیر شعوری طور پر اقبال کے اپنے انتخابی شعور پر عدم اعتماد کے مترادف محسوس ہوتی ہے، گویا شاعر اپنی تخلیقی قدر پیمائی میں خود ناکام تھا اور بعد کے مدونین اس سے بہتر فیصلہ کرنے کے اہل ہیں۔ ادبیات میں متن کی اتھارٹی بنیادی طور پر مصنف کی شعوری توثیق سے قائم ہوتی ہے، لہٰذا جس کلام کو شاعر نے خود اپنی ادبی شناخت سے خارج کر دیا ہو، اسے بعد میں اسی کے مستند اور نمائندہ کلام کے ساتھ شامل کرنا نہ صرف تدوینی احتیاط کے خلاف ہے بلکہ اقبالیات میں متن کی سند اور شعری ارادے (Authorial intention) کے اصول کو بھی مجروح کرتا ہے۔ اس لیے مناسب یہی ہے کہ اس کتاب کو بازار سے واپس طلب کر لیا جائے اور ضروری ہے کہ ڈاکٹر صابر کلوروی کے مشورے ''اگر ماہرین اقبالیات کا ایک بورڈ اس مقصد کے لیے تشکیل دیا جائے تو باقیات کے اس ذخیرے سے ایسا کلام منتخب کیا جا سکتا ہے جو فکری اور فنی دونوں پہلوؤں سے اقبال کے متداول کلام کے ہم پلہ ہو۔'' (ایضاً، ص:13، 14) کے مطابق ماہرینِ اقبالیات کا ایک بورڈ بنایا جائے جو اس حوالے سے مفید طلب کام کی انجام دہی کر سکے کیونکہ یہ کام فردِ واحد کا ہے نہیں۔

☆ مبصر سے رابطہ: اسسٹنٹ ایڈیٹر اردو، پبلی کیشن ڈویژن
این سی ای آر ٹی، شری اروبندو مارگ، نئی دہلی۔
موبائل:8539054888

□□□

محترم قارئین!
تازہ شمارے پر اپنے تاثرات ہمیں
واٹس ایپ نمبر 9953630788
پر ارسال کر سکتے ہیں—ادارہ

اردو کے ممتاز صحافی اور محقق محمد طارق غازی کے قلم سے

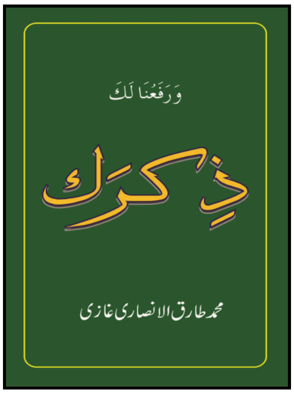

Pages: 744 - Price: Rs. 500/-

سیرت کی کتب میں عموماً واقعات ملتے ہیں لیکن تاریخی تناظر میں ان واقعات کا عمرانی اور سیاسی تجزیہ نہیں ملتا جن کے اثرات مکہ اور مدینہ کی سیاست اور اقتصادیات پر نظر آئے۔ اس اعتبار سے یہ کتاب نہ صرف منفرد ہے بلکہ پہلی بار سیرت کے عمرانی، سیاسی اور اقتصادی اقدامات کا تاریخی تجزیہ کیا گیا ہے۔

سوانح ہاجرہ نازلی

یہ سوانحی واقعات مشہور ادیبہ ہاجرہ نازلی کے ہیں۔ ان کے اٹھارہ ناول اور ستّر اسّی کے قریب افسانے اور کہانیاں نیز مختلف موضوعات پر مضامین و مکالمے ماہنامہ بانو دہلی، حریم لکھنؤ اور مختلف ڈائجسٹوں میں شائع ہوتے رہے۔ ان سوانحی واقعات کو ان کی بیٹی شہناز کنول غازی (علی گڑھ) نے مرتب کیا ہے۔

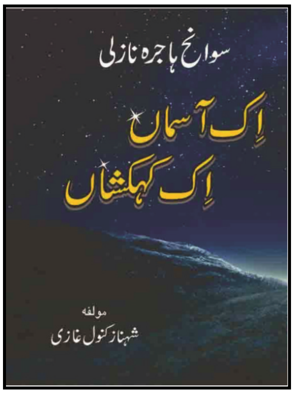

Pages: 348
Price: Rs. 300/-

رابطہ

IQRA EDUCATION FOUNDATION
A-2 Firdaus, 24 S.V. Savarkar Road, Mahim West
Mumbai - 400016 **Cell: 9359210010**

URDU BOOK REVIEW
2878, First Floor, Gali Captain Wali, Kucha Chellan, Darya Ganj, New Delhi - 110002 **Tel.: 011 - 44753890 / 9953630788**

Advtt. 03/2026

نقد و تبصرہ

حضرت عثمان ذوالنورینؓ

ستارے جس کی گردِ راہ ہوں!

مصنف: محمد عنایت اللہ اسد سبحانی

تبصرہ: پروفیسر محسن عثمانی ندوی☆

مشہور برطانوی ادیب اور مفکر فرانسس بیکن کا کتابوں کے بارے میں مشہور مقولہ ہے کہ بعض کتابیں چکھنے کے لیے ہوتی ہیں (Some books are to be tatsted)، بعض دوسری کتابیں نگلنے کے لیے ہوتی ہیں (Others are to be swallowed)، یعنی وہ نسبتاً سنجیدگی کے ساتھ پڑھنے کے لیے ہوتی ہیں اور بعض کتابیں سنجیدگی کے ساتھ پڑھنے کے لیے ہوتی ہیں اور غور وفکر کے ساتھ مطالعہ کے لیے ہوتی ہیں (and Some few to be chewed and digested)۔

(مولانا) محمد عنایت اللہ اسد سبحانی صاحب کی یہ نئی تازہ کتاب بے حد اہم اور غور وفکر کے ساتھ پڑھنے کے لائق ہے۔ انہوں نے ایک ایسی شخصیت پر قلم اٹھایا ہے جس پر اور دوسرے لوگوں نے بھی لکھا، لیکن وہ تاریخ کی کتابوں کے خارزار میں الجھ کر رہ گئے اور اپنے دامن کو کانٹوں سے نہیں بچا سکے اور ایک عظیم شخصیت، حضور اکرم ﷺ کی محبوب شخصیت پر الزام تراشی سے خود کو نہیں بچا سکے۔

یہ کتاب مشہور مصنف محمد عنایت اللہ اسد سبحانی کی جدید تصنیف ہے۔ عہد عباسی کا بہت مشہور ادیب تھا جس کی ایک تحریر ادب کی کتابوں میں نقل کی جاتی ہے یعنی کتاب ینوب عن

صفحات: 192 قیمت:-/250 اشاعت:2026

ISBN 978-93-864608-68-6

ناشر: ہدایت پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرس، F-155

ہدایت اپارٹمنٹ، شاہین باغ، جامعہ نگر، نئی دہلی-110025

Mobile: 9891051676

کتائب ''ایک کتاب جو ایک فوج ظفر موج کے قائم مقام ہے۔'' محمد عنایت اللہ سبحانی کی یہ نئی کتاب بھی ایسی ہی ایک طاقتور، لرزہ خیز اور زلزلہ انگیز کتاب ہے۔

(مولانا) عنایت اللہ سبحانی خاموش رہتے ہیں اور کچھ عرصہ بعد جب کوئی نئی کتاب لے کر آتے ہیں تو علم تحقیق کی دنیا میں ایک دھماکہ ہو جاتا ہے۔ علمی دنیا میں وہ کتاب پڑھی جاتی ہے۔ ہر صبح جب آفتاب طلوع ہوتا ہے، ہر شام جب شب ماہتاب جلوہ فشاں ہوتی ہے، علمی حلقوں میں وہ کتاب موضوع گفتگو بنتی ہے۔ کچھ لوگ اس کی حمایت میں رطب اللسان ہوتے ہیں او رکچھ دوسرے حضرات مخالفت پر کمر بستہ۔ بہرحال علم وتحقیق کی دنیا میں ایک دھماکہ ضرور ہوتا ہے۔

(مولانا) عنایت اللہ سبحانی کا شمار مشہور مصنّفین میں ہوتا ہے۔ مشہور مصنف کی دو چار کتابیں انسان کو ضرور پڑھ لینی چاہئیں، تاکہ کہیں علم کی بزم آراستہ ہو، تو شریک ہونے والا نامحرم یا علم سے بیگانہ نہ قرار دیا جائے۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شخصیت صحابۂ کرام کی بزم انجم میں کوکب دری کی تھی، درخشاں ستارے کی تھی۔ ان کی شان میں فضائل وارد ہوئے ہیں۔ ایسی شخصیت جو پیغمبر کے نزدیک ہر دل عزیز ہو اور یکے بعد دیگرے پیغمبر کی دو صاحب زادیاں آپ کے نکاح میں آئی ہوں، جس کی وجہ سے آپ کا لقب ذوالنورین ہو گیا ہے۔ ان کے بارے میں بڑے فضائل وارد ہوئے ہوں ان کے بارے میں تاریخ کی بعض کتابوں کے حوالہ سے چاندکاری کرنا اور نشانہ بازی کا ہدف بنانا درست اور مناسب رویہ نہیں۔

(مولانا) عنایت اللہ سبحانی نے عظیم صحابی رسول کا اس کتاب میں دفاع کیا ہے اور یہ کتاب صحابۂ کرام کے بارے میں لکھی جانے والی کتابوں میں بہت اہمیت کی حامل ہے۔ اس کتاب نے ان مصنّفین کو بھی کٹھرے میں کھڑا کر دیا ہے، جنہوں نے بعض تاریخ کی کتابوں پر اعتماد کر کے چاند پر خاک ڈالنے کی کوشش کی ہے اور صحابۂ کرام کے اعتبار کو داغدار کرنے

کی کوشش کی ہے۔

ہر مسلمان کو سیرت کے بعد صحابۂ کرام کی زندگیوں کا عمیق مطالعہ کرنا چاہیے اور صحابۂ کرام میں بھی سب سے پہلے خلفائے راشدین کی زندگی کا۔ مسلم نوجوانوں کو اور خاص طور پر طلبا کو میرا مشورہ ہے کہ انہیں سیرت نبوی کے بعد خلفائے راشدین کی زندگی اور ان کے کارناموں کا مطالعہ کرنا چاہئے، کیونکہ حکم ہے کہ ”علیکم بسنتی و سنۃ اخلفاء الراشدین المھدیین“ یعنی تمہیں میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت کو اختیار کرنا چاہئے۔ سیرت نبوی کا مطالعہ کرنے کے بعد طلبا جب آگے مطالعہ شروع کریں تو کتابوں کی ترتیب یہ ہونی چاہیے:

(۱) صدیق اکبر، تالیف (مولانا) سعید احمد اکبرآبادی (۲) الفاروق، تالیف علامہ شبلی نعمانی (۳) عثمان ذوالنورین، تالیف (مولانا) سعید احمد اکبرآبادی (۴) عثمان ذوالنورین، تالیف (مولانا) محمد عنایت اللہ اسد سبحانی (۵) المرتضیٰ، تالیف (مولانا) سید ابوالحسن علی حسنی ندوی۔

ان کتابوں کے بعد صحابۂ کرام کی زندگی اور اسلامی تاریخ کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

اس کتاب کے مصنف کا نام زبان وبیان کی دلکشی کی ضمانت ہے۔ ان کی کئی کتابیں پہلے بھی بہت مقبول ہو چکی ہیں۔ یہ کتاب بھی مقبول ہوگی اور پڑھی جائے گی اور پڑھی جانی چاہئے۔ اس کتاب میں اور بھی کئی انکشافات ہیں، جیسے حضور اکرم ﷺ کو پڑھنا لکھنا آتا تھا۔ ان کو اُمّی اس لیے کہا جاتا تھا کہ وہ امّ القریٰ کے رہنے والے تھے، لیکن اس دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں دی گئی ہے۔ اسی طرح کتاب میں جنگ جمل اور صفین کے وقوع پذیر ہونے کا بھی انکار کیا گیا ہے۔ آئندہ ایڈیشن میں کتاب میں اضافوں کی ضرورت ہے۔ موجودہ شکل میں یہ کتاب حضرت عثمان کا کامیاب دفاع ہے لیکن یہ مکمل سوانح نہیں ہے۔

کتاب کا سب سے اہم موضوع یہ ہے کہ تاریخ کی کتابوں میں حضرت عثمان کی غلط تصویر پیش کی گئی ہے۔ چونکہ یہ تصویر قرآن اور پیغمبر ﷺ کے بیان کے مغایر ہے، اس لیے قابل قبول نہیں۔ بقول اکبرالہ بادی:

ہم ایسی کل کتابیں قابل ضبطی سمجھتے ہیں
کہ جن کو پڑھ کے بیٹے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

☆ مبصر کا پتہ: ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی-110025
Mobile: 9000018291

□□□

ڈاکٹر عبدالجلیل فریدی

قائد ملت، مسیحائے قوم

مرتب: معصوم مرادآبادی

تبصرہ: پروفیسر محمد سلیم قدوائی☆

زیر تبصرہ کتاب ان اہم مضامین کا مجموعہ ہے جو نامور ڈاکٹر اور ممتاز سیاست داں ڈاکٹر عبدالجلیل فریدی (پ: دسمبر 1913، وفات: 19 جون 1974) کی شخصیت اور خدمات پر وقتاً فوقتاً رسائل اور کتابچوں میں شائع ہوئے۔ ان مضامین کو معروف صحافی معصوم مرادآبادی نے چند نئے مضامین کے اضافے کے ساتھ نہایت سلیقے اور محنت سے مرتب کیا ہے۔ مضامین کے علاوہ اس میں ڈاکٹر فریدی کے خطبات، تقریریں اور ان کے نام کچھ مشاہیر کے خطوط بھی شامل کیے گئے ہیں۔

ڈاکٹر فریدی کی بنیادی اور اصل شناخت ایک میڈیکل ڈاکٹر کی تھی۔ بلاشبہ اس پیشے میں انہوں نے امتیازی حیثیت حاصل کی تھی۔ سینے کے امراض کے ماہر کی حیثیت سے ان کو ملک گیر شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی تھی۔ دور دور سے لوگ علاج کے لیے ان کے مطب آتے تھے جو لکھنؤ کے حضرت گنج علاقہ میں واقع تھا۔ وہ مریضوں کو نمبروار دیکھتے تھے اور نمبروں کے ٹوکن حاصل کرنے کے لیے لمبی لمبی قطاریں لگتی تھیں اور کئی کئی دن انتظار کرنا پڑتا تھا۔ اس کا مشاہدہ تبصرہ نگار نے لکھنؤ کے دوران قیام بارہا کیا تھا۔ قدرت نے ان کو دست شفا عطا

صفحات: 400 قیمت: 500/- اشاعت: 2026
ISBN 978-93-47239-38-0
ناشر: خبردار پبلی کیشنز، 1/45 للتا پارک، لکشمی نگر، دہلی-110092 موبائل: 9810780563

کیا تھا۔ مریضوں کے ساتھ ان کا رویہ انتہائی ہمدردانہ اور مشفقانہ ہوتا تھا جس کے نتیجے میں مایوس اور دل شکستہ مریض بھی اپنی صحت کے بارے میں پُرامید ہوجاتے تھے۔ طب کے میدان میں ان کی خدمات کا ذکر کتاب کے بیشتر مضامین میں تفصیل سے کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر فریدی کی شخصیت کا دوسرا اہم پہلو اُترپردیش کی سیاست میں ان کا رول ہے۔ ان کا شمار ممتاز سیاسی لیڈروں میں ہوتا تھا۔ کتاب میں ان کے اس پہلو پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے اور ان کی سیاسی بصیرت اور دوراندیشی کو بھرپور خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر فریدی کی سیاسی زندگی کا سفر مسلسل نشیب و فراز سے گزرا۔ انہوں نے ایک روایتی سیاست داں کی طرح اپنا موقف حالات کے پیش نظر بار بار تبدیل کیا جس کے نتیجے میں ان کا سیاسی کریئر تضادات کا شکار رہا۔ مثال کے طور پر ان کی سیاسی زندگی کا آغاز بائیں بازو کی سیاست اور عالمی پیس کونسل کے پلیٹ فارم سے ہوا تھا۔ وہ اس زمانے میں سوشلزم کے قائل تھے۔ پیس کونسل کے ممبر کی حیثیت سے انہوں نے سوویت یونین کا دورہ کیا تھا۔ اس دورہ کے بعد انجمن ترقی پسند مصنّفین لکھنؤ کے جلسے میں اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے مذہب دشمن اور جمہوریت مخالف کمیونسٹ نظام کی بقول معروف صحافی عابد سہیل (مرحوم) دل کھول کر تعریف کی تھی جس سے بیشتر حاضرین حیرت زدہ رہ گئے تھے۔ لیکن اپنی زندگی کے آخری دور میں یعنی 1974 کے اسمبلی انتخابات میں انہوں نے دائیں بازو کی رجعت پسند اور سرمایہ دارانہ ذہنیت کی جماعتوں جن میں سوتنتر اور سنڈیکیٹ کانگریس شامل تھی کے ساتھ انتخابی سمجھوتہ کیا تھا۔ ڈاکٹر فریدی کانگریس پارٹی کے شروع سے سخت مخالف رہے تھے لیکن 1971 کے پارلیمانی انتخاب میں انہوں نے اسی کانگریس سے ہاتھ ملایا اور ان کی قربت کانگریس سے اس حد تک بڑھی کہ ان کو رام پور سے کانگریس کا ٹکٹ تک آفر ہوگیا تھا، اگرچہ آخری وقت میں انہوں نے الیکشن نہیں لڑنے کا فیصلہ کیا۔ (اس کا ذکر ممتاز صحافی محفوظ الرحمن مرحوم کے مضمون میں تفصیل سے کیا گیا ہے)

ڈاکٹر فریدی ایک سیکولر انسان تھے اور متحدہ قومیت پر اتنا پختہ یقین رکھتے تھے کہ جمعیۃ العلما جیسی قوم پرست جماعت ان کے حساب سے فرقہ پرست تھی (اس کا ثبوت ان کی تحریروں میں ملتا ہے) لیکن پھر وہ خود مسلمانوں کی علاحدہ سیاسی تنظیم مسلم مجلس کے بانی اور صدر بن گئے۔

ڈاکٹر فریدی نے سیاست کے میدان میں کئی تجربے کیے لیکن جو بدقسمتی سے ناکام ثابت ہوئے۔ مثال کے طور پر 1967 کے یوپی الیکشن میں انہوں نے ایک معاہدہ کے تحت مختلف پارٹیوں کے امیدواروں کی مسلم مجلس پارٹی کی طرف سے بھرپور حمایت کی لیکن الیکشن جیتنے کے بعد ان حمایت یافتہ امیدواروں نے معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ان کے احکام کے تحت کام کرنے سے صاف انکار کردیا۔ ایسی ہی صورت حال 1971 کے الیکشن میں بھی آئی جب ان کی پارٹی نے کانگریس سے انتخابی سمجھوتہ کیا اور کانگریس نے بھی جیت کے بعد وعدوں کو نہیں نبھایا۔ ڈاکٹر فریدی کا سب سے بڑا کارنامہ مسلم مجلس پارٹی کا قیام تھا لیکن یہ پارٹی ان کی زندگی میں ہی ٹوٹ پھوٹ اور انتشار کا شکار ہوگئی۔ ان کی پارٹی کے ایک گروہ نے انڈین یونین مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کرلی اور ان کے بل پر مسلم لیگ جو تقسیم ہند کے بعد شمالی ہند سے غائب ہوگئی تھی، اچانک ایک بار پھر اترپردیش کے سیاسی افق پر نمودار ہوئی۔ ستم ظریفی کی بات یہ تھی کہ مسلم لیگ کے امیدواروں نے اکثر حلقوں میں خاص طور سے ڈاکٹر فریدی کے اپنے شہر لکھنؤ میں مسلم مجلس کے امیدواروں سے زیادہ ووٹ حاصل کیے۔ ڈاکٹر فریدی نے شیڈولڈ کاسٹ طبقات کو مسلمانوں کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کی لیکن الیکشن میں ان کو ان پسماندہ طبقات کی خاطر خواہ حمایت حاصل نہ ہوسکی۔

ڈاکٹر فریدی بلاشبہ ایک قابل اور کامیاب ڈاکٹر تھے۔ میڈیکل سائنس کے پیشے میں ان کو زبردست شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ لیکن جہاں تک سیاست کے میدان کا تعلق ہے اس میں وہ کامیاب نہیں ہوسکے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کے دل میں ہندوستانی مسلمانوں کے لیے درد تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کے دفاع میں آواز اٹھائی اور ان کے حقوق کی وکالت کی اور اس سلسلے میں مالی اور جسمانی قربانیاں دیں لیکن یہ کوششیں کتنی کامیاب رہیں، یہ بحث طلب ہے۔ سیاست کے

طالب علم کی حیثیت سے اگر ڈاکٹر فریدی کی سیاسی زندگی کا غیر جانب داری سے تجزیہ کیا جائے تو بقول معروف صحافی جمیل مہدی ان کی سیاست ایک معمہ تھی۔

کتاب کے زیادہ تر مضامین چونکہ نذر عقیدت کے طور پر ان کے انتقال کے بعد لکھے گئے اس لیے ان میں عقیدت کی بہتات ہے اور معروضیت کا فقدان ہے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر فریدی کی شخصیت کے بارے میں واقعات اور حقائق کی تکرار ہے جو قاری کے لیے گراں گزرتی ہے۔ بہرحال ڈاکٹر فریدی کی جلیل القدر شخصیت پر یہ کتاب مرتب کر کے معصوم مرادآبادی نے ایک قابل قدر کام انجام دیا ہے جس کے لیے وہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔ یہ کتاب ڈاکٹر فریدی کی شخصیت اور اُتر پردیش کی مسلم سیاست کے موضوع پر ایک تصنیف ہے۔ کتاب نہایت خوبصورت چھپی ہے اور سرورق دیدہ زیب ہے۔ قیمت مناسب ہے۔ مصنف نے ڈاکٹر فریدی کے انتقال کی تاریخ 19 مئی 1974 بتائی ہے جبکہ اسی کتاب میں ڈاکٹر ظفر الاسلام خاں کے دیباچہ میں 19 جون لکھا گیا ہے۔

☆ مبصر کا پتہ: C-501، روزوڈس اپارٹمنٹ، میوروہارا، نئی دہلی-91
E-mail: mskidwai@hotmail.com
Mobile: 9953529424

□□□

ہندوایران کے لسانی رشتے

مصنفہ: ڈاکٹر زہرہ خاتون

(Mobile: 9810906056)

تبصرہ: ڈاکٹر مہتاب جہاں☆

صفحات: 312 قیمت:-/400 اشاعت:2026
ISBN 978-93-90579-67-9
ناشر: ایپلائڈ بکس، 2878 فرسٹ فلور، گلی کپتان والی، کوچہ چیلان، دریا گنج، نئی دہلی-110002
Mobile: 9953630788

کچھ کتابیں محض معلومات کا مجموعہ ہوتی ہیں اور کچھ کتابیں اپنے اندر ایک پورے عہد کی تہذیب، تاریخ اور شعور کو سمیٹے ہوئے ہوتی ہیں۔ ڈاکٹر زہرہ خاتون (استاد، شعبہ فارسی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی) کی تازہ ترین تصنیف 'ہندوایران کے لسانی رشتے (مجموعہ مقالات)' دوسری صنف سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ کتاب ایک ایسے نازک موڑ پر منظر عام پر آئی ہے جب عالمگیریت (Globalization) اور مغربی زبانوں کے غلبے نے ہماری مشرقی اور خاص طور پر ہند–ایران کی مشترکہ گنگا جمنی تہذیب کی بنیادوں کو دھندلا دیا ہے۔ مصنفہ نے اپنے اس علمی اثاثے میں نہ صرف ماضی کے گمشدہ روابط کو تلاش کیا ہے، بلکہ معاصر عہد میں ان کی معنویت کو بھی ثابت کیا ہے۔

کتاب کا مقدمہ بذاتِ خود ایک مکمل مقالے کی حیثیت رکھتا ہے۔ ڈاکٹر زہرہ خاتون نے تاریخی حقائق سے ثابت کیا ہے کہ ہند–ایران روابط کی عمر ہزاروں سال پرانی ہے، جس کا سراغ 1500 سے 1100 قبل مسیح میں آریوں کی آمد سے ملتا ہے۔ انہوں نے سنسکرت اور اوستا (قدیم ایرانی زبان) کے لسانی اشتراک کا ذکر کرتے ہوئے یہ واضح کیا ہے کہ 'کلیلہ و دمنہ' جیسے تراجم سے لے کر سلاطینِ دہلی اور عہدِ مغلیہ تک، فارسی کس طرح ہندوستان کے ذرے ذرے میں رچ بس گئی۔ مصنفہ کا یہ نکتہ نظر انتہائی اہم ہے کہ فارسی نے ہندوستان کی مقامی زبانوں (پنجابی، بنگالی، برج بھاشا اور اردو) کے خمیر کو تیار کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔

ڈاکٹر صاحبہ کی اس تصنیف کو ہندوستان اور ایران کے مابین صدیوں پر محیط تاریخی، لسانی اور تہذیبی رشتوں کی ایک اہم دستاویز کہی جا سکتی ہے۔

مصنفہ اس امر پر فکر مند ہیں کہ موجودہ دور میں انگریزی اور دیگر یورپی زبانوں کے غلبے کی وجہ سے ہم اپنی اس عظیم الشان مشترکہ میراث کو فراموش کرتے جا رہے ہیں۔ تاہم، انہوں نے قومی تعلیمی پالیسی کے تحت فارسی کو ہندوستان کی نوکلاسیکی (Classical) زبانوں میں شامل کیے جانے کے اقدام کو ایک خوش آئند قدم قرار دیا ہے، جو دونوں ممالک کے ثقافتی تعلقات کو مزید تقویت دے گا۔

یہ کتاب کُل 37 مقالات پر مشتمل ہے، جن میں موضوعات کا ایک بحر بیکراں پوشیدہ ہے۔ ان مقالات کو تاریخی، تخصیصی، ادبی

اورلسانی زاوِیوں سے پرکھا جاسکتا ہے:

1. شخصیات اور اساتذہ کا اعتراف: کتاب کے ابتدائی مقالات میں مصنفہ نے اپنے اساتذہ اور علمی رہبروں، جیسے پروفیسر شعیب اعظمی اور ڈاکٹر نورالاسلام صدیقی کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے، جو ان کے اعلیٰ ادبی ذوق اور تشکر پسندی کا ثبوت ہے۔

2. کتاب میں شامل مقالات جیسے 'نہج البلاغہ: حیاتِ انسانی کے لیے بہترین مشعلِ راہ' اور 'امام صادقؑ: ارشادات و فرمودات کے حوالے سے' اخلاقی اور انسانی اقدار کو اجاگر کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی، برصغیر کے صوفیانہ منظرنامے کو سمجھنے کے لیے 'محبوبِ الٰہی (حضرت نظام الدین اولیاء) کے ملفوظات' اور 'حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے ملفوظات کا ایک مختصر جائزہ' جیسے مضامین شامل کیے گئے ہیں۔ یہ مقالات ثابت کرتے ہیں کہ خانقاہی نظام اور تصوف نے کس طرح زبان کو عوام کے دلوں کو جوڑنے کا ذریعہ بنایا۔ یہ مقالات صوفیانہ فکر اور اخلاقیات کے فروغ میں فارسی اور اردو کے کردار کو نمایاں کرتے ہیں۔

3. تاریخی و لسانی شخصیات: مقالہ 'البیرونی بحیثیتِ ہند شناس' اور 'داراشکوہ: ہند ایرانی مشترکہ تہذیب کا نقیب' اس مجموعے کے حاصلِ مطالعہ ہیں۔ مصنفہ نے داراشکوہ کی شخصیت کے اس پہلو کو اجاگر کیا ہے جہاں وہ اپنشدوں کا فارسی ترجمہ (سرِ اکبر) کر کے ہندو اور مسلم فکر کے درمیان ایک ایسا مکالمہ شروع کرتا ہے جو نفرتوں کو مٹانے کا ضامن بن جاتا ہے۔

مصنفہ نے اس مقالے میں یہ ثابت کیا ہے کہ داراشکوہ نے کس طرح دونوں تہذیبوں کے درمیان ایک علمی پل کا کام کیا۔

4. غالب اور اقبال کی فکری اقلیم: مرزا غالب اور علامہ اقبال اردو اور فارسی دونوں زبانوں کے ایسے ستون ہیں جن کے بغیر ہند–ایران کا ادبی رشتہ ادھورا ہے۔ مصنفہ نے چار مختلف مقالات میں غالب کے مختلف زاویوں کا احاطہ کیا ہے:

صحافت اور عصرِ غالب: غالب کے دور کے سماجی اور صحافتی منظرنامے پر روشنی ڈالتا ہے۔

رباعیاتِ غالب اور ہندوستانی ثقافت: یہ مقالات ظاہر کرتے ہیں کہ غالب کی فارسی شاعری کس طرح ہندوستانی مٹی اور تہذیب کی خوشبو سے معطر ہے۔

علامہ اقبال: اقبال کے فارسی کلام کے ذریعے خودی اور بیداریِ مشرق کے پیغام کو واضح کیا گیا ہے۔

5. امیر خسرو اور اودھ کی بوقلمونی: امیر خسرو پر لکھے گئے مقالات خسرو کو ہندوستانی تہذیب کا معمارِ اول ثابت کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ، عہدِ نوابینِ اودھ کے فنِ طب، مکتوب نگاری اور وہاں کی بیگمات کی علمی سرپرستی پر لکھے گئے مضامین دکن اور لکھنؤ کی اس مٹتی ہوئی تہذیب کو دوبارہ زندہ کرتے ہیں جو فارسی ادب کا گہوارہ تھی۔

6. تحریکِ آزادی اور معاصر تاریخ: جنگِ آزادی میں مسلم مجاہدین کے کارنامے اور مولانا ابوالکلام آزاد کے عقائد و شعوری رجحانات پر مبنی مضامین کتاب کو صرف ماضی کی داستان نہیں رہنے دیتے، بلکہ اسے معاصر تاریخ سے بھی جوڑتے ہیں۔

7. تحقیقی و نایاب نسخے: 'سراج الاقبال: آخری دورِ مغلیہ کا ایک نادر نسخہ' اور 'پٹنہ یونیورسٹی میں فارسی تحقیق' جیسے مضامین محققین کے لیے نئے در وا کرتے ہیں۔

ڈاکٹر زہرہ خاتون کا اسلوبِ نگارش علمی، سنجیدہ اور شگفتہ ہے۔ انہوں نے فارسی اور اردو دونوں زبانوں کے لسانی خمیر سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مضامین کو اس طرح ترتیب دیا ہے کہ قاری اکتاہٹ کا شکار نہیں ہوتا۔

یہ کتاب محض ماضی پرستی (Nostalgia) کا شکار نہیں ہے، بلکہ اس میں معاصر تعلیمی و تحقیقی مسائل کا حل بھی موجود ہے۔ مصنفہ نے قومی تعلیمی پالیسی (NEP) کے تحت فارسی کو ہندوستان کی نو کلاسیکی (Classical) زبانوں میں شامل کرنے کا خیر مقدم کیا ہے۔

کتاب میں قومی مخطوطات مشن (Mission for National Manuscripts) کے اعداد و شمار کا حوالہ دیتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ ہندوستان میں تقریباً 50 سے 60 لاکھ مخطوطات موجود ہیں، جن میں عربی اور فارسی کا ایک بہت بڑا ذخیرہ خانقاہوں، مدرسوں اور لائبریریوں میں بکھرا پڑا ہے۔ پروفیسر چندر شیکھر اور پروفیسر احمد اشفاق کے حوالوں سے مصنفہ نے یہ نکتہ اٹھایا ہے کہ جب تک ان نایاب نسخوں (جیسے آخری دورِ مغلیہ کا نادر نسخہ سراج الاقبال) کو مدون اور شائع نہیں کیا

جائے گا، ہندوستان کی تاریخ ادھوری رہے گی۔

کمپوزنگ کی خوبصورتی (جس کے لیے مصنفہ نے ڈاکٹر احمد حسن ندوی کا شکریہ ادا کیا ہے) اوراپلائڈ بکس کی عمدہ چھپائی نے کتاب کے حسن کومزید دوبالا کردیا ہے۔

'ہندوایران کے لسانی رشتے' محض ایک کتاب نہیں، بلکہ یہ ہند—ایران دوستی، مشترکہ تہذیب (گنگا جمنی تہذیب) اور زبان وادب کی بقا کی ایک مخلصانہ علمی کوشش ہے۔ یہ گلدستۂ مقالات یقیناً علم وادب کے حلقوں میں طویل عرصے تک یادرکھا جائے گااورتحقیق کے نئے راستے متعین کرے گا۔

اس کے علاوہ یہ کتاب ادب کے طالب علموں، تاریخ کے محققین اور ہند—ایران کے مشترکہ کلچر سے محبت کرنے والے ہرشخص کے لیے ایک ناگزیر مطالعہ ہے۔

☆ مبصر کا پتہ: شعبہ فارسی، دہلی یونیورسٹی، دہلی۔

Mobile: 9717412946

□□□

مقالاتِ فضیل احمد قادری

مرتب: پروفیسر سیّد حسن عباس

تبصرہ: پروفیسر مشتاق احمد☆

پروفیسر فضیل احمد قادری (آمد:10 جنوری 1958) کے مقالات کا مجموعہ 'مقالاتِ فضیل قادری' کی اشاعت اردو علمی دنیا کے لیے ایک خوش آئند اضافہ ہے۔ اس کتاب کے مرتب پروفیسر حسن عباس (شعبۂ فارسی، بنارس ہندو یونیورسٹی، وارانسی) نے نہ صرف پروفیسر فضیل احمد قادری کے منتشر علمی وتحقیقی مقالات کو یکجا کیا ہے بلکہ ایک ایسے محقق، نقاد اور معلم کی علمی خدمات کو محفوظ کرنے کی کامیاب کوشش بھی کی ہے جس نے اردو تحقیق و تنقید کے میدان میں اپنی ایک منفرد شناخت قائم کی۔ اس مجموعۂ مقالات پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ بات بلاتردد کہی جاسکتی ہے کہ یہ کتاب محض مقالات کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک علمی شخصیت کے فکری سفر کا آئینہ بھی ہے۔

صفحات: 278 قیمت:-/300 اشاعت:2025

ISBN 978-93-49083-72-1

ناشر: مرکز تحقیقات اردو فارسی، گوپال پور، باقرگنج، سیوان-841286 (بہار)

ملنے کا پتہ: مرکزی پبلی کیشنز، نئی دہلی-110025

Mobile: 9811794822

پروفیسر فضیل احمد قادری کا شمار ان اہلِ علم میں ہوتا ہے جنہوں نے تدریس، تحقیق اور تنقید کے شعبوں میں خاموش مگر مؤثر انداز میں خدمات انجام دیں۔ ان کے مضامین میں وسعتِ مطالعہ، تحقیقی دیانت اور متوازن تنقیدی شعور نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ 'مقالاتِ فضیل قادری' کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف ادب کو محض ادبی اور جمالیاتی سرگرمی نہیں سمجھتے بلکہ اسے سماجی، تہذیبی اور فکری مظاہر کے تناظر میں دیکھنے کے قائل ہیں۔ واضح ہو کہ پروفیسر فضیل احمد قادری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے پروردہ ہیں۔ انہوں نے وہاں سے پروفیسر خلیق احمد نظامی جیسے عالمی شہرت یافتہ مؤرخ کے زیرنگرانی پی ایچ—ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ تعلیمی فراغت کے بعد انہوں نے پیشۂ درس وتدریس کو ہی پسند کیا۔ وہ خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ میں ریسرچ ایسوسی ایٹ رہے اس کے بعد منی پور یونیورسٹی، امفال میں اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ تاریخ، پھر نارتھ ایسٹرن یونیورسٹی، شیلانگ میں ایسوسی ایٹ پروفیسر، پروفیسر اور صدر شعبۂ تاریخ وڈین اسکول آف سوشل سائنسز کے عہدے پر اپنی خدمات انجام دے کر جنوری 2023 میں سبکدوش ہوئے۔ پروفیسر قادری اپنے زمانۂ طالب علمی سے ہی اردو کے ساتھ ساتھ فارسی وانگریزی زبان میں مقالات ومضامین لکھتے رہے ہیں اور ملک وبیرونِ ملک کے مؤقر جرائد میں جگہ پاتے رہے ہیں۔

اردو دنیا میں متعدد اہلِ قلم ایسے گزرے ہیں جن کے مضامین رسائل وجرائد کے صفحات میں بکھرے رہے اور وقت کے ساتھ نظروں سے اوجھل ہوگئے۔ حسن عباس نے بڑی محنت اور جستجو سے ان مقالات کو جمع کیا ہے اور ان کی ترتیب وتدوین کی ہے۔ یہ عمل دراصل اردو تحقیق کی ایک اہم خدمت ہے۔

کتاب میں شامل مقالات موضوعات کے اعتبار سے متنوع ہیں۔ پیش نامہ میں پروفیسر سید حسن عباس نے مشمولات پر بھرپور تبصرہ کیا ہے۔ کتاب پانچ ابواب میں منقسم ہے۔ باب اول تصوف

پر مبنی مضامین، باب دوم شخصیات ، باب سوم سرسید اور علی گڑھ تحریک، باب چہارم یادِ ماضی اور باب پنجم کتابیات یعنی پانچ کتابوں کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ ہے ۔بعض مقالات اردو تنقید کے بنیادی مباحث سے متعلق ہیں، بعض میں اردو شاعری کے اہم رجحانات کا تجزیہ کیا گیا ہے، جبکہ کچھ مضامین اردو نثر، تحقیق اور ادبی تاریخ کے مسائل پر روشنی ڈالتے ہیں۔ اس تنوع کے باوجود ایک فکری وحدت پوری کتاب میں محسوس ہوتی ہے ۔مصنف ہر موضوع کو علمی سنجیدگی اور تحقیقی استناد کے ساتھ برتتے ہیں۔

پروفیسر فضیل احمد قادری کی تحریروں کا سب سے نمایاں وصف ان کا تحقیقی مزاج ہے۔ وہ کسی ادبی شخصیت یا ادبی مسئلے پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے محض تاثراتی انداز اختیار نہیں کرتے بلکہ مستند حوالوں، تاریخی شواہد اور منطقی استدلال کی بنیاد پر اپنی رائے قائم کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے مقالات محققین اور طلبا کے لیے یکساں طور پر مفید ثابت ہوتے ہیں۔ بالخصوص 'سلسلۂ شطاّریہ بہار میں' ایک چشم کشا مقالہ ہے جس میں انہوں نے اس سلسلہ کی تاریخ اور تاریخِ تصوف میں اس کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔ تاہم کتاب کے متعدد مضامین میں اردو تنقید کی روایت کا گہرا شعور نظر آتا ہے۔ مصنف نے مولانا آزاد، حضرت نظام الدین اولیاء، سرسید احمد خاں، شاہ سلطان احمد خاں چشتی پھلواروی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، علامہ شوق نیموی، خواجہ احمد فاروقی اور دیگر شخصیات اور افکار ونظریات کا جائزہ لیتے ہوئے فکری ارتقا کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ ان کا انداز نہ تو عقیدت مندانہ ہے اور نہ ہی جارحانہ۔ وہ ہر ادیب اور ناقد کا جائزہ علمی معیار کی بنیاد پر لیتے ہیں۔ یہی متوازن رویہ ان کی تحریروں کو اعتبار بخشتا ہے۔

اس مجموعے کی ایک اور اہم خصوصیت اس کی زبان ہے۔ پروفیسر فضیل احمد قادری کی نثر نہایت شستہ، رواں اور علمی وقار کی حامل ہے۔ وہ مشکل ترین ادبی اور نظریاتی مباحث کو بھی ایسی سادہ اور سلیس زبان میں بیان کرتے ہیں کہ قاری بغیر کسی دقت کے ان کے استدلال کا ساتھ دے سکتا ہے۔ ان کی تحریروں میں لفظی نمود یا غیر ضروری پیچیدگی نہیں ملتی بلکہ علمی سادگی اور فکری گہرائی کا حسین امتزاج نظر آتا ہے۔ اردو تحقیق کے میدان میں ایک بڑا مسئلہ حوالہ جاتی کمزوری اور غیر مستند بیانات کا رہا ہے، لیکن فضیل احمد قادری کے مقالات اس حوالے سے ایک مثالی نمونہ پیش کرتے ہیں۔ ان کے ہاں حوالوں کی صحت، متن کی چھان بین اور تاریخی حقائق کی جانچ پر خاص توجہ ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریریں محض ادبی مضامین نہیں بلکہ تحقیقی دستاویزات کی حیثیت اختیار کر لیتی ہیں۔ کتاب میں شامل بعض مضامین اردو ادب اور سماج کے باہمی تعلق پر روشنی ڈالتے ہیں۔ مصنف کا خیال ہے کہ ادب اپنے عہد کے فکری اور تہذیبی مسائل سے الگ نہیں رہ سکتا۔ وہ ادبی تخلیقات کا مطالعہ کرتے وقت ان کے سماجی پس منظر کو بھی پیش نظر رکھتے ہیں۔ اس تناظر میں ان کی تنقید محض متن تک محدود نہیں رہتی بلکہ وسیع تر سماجی اور ثقافتی مباحث سے جڑ جاتی ہے۔

پروفیسر فضیل احمد قادری کے تنقیدی شعور میں اعتدال اور توازن نمایاں ہے۔ وہ کسی نظریے یا مکتبِ فکر کے اسیر نظر نہیں آتے۔ وہ علمی وادبی گفتگو کرتے ہوئے بھی جذباتیت کے بجائے علمی معروضیت کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہی وصف ان کے مقالات کو دیرپا اہمیت عطا کرتا ہے۔ مرتب نے کتاب کے آغاز میں جو تعارفی اور تمہیدی مواد شامل کیا ہے، وہ قاری کو مصنف کی شخصیت اور علمی خدمات سے واقف کرانے میں مدد دیتا ہے۔ اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ فضیل احمد قادری کی علمی شخصیت کن فکری اور ادبی عوامل کے زیر اثر تشکیل پائی۔ یہ مجموعہ اردو کے نوجوان محققین کے لیے بھی ایک سبق آموز دستاویز ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تحقیق محض معلومات جمع کرنے کا نام نہیں بلکہ تنقیدی بصیرت، منطقی استدلال اور فکری دیانت کا تقاضا کرتی ہے۔ فضیل احمد قادری کے مقالات اس علمی رویے کی بہترین مثال پیش کرتے ہیں۔

'مقالاتِ فضیل قادری' ایک اہم علمی وادبی کتاب ہے جو اردو تحقیق وتنقید کے سنجیدہ قارئین کے لیے خصوصی اہمیت رکھتی ہے۔ اس کی اشاعت سے نہ صرف پروفیسر فضیل احمد قادری کی علمی خدمات کو محفوظ کیا گیا ہے بلکہ اسے اردو کے تحقیقی ذخیرے میں ایک قابلِ قدر اضافہ کہا جا سکتا ہے۔ چوں کہ پروفیسر حسن عباس خود ایک نامور محقق وناقد ہیں اس لیے انہوں نے اپنے

پیش نامہ میں اپنی محققانہ بصیرت و بصارت کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا ہے اور ایک مرتب کی حیثیت سے پروفیسر فضیل احمد قادری کی تحقیقی وتنقیدی بصیرت کا احتسابی جائزہ بھی لیا ہے۔ اردو کتابوں میں اِن دنوں اشاریہ شامل کرنے کی زحمت نہیں کی جاتی کہ یہ کام ہر کسی کے بس میں نہیں۔ زیرنظر کتاب اشاریہ (247 تا 277 صفحات) سے مزین ہے۔ اس میں اشخاص، کتب ورسائل اور مقامات (اماکن) کے عنوانات سے اشاریہ تیار کیا گیا ہے۔ یہ کام نہ صرف محققین کے لیے اہمیت کا حامل ہے بلکہ تحقیقی مزاج رکھنے والے عام قارئین بھی اشاریہ سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

پروفیسر فضیل احمد قادری کے مقالات اسی نوعیت کے علمی سرمائے کی حیثیت رکھتے ہیں جو اردو ادب کی فکری روایت کو مستحکم کرنے میں اپنا کردار ادا کرتے رہے ہیں۔

☆ مبصر کا پتہ: پرنسپل، سی ایم کالج، دربھنگہ۔ (بہار)
Email: rm.meezan@gmail.com
Mobile: 9431414586

❑❑❑

شیش محل (خاکے)

خاکہ نگار: شوکت تھانوی

تدوین ومقدمہ: مشتاق اعظمی

تبصرہ: سعید اختر اعظمی☆

مدیر نقوش محمد طفیل کا یہ جملہ ''آپ اُن لوگوں کے بارے میں سوچیں جو دفن ہونے سے پہلے مر جاتے ہیں اور ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں جو دفن ہونے کے بعد بھی نہیں مرتے'' ایک ایسی باغ و بہار شخصیت کے حوالے سے ہے جن کی صحافت، فنکاری، بذلہ سنجی، ذکاوت وظرافت اور ندرت خیال لاثانی تھی۔ محمد عمر نے تخلیقی اسلوب کے لیے اپنا نام شوکتؔ منتخب کیا اور تھانہ بھون ضلع

صفحات: 244 قیمت:-/385 اشاعت: 2025
ISBN 978-81-988805-1-2
ناشر: اے بی گرافکس، 6 جی سی مترا روڈ، آسنسول-713302
Mobile: 6296374417

شاملی سے نسبت جوڑ کر تھانوی ہو گئے۔ شوکت تھانوی (ولادت: 2 فروری 1904، وفات: 4 مئی 1963) ہشت پہلو شخصیت تھے۔ شاعر، انشا پرداز، مضمون نگار، صحافی، افسانہ نگار، ناول نگار، فلم اداکار، اور ان سب سے بڑھ کر خوش طبع انسان۔ ادب اور آرٹ دونوں میدانوں میں سرگرم وفعال۔ معروف صحافی شفیع عقیل کے بقول ''شوکت تھانوی انتہائی درجے کے زودنویس تھے، اور یہی نہیں وہ صاف نویس بھی تھے، صفحات کے صفحات لکھتے چلے جاتے تھے اور کہیں کوئی لفظ کاٹ کر دوبارہ لکھنے کی نوبت نہ آتی تھی''۔ 'شرمناک افسانے' لکھنے والوں کے سرخیل یہی تھے جس میں بعد میں کئی قلم کاروں نے شمولیت اختیار کی، لیکن 'وہی وہانوی' کا نام تبدیل نہیں ہوا۔ یہ پہلے سرپنچ کا کالم تھا جس میں کبھی کبھی ابن سلونوی، نسیم انہونوی اور محبوب طراز بھی شامل ہو جاتے تھے، جبکہ بیشتر کالم شوکت تھانوی نے لکھے۔ روزنامہ ہمدم کے مزاحیہ کالم 'دو، دو باتیں' سے ان کے مزاحیہ کالم کا سفر شروع ہوا جو 'وغیرہ وغیرہ' (روزنامہ جنگ کراچی) 'پہاڑ تلے' (روزنامہ جنگ راولپنڈی) قاضی جی (ریڈیو پروگرام کے فیچر نگار اور اداکار) تک روز بہ روز ترقی کے منازل طے کرتا گیا۔

'شیش محل' شوکت تھانوی کے مزاحیہ خاکوں کا مجموعہ ہے جس کا پہلا ایڈیشن اردو بک اسٹال لاہور نے 1950 میں شائع کیا تھا۔ 75 برس بعد اسے مشتاق اعظمی نے مدون کر کے فاضل مقدمے کے ساتھ قارئین کے روبرو کیا ہے۔ بلاتفریق مذہب وملت ادبی پلیٹ فارم پر تقریباً دس درجن شخصیات کی یکجائی حروف تہجی کے اعتبار سے کی گئی ہے تاکہ تقدیم وتاخیر کی شکایت نہ رہے۔ اس فہرست میں شاعر بھی ہیں، ادیب بھی، صحافی بھی ہیں اور وہ بھی جو اِن میں سے کسی خانہ میں فٹ نہیں بیٹھتے۔ اختر شیرانی، احسان دانش، احتشام حسین، اصغر گونڈوی، علامہ اقبال، پریم چند، پطرس بخاری، سید امتیاز علی تاج، جاں نثار اختر، جگر مراد آبادی، جوش ملیح آبادی، خمار بارہ بنکوی، ریاض خیرآبادی، سیماب اکبرآبادی، نیاز فتح پوری، مجنوں گورکھ پوری، عبدالماجد دریابادی، رشید جہاں وغیرہ۔ اس کا انتساب خاصا دلچسپ ہے ''اُن حضرات کے نام جو اپنا تذکرہ پڑھ کر خفا

ہوجائیں''۔ فاضل مقدمہ نگار مشتاق اعظمی نے اسے 'طلسماتی محل' قرار دیا ہے جس میں طنز کے بجائے مزاح کی شگفتگی کو نمایاں رکھا گیا ہے۔ دیباچہ 'حرف اول' میں شوکت تھانوی نے ان خاکوں کا 'سببِ تحریر' یوں زیبِ قرطاس کیا ہے:

''میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ میرا ذاتی مطالعہ ہے، اور مجھ کو یہ اعتراف ہے کہ میں نے اپنے مطالعہ کو ہمیشہ غیر مستند سمجھا ہے۔ ایک غیر مستند بات پر کسی کو برا ماننے کا کوئی حق تو نہیں ہے لیکن اگر کوئی پھر بھی برا مانے تو میں پرائیوٹ طور پر معافی مانگنے کے لیے تیار ہوجاؤں گا، اس لیے کہ معافی کے ایک لفظ سے بڑے بڑے ہنگامے خاموش ہوتے ہوئے دیکھ چکا ہوں۔ اس مجموعہ میں جن حضرات کا ذکر ہے ان میں سے بہت داغ جدائی دے چکے ہیں، اور بہت سے اس میں بخل کر رہے ہیں۔ کچھ کی موت میرے لیے ناقابل برداشت ہے اور کچھ کی زندگی معلوم نہیں کتنے سالوں سے برداشت کر رہا ہوں''۔

(ص:36-35)

'شیش محل' کی تعمیر وتشکیل کے حوالے سے انہوں نے کرشن چندر کے خاکے میں اجمالی حلف نامہ دیا ہے جو تفصیلی کورٹ مارشل سے کم نہیں ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

''کرشن چندر ہی اس کتاب شیش محل کے سب سے پہلے محرک ہوئے۔ اس کتاب کی فہرست میں نے مرتّب کی، اس میں ترمیم وتنسیخ انہوں نے کی۔ خیال یہ تھا کہ وہ ساتھ تو ہیں ہی۔ میں لکھ لکھ کر ان سے رائے لیتا رہوں گا، مگر ہوا یہ کہ وہ لکھنؤ میں رہ گئے اور میں لاہور آپہنچا۔'' (ص:194)

آئیے شخصیات کے اندرون میں جھانکتے ہیں اور شوکت تھانوی کے فکری پوسٹ مارٹم سے روبہ رو ہوتے ہیں۔ آغاز ارشد تھانوی سے، جو خیر سے برادر کبیر بھی ہیں۔

''الحمدللہ اب بھائی جان صرف بڑے بھائی نہیں ہیں بلکہ بے تکلف دوست بھی۔ پہلے شعر کہتے تھے اب بچے فرماتے ہیں۔ صاحب دیوان بننے کا ذوق صاحب اولاد بننے کے ذوق کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ بھوپال میں صرف وکالت ہی نہیں فرماتے، مردم شماری میں اضافہ بھی آپ ہی کے سپرد ہے۔'' (ص:60)

''اکثر باہر سے آنے والے آپ سے مل کر واپس چلے جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں لکھنؤ سے مل گئے، مگر آج کل یہ لکھنؤ حیدرآباد میں ہے اور اسی لیے لکھنؤ اسکول کا ادبی شیرازہ کچھ منتشر سا نظر آتا ہے۔'' (آشفتہ لکھنوی۔ص:45)

''میں نے اپنی زندگی میں ایسا پڑھنے والا نہیں دیکھا۔ ایک طوفان کا منظر، ایک زلزلے کا عالم، ایک بم کے پھٹنے کی کیفیت، مگر بلا کا اثر۔ سننے والے اثر بھی لیں اور سہم بھی جائیں۔ شعر پر جھومنے کو دل بھی چاہے تو بھی دم سادھے بیٹھے رہیں۔''

(آغا شاعر۔ص:46)

''پیشہ وکالت ہے، مشغلہ شاعری اور ذوق ہے، برج ہے۔ گویا دماغ میں بہ یک وقت تعزیرات ہند مصرع طرح اور ٹرمپس گڈمڈ رہتے ہیں۔ تعجب ہے کہ عدالت کو شعر کیوں نہیں سنا بیٹھتے۔'' (آنند نرائن مُلّا۔ص:48)

''صاحب اولاد نہیں، البتہ صاحب تصانیف کثیرہ ہیں۔ تصنیف مصنف کی اولاد ہوتی ہے۔ اس حساب سے اسلم صاحب بھی درجنوں بچوں کے باپ ہیں۔ افسانہ نگاری اور ناول نگاری دونوں آپ کے کھیت کی مولیاں ہیں۔'' (ایم اسلم۔ص:62)

''شعر کہتے ہیں، خوب کہتے ہیں، مگر بہت کم، اور شاید کبھی کبھی جب غصہ اتارنے کو کوئی نہیں ملتا ہے تو شاعری پر غصہ اتارا جاتا ہے۔'' (اعجاز حسین۔ص:67)

''آپ نے اردو کی ایک مبسوط تاریخ لکھی ہے، مگر انگریزی میں گویا کھچڑی تو تناول فرمائی ہے مگر چھری کانٹے سے۔'' (رام بابو سکسینہ۔ص:129)

''نظم کے علم برداروں میں اس طرح شامل ہیں جس طرح راجہ پورس کی فورس میں ہاتھی شامل تھے۔''

(روش صدیقی۔ص:140)

''ظریف صاحب کے کلام کے قہقہے اور تازیانے کچھ اس طرح ملے جلے نظر آتے ہیں کہ آدمی ہنس ہنس کر تازیانے کھاتا اور تازیانے کھا کھا کر ہنستا ہے۔'' (ظریف لکھنوی۔ص:172)

''مولانا اردو کے بہت بڑے تنقید نگار اور کتابوں کے سب سے بڑے مقدمہ باز ہیں۔ انجمن ترقی اردو نے جس قدر بھی کتابیں شائع کی ہیں تقریباً سب پر ہی مولانا کا مقدمہ موجود ہے۔'' (عبدالحق۔ص:175)

''کلام سنا ہے، وہ ترقی پسند ہوتا ہے، مگر جو لوگ ترقی پسند نہیں ہیں ان سے بھی داد حاصل کر لیتا ہے۔''

(علی سردار جعفری۔ص:186)

''برجستگی اس بلا کی کہ اگر آپ اُن کے افسانے کو افسانہ کہہ دیں تو برا مان جائیں۔'' (محبوب طرزی۔ص:206)

ایسے شگفتہ پارچے جابہ جا بکھرے پڑے ہیں۔ آخر میں شوکت علی خاں فانی بدایونی کے خاکے کا ایک مختصر اقتباس جو صاحب کتاب کے لافانی فکر وفن اور شخصیت پہ بھی صادق آتا ہے۔

''فانی ممکن ہے کہ زندگی میں فانی ہوں، مگر مرنے کے بعد تو باقی ہیں۔ ان کی شخصیت زندہ ہے اور زندہ رہ کر جو زندگی اُن کے حصے میں رہ گئی تھی اُس سے بہر حال اب زیادہ زندہ ہیں۔'' (ص:188)

☆ مبصر سے رابطہ: ریاض (سعودی عرب)
Mobile: +966598300320

□□□

محسن مائیں

مصنف: محمد عنایت اللہ خان فلاحی

تبصرہ: سعید اختر اعظمی☆

علامہ اقبال نے فارسی اشعار میں مادر ملت کی جن خصوصیات کا ذکر کیا ہے اردو ترجمانی میں وہ آئینہ کی طرح صاف ہو جاتا ہے۔ مہر و وفا کے اس شاہ کار کی عظمت اس حوالے سے بھی مُسلّم ہے کہ قدرت نے اپنی صفتِ خاص رحم و مروت کا ایک جزو اسے ودیعت کر دیا ہے۔ خون جگر سے شکم میں پرورش سے لے کر عالم وجود میں لانے اور انگلی پکڑ نا سکھلانے تک وہ اپنے سکھ چین تج دیتی ہے۔ یہ ہر ماں کی مشترکہ تگ و دَو ہے۔ یہاں انفرادیت کا پہلو تربیت کے بہترین سانچے میں ڈھالنے

صفحات: 180 قیمت:-/225 اشاعت:2025
ISBN 978-93-83586-12-7
ناشر: منشورات پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز، E-89، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی-110025 Mobile: 9811650228
Email: manshuratindia@gmail.com

سے آتا ہے۔ ''ہمارے بچے جب پہلے پہل تمہارے دودھ سے اپنے ہونٹ تر کرتے ہیں تو اُس لمحے تم انہیں لاالہ کا پہلا سبق دیتی ہو۔ تمہاری مہر و محبت ہمارے اعلیٰ اخلاق کی تعمیر کرتی ہے۔ تم ہماری فکر بناتی ہو، تم ایک انداز گفتگو سکھاتی ہو، تم ہمیں اخلاق دیتی ہو۔ وہ بجلیاں جو تمہارے بادلوں میں دبی پڑی ہیں وہ تاریخ میں جبل و صحرا پر لہراتی ہیں۔ تم ہی گلشن اسلام کی اصل اور سرمایہ ملت کی محافظ ہو۔'' تاریخ کے اوراق ایسی ماؤں کے تذکرے سے روشن ہیں۔ ایسی ہی چند مادرِ مہرباں کے زریں نقوش 'محسن مائیں' کے عنوان سے سامنے لانے کی سعی کی گئی ہے۔

'محسن مائیں' محمد عنایت اللہ خان فلاحی کی محنت شاقہ کا ثمرہ ہے جسے انہوں نے فیروس ایجوکیشنل فاؤنڈیشن ممبئی کے زیرنگرانی عصری درس گاہوں میں دوران تدریس منعقد کیے جانے والے جلسہ والدین کے لیے تیار کیا تھا۔ اس میں شرکت کرنے والے سرپرستوں میں خواتین کی تعداد زیادہ ہوتی تھی کیونکہ حصول معاش کے لیے مرد حاضر بالعموم گھر سے باہر رہا کرتے تھے۔ بعد ازاں اسے رسالہ باب الاسلام کی زینت بنایا گیا۔ یہ تین عہد اور دو ممالک سے وابستہ چند ایسی ماؤں کا تذکرہ ہے جنہوں نے اولاد کی تربیت خاص نہج پر کی اور انہیں تاریخ کے زریں صفحات میں زندہ جاوید کر دیا۔ باب اول: 'سابقہ امتوں کی مائیں' چار ماؤں (حضرت ہاجرہ، حضرت یوکابد، حضرت حنہ، ام سلیمان) کی فکری اساس اور منہج تربیت کو سامنے لاتا ہے۔

حضرت ہاجرہ حضرت ابراہیم کی زوجیت میں اُس وقت آئیں جب وہ عمر کی آٹھویں دہائی کے ڈھلان پر تھے۔ عمر کے اس مرحلے میں بھی وہ رحمت الٰہی سے مایوس نہیں تھے اور صالح اولاد کے لیے دعا گو تھے۔ حضرت اسماعیل و حضرت اسحاق کی صورت میں انہیں گنج ہائے گراں مایہ مل گیا۔ حضرت ابراہیم حکم الٰہی کے مطابق انہیں شیرخوار نوزائیدہ کے ساتھ بے آب و گیاہ میدان میں چھوڑ کر واپس آ گئے۔ تلاش آب میں صفا و مروہ کا سات چکر رب کعبہ کو اس قدر پسند آیا کہ اسے حج کا رکن بنا دیا۔ اسی پر بس نہیں والد کا سہارا بننے کی عمر میں راہ خدا میں قربان ہونے والے لخت جگر کے عمل کو سنت ابراہیمی قرار دیتے ہوئے اسے عیدالاضحیٰ و حج کا جزو لازم قرار دے دیا۔ چشمہ زمزم

کا جاری ہونا ماں بیٹے کے راضی بہ رضا ہونے کا انعام ہے۔ اس پس منظر میں مادرِ اسماعیل کی تربیت کو درکنار نہیں کیا جاسکتا۔ فرعون مصر کی جانب سے نوزائیدہ بچوں کے قتل کے ظالمانہ حکم پر یوکابد نے حکم الٰہی پر عمل کرتے ہوئے ننھے موسیٰ کو سرکنڈوں کے تابوت میں ڈال کر دریائے نیل کے سپرد کردیا اور قدرت نے انہیں ہی رضاعت کا شرف بخشا۔ انہیں یقین تھا کہ اللہ نے ان کے بیٹے کو رسول بنانے کا وعدہ کیا ہے جو یقیناً پورا ہوگا۔ ریمسیس کی طاغوت حکومت کو نیست و نابود کرنے والے حضرت موسیٰ کی تربیت یوکابد نے کی تھی۔ حضرت حنہ نے نذر مانی کہ گود آباد ہونے پر اپنی اولاد کو اللہ کے گھر کی خدمت اور جاروب کشی کے لیے وقف کردیں گی، جبکہ ذاتی خدمت سے مکمل اعراض کریں گی۔ حضرت مریم کی ولادت کے بعد وہ مایوس ہوگئیں کہ بیٹی اس کے لیے وقف نہیں کی جاسکتی۔ اللہ نے بذریعہ وحی انہیں اپنے گھر کے لیے قبول کرنے کی خوش خبری دی۔ مریم بنت عمران کی برگزیدگی کا ذکر قرآن نے کیا اور حضرت عیسیٰ کو ابن مریم کا اعزاز دیا گیا۔ اسی طرح حضرت سلیمان کی والدہ انہیں شب کے بیشتر حصے نیند میں گزارنے سے بچنے کی تاکید کرتی تھیں مبادا اعمال خیر سے محتاجی نصیبہ نہ بن جائے۔

باب دوم: 'عہد نبوی کی مثالی مائیں' آٹھ ماؤں (حضرت خدیجہ، حضرت فاطمہ، حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب، حضرت فاختہ بنت ابوطالب، ام ہانی، حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق، حضرت ام سلیم، حضرت ام عمارہ، حضرت خنساء) کا تذکرہ ہے۔ اول الذکر کے بارے میں سرور عالم ﷺ نے فرمایا۔ 'خدا کی قسم! مجھے خدیجہ سے اچھی بیوی نہیں ملی۔ وہ ایمان لائی جب لوگ کافر تھے۔ اس نے میری تصدیق کی جب سب نے مجھے جھٹلا دیا۔ اس نے اپنا زر و مال مجھ پر قربان کردیا جب دوسروں نے مجھے محروم رکھا، اور اللہ نے اس کے بطن سے مجھے اولاد دی'۔ ان کی زیر تربیت چاروں بیٹیاں (حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم، حضرت فاطمہ) مثالی گھرداری کا بہترین نمونہ ہیں۔ خاتون جنت حضرت فاطمہ کی ساری زندگی محنت و مشقت میں گزری مگر کلمہ شکر لبوں سے مفقود نہ ہوا۔ توکل علی اللہ، صبر و رضا کا دامن انہوں نے کبھی نہیں چھوڑا۔

جنگ احزاب میں یہودی کا کام تمام کرنے والی حضرت صفیہ نے فرزند ارجمند حضرت زبیر بن عوام کی بہترین تربیت کرکے اسے اسلام کے لیے وقف کردیا۔ حضرت ام ہانی نے نبی اکرم ﷺ کے پیغام نکاح پہ پرورش اطفال کو مقدم کرتے ہوئے یہ گزارش کی۔ 'مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں آپ ﷺ کی خدمت کا حق ادا کرنے لگ جاؤں گی تو میرے بچوں کے حقوق متاثر ہوں گے، اور اگر بچوں کے حقوق ادا کرنے لگ گئی تو اللہ کے رسول کے حقوق کی ادائی میں کمی آجائے گی'۔ 'ذات النطاقین' کا اعزاز پانے والی حضرت اسماء حضرت زبیر بن عوام کی شریک حیات تھیں۔ انہوں نے اپنے بیٹے عبداللہ بن زبیر کو اسلام کا جاں باز سپاہی بنایا جو حجاج بن یوسف سے مقابلہ کے دوران شہید ہوئے۔ حضرت ام سلیم بنت ملحان نے اپنے بیٹے انس بن مالک کی ایسی تربیت کی کہ ان کی دانش مندی اور صالح فکر کا شہرہ دور دور تک پھیل گیا۔ حضرت ام عمارہ وہ صحابیہ ہیں جو جنگ احد میں نبی کریم ﷺ کی حفاظت کی خاطر کفار کے سامنے سینہ سپر ہوگئیں۔ وہ مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لیے جنگ یمامہ میں شامل ہوئیں تاکہ اپنے شہید فرزند حبیب کا انتقام لے سکیں۔ یہ فرض ان کے بیٹے عبداللہ نے اسے واصل جہنم کرکے ادا کیا۔ عرب کی معروف مرثیہ گو شاعرہ حضرت خنساء نے اپنے چاروں بیٹوں کی جہاد فی سبیل اللہ کے لیے بہترین تربیت دیتے ہوئے انہیں اپنے لیے توشہ آخرت بنانے کی دعا بھی کی۔

باب سوم: 'دَورِ نبوی کے بعد کی چند عظیم مائیں' کے حوالے سے مختص ہے۔ اس میں سات عظیم المرتبت ماؤں (امّ ربیعہ، فاطمہ بنت عبداللہ، امّ امام بخاری، امّ سفیان ثوری، امّ عبدالقادر جیلانی، امّ احمد شاہ ابدالی، امّ بدیع الزماں) کی روشن زندگیوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ مجاہد ابوعبدالرحمن فروخ نے جنگی مہم پر جاتے ہوئے اپنی وفا شعار بیوی کو تیس ہزار اشرفیاں دیں جسے انہوں نے بیٹے ربیعہ کی پرورش اور تعلیم و تربیت میں خرچ کردیا۔ واپسی پر ام ربیعہ نے جب تفصیلات بتلائیں تو وہ عش عش کر اُٹھے۔ 'تم نے ان اشرفیوں کو ٹھکانے لگا کر میرے بیٹے کو ایسے خزانے کا مالک بنادیا جس کو کبھی زوال نہیں'۔ اسی طرح فاطمہ بنت عبداللہ نے خاوند کے انتقال کے بعد اپنے

بیٹے محمد کی تعلیم وتربیت کا خاص خیال رکھا جو اپنے علم وفضل کے سبب امام شافعی کہلائے۔ ایک نابینا بچے کی نیک والدہ نے اس کی صحت یابی کے لیے رب کے حضور رو رو کر دعا کی جو قبول ہوگئی۔ حصول علم کے لیے اپنی زندگی وقف کرنے والے اس بچے کو دنیا امام بخاری کے نام سے جانتی ہے جن کی مرتب کردہ صحیح بخاری کو قرآن مجید کے بعد سب سے معتبر مانا جاتا ہے۔ عالم دین سعید بن مسروق کی اہلیہ نے معاشی تنگ دستی کے باوجود چرخہ کات کر اپنے بیٹے کو علم حدیث کا امام بنایا جسے ہم تبع تابعین کے سرخیل امام سفیان ثوری کے نام سے جانتے ہیں۔ ماں سے کبھی جھوٹ نہ بولنے کا وعدہ کرنے والا طالب علم نہ صرف یہ کہ ڈاکوؤں کی توبہ کا باعث بنا بلکہ پیران پیر کے عہدے پہ فائز ہوا، جو سیدنا عبدالقادر جیلانی کے نام سے معروف ہے۔ پانی پت کے میدان میں مرہٹوں سے جنگ میں جب احمد شاہ ابدالی کی شکست اور گرفتاری کی خبر اُن کی ماں کو ملی تو انہوں نے اس کی تردید کی اور کہا کہ جس کی پرورش قرآن کے سائے میں ہوئی ہو کیا وہ جنگ ہار سکتا ہے؟ بدیع الزماں سعید النورسی کو مرد مجاہد کی تربیت دینے میں ان کی ماں نوریہ کا زہد اور رزق حرام سے اجتناب بھی شامل ہے۔

باب چہارم: 'ہندوپاک کی محسن مائیں' گیارہ بے مثل و بے نظیر ماؤں کی شخصیت کا اجمالی خاکہ سامنے لاتا ہے۔ سوت کات کر اپنے بیٹے نظام الدین اولیاء کو دین اسلام کا داعی بنانے والی اور کھانا میسر نہ آنے پر سب کو خدا کا مہمان بننے کی خوش خبری دینے والی بی بی زلیخا، مقابلے میں اپنے نور نظر سید احمد شہید کو پیٹھ نہ پھیرنے کی نصیحت دینے والی سیدہ نجیبہ عرف ناجیہ، اپنے لخت جگر ٹیپو سلطان کو جرأت وہمت کا سبق دینے والی فاطمہ بیگم عرف فخر النساء، اپنے لاڈلے سرسید احمد خاں کی بہترین اخلاقی تربیت کرنے والی عزیز النسا بیگم، اپنی تربیت سے اولاد کو انجم کی ہم قسمت بنانے والی علامہ اقبال کی والدہ امام بی بی عرف بے جی، صبر واستقامت کی اعلیٰ مثال قائم کرنے والے سید قطب شہید کی مادر مہرباں فاطمہ بنت عثمان، 'بولیں اماں محمد علی کی، جان بیٹا خلافت پہ دے دو' والی آبادی بیگم عرف بی اماں، بگڑے ہوئے مسلمانوں کی اصلاح کے لیے کوشاں رہنے والے محمد الیاس کاندھلوی کی امی جان بی صفیہ، سرد وگرم حالات کا مقابلہ کرنے کی عادت ڈالنے کی نصیحت کرنے والی سید ابوالاعلیٰ مودودی کی والدہ رقیہ بیگم، سو اولادوں کی خوبیاں اپنے بیٹے ابوالحسن علی میاں ندوی میں دیکھنے والی سیدہ خیر النسا بہتر، مثبت طرز فکر اور اسلامی مزاج کا حامل بنانے والی وحیدالدین خان کی ماں زیب النساء۔ یہ ہیں وہ چند مائیں جو ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔ ان کے نقش پا پہ چل کر عہد حاضر کی خواتین اپنے بچوں کی صحیح تربیت ورہنمائی کرسکتی ہیں۔

'جنت کے پھول' کے مدیر محمد عنایت اللہ خان فلاحی کی یہ کاوش علم نافع کی ترسیل ہے۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔

☆ مبصر سے رابطہ: ریاض (سعودی عرب)

Mobile: +966598300320

❑❑❑

سیّد کام کرتا ہے

مرتب: ڈاکٹر عبدالحی

(Mobile: 9899572095)

تبصرہ: اسرار احمد اُجینی☆

معروف وممتاز شاعر اکبر الہ آبادی، سرسیّد احمد خاں سے اختلاف کے باوجود یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ 'سیّد کام کرتا ہے'۔ ڈاکٹر سیّد احمد خاں کی خدمات پر مشتمل کتاب 'سیّد کام کرتا ہے' کچھ ایسا ہی تاثر پیش کرتی ہے۔ کتاب کے مرتّب ڈاکٹر عبدالحی نے پیش لفظ میں لکھا ہے کہ ''کتاب کا نام مقبول شاعر اکبر الہ آبادی کے ایک مصرع سے لیا گیا ہے کہ اس کتاب کا اس سے بہتر نام شاید ہی کوئی ہوتا۔'' متین امروہوی نے اس کی توثیق اپنے قطعہ میں یوں کی:

سبھی کہتے ہیں اربابِ ادب سیّد کے بارے میں
ہماری باتیں ہی باتیں ہیں سیّد کام کرتا ہے

صفحات: 224 قیمت: -/300 اشاعت: 2026
ISBN 978-81-979019-3-5
ناشر: حالی پبلشنگ ہاؤس، 6/275 للتا پارک، لکشمی نگر، دہلی-110092_ Mobile: 8800480404

کتاب کی اشاعت کا مقصد بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالحی لکھتے ہیں: ''اردو والے یہ جان سکیں کہ ایک اکیلا انسان اگر چاہے تو کیا کر سکتا ہے۔ ہم سب حکومت کے تعاون کا رونا روتے رہتے ہیں اور ایک اکیلا انسان پورا کارواں بنا دیتا ہے۔'' یہی 'ایک اکیلا انسان' کا فلسفہ پوری کتاب کا مرکزی خیال ہے۔

کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے اور 46 اہلِ قلم اد با و شعرا نے ڈاکٹر حکیم سیّد احمد خاں کی ہمہ جہت شخصیّت پر روشنی ڈالی ہے۔ پروفیسر اخترالواسع نے 'ایک شخصی تاثر' قلم بند کیا۔ پروفیسر عبدالحق، محمد خلیل، معصوم مرادآبادی، پروفیسر ضیاء الرحمن صدیقی، حکیم رشاد الاسلام اور حکیم وسیم احمد اعظمی نے ڈاکٹر سیّد احمد خاں کو 'جادوگر شخصیت'، 'مردِ قلندر'، 'یونانی مجاہد' اور 'وحدت میں کثرت' کے القابات سے یاد کیا۔ محمد عارف اقبال نے 'قابل رشک ہمہ جہت شخصیت' قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ ڈاکٹر سیّد احمد خاں کی زندگی کا مشن ہمہ جہت اور قابل رشک ہے۔

ڈاکٹر منوّر حسن کمال نے 'اخوت ومودت کی مورت'، ڈاکٹر فیاض احمد نے 'دلّی کا درویش' اور حکیم نازش احتشام اعظمی نے 'ایک پیکرِ عمل' کہا۔ ڈاکٹر سیّد صادق علی ٹونکی اور ڈاکٹر واثق الخیر نے طبِ یونانی اور اردو کی مشترکہ خدمت کو اجاگر کیا۔ ساجد عبید نے لکھا کہ وہ ''اہم نہیں بلکہ انتہائی اہم شخصیت'' ہیں۔

باب دوم کتاب کا قلب ہے۔ سہیل انجم کے دو تاریخی مضامین 'اردو ڈے، سلور جوبلی سے آگے کا سفر' اور 'ڈاکٹر سید احمد خاں، عالمی یوم اردو کا بانی' شامل ہیں۔ ڈاکٹر شفیع ایوب نے واضح کیا کہ 9 نومبر کو ملک بھر میں یومِ اردو منایا جانا ''صرف ایک اکیلے انسان کی کوششوں سے ممکن ہوا۔''

زیرِنظر کتاب میں ڈاکٹر عبدالحی اور سلمان کبیر نگری کے مکالمے سیّد صاحب کے افکار اور ہمہ جہت خدمات کا آئینہ ہیں۔ 12 شعرا نے منظوم نذرانے پیش کیے۔ عالیہ سیفی کا قطعہ شخصیّت کا خلاصہ ہے:

ملے بس جو بھی سیّد سے وہی فرحان ہو جائے
بلند اخلاق ایسا ہے کہ بس قربان ہو جائے
ہے یکساں آپ کی شہرت ادب میں اور طب میں بھی
خلوص و انکساری وہ کہ جاں کی جان ہو جائے

آخری باب میں طب یونانی اور اردو کی ترویج وترقی کے تعلق سے مختلف پروگرامس، تقریبات تقسیم ایوارڈز، مختلف اعزازات سے سرفرازی، اعلیٰ شخصیات اور ارباب حکومت سے ملاقاتیں، علمی اداروں کا دورہ کی کہانی تصاویر کی زبانی شامل ہے۔ کاش تصاویر کے انتخاب میں خوب سے خوب تر کی جستجو کی جاتی اور تصاویر کی اشاعت میں فنی اعتبار سے معیار کا خاص خیال رکھا جاتا۔ کتاب کی طباعت اگرچہ بہتر ہے لیکن فہرست (صفحہ 5) میں تین مضمون نگاروں کے نام اور صفحہ نمبر میں غلطی ہوگئی ہے۔ درست ترتیب اس طرح ہے: قابل رشک ہمہ جہت شخصیت: صفحہ 60، قوم کے سچے خادم: سیّد احمد خاں؛ صفحہ 67، ڈاکٹر سیّد احمد خاں: وحدت میں کثرت: صفحہ 70۔ توقع ہے کہ آئندہ ایڈیشن میں تصحیح کر دی جائے گی۔[1]

'سیّد کام کرتا ہے' محض سوانح حیات نہیں، بلکہ ایک تحریک کی داستان اور دشوار گزار جدوجہد کی مکمل روداد ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک آدمی اپنی جدوجہد اور لگن سے 'وَن مین آرمی' کا کارنامہ انجام دے سکتا ہے۔ 9 نومبر 1997 کو محبانِ اردو نے جو چراغ جلایا تھا، آج وہ 'عالمی یومِ اردو' (World Urdu Day) کی صورت میں پوری دنیا کو منوّر کر رہا ہے۔ حقانی القاسمی نے 'تقدیم: ترے بیمار کی بھی کچھ دوا ہے' میں جس بیمار اردو کا ذکر کیا تھا، ایسا لگتا ہے کہ اس کا علاج سیّد احمد خاں جیسے حکیم کے پاس ہے جن کو بجا طور سے 'طبیبِ اردو' بھی کہا جاتا ہے۔

یہ کتاب ہر اس شخص کے لیے مشعلِ راہ ہے جو عمل پر یقین رکھتا ہے۔ پروفیسر عبدالحق لکھتے ہیں:

''اردو سے ان کی وفاداری اور جاں نثاری کا جذبہ قابلِ قدر ہے۔ سیّد صاحب نے زندگی کے لمحات اور بیش قیمتی سرمایہ عمل و حرکت کو اردو کے لیے نذر کر دیا ہے۔ یہ نہ ادیب ہیں نہ استاد، نہ صحافی ہیں اور نہ صاحب مال و اسباب۔ مگر اردو سے دیوانگی ایک جوہر نایاب ہے۔'' (صفحہ 26)

☆ مبصر سے رابطہ: (دہلی) موبائل نمبر: 9891157797

□□□

1. اس کا تصحیح شدہ ایڈیشن اگست 2026 میں منظر عام پر آ گیا ہے، جس کی قیمت 500 روپے ہے۔

مجنوں گورکھپوری کے افسانوں کا تنقیدی مطالعہ

مصنفہ: ڈاکٹر صائمہ بی

تبصرہ: ڈاکٹر ابراہیم افسر☆

احمد صدیق المعروف بہ مجنوں گورکھپوری 10 مئی 1904 کو منجھر یا ضلع بستی میں پیدا ہوئے اور 4 جون 1988 کو کراچی میں اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ انہوں نے گورکھپور سے میٹرک، علی گڑھ سے ایف اے، آگرہ یونیورسٹی سے ایم اے انگریزی اور کلکتہ یونیورسٹی سے ایم اے اُردو میں کیا۔ مجنوں گورکھپوری نے مختلف اداروں میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ وہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے صدر شعبۂ اُردو بھی رہے۔ انہوں نے 1968 میں پاکستان ہجرت کی اور کراچی یونیورسٹی میں اعزازی پروفیسر کی خدمات انجام دیں۔ فراق گورکھپوری مجنوں گورکھپوری کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ اُردو، ہندی، عربی و فارسی زبانوں پر انہیں مکمل دسترس تھی۔ انہوں نے مغربی ادب کے ناولوں کے اُردو میں تراجم کیے۔

اُردو ادب میں مجنوں گورکھپوری کا شمار رومانی اور ترقی پسند ناقدین میں ہوتا ہے، حالاں کہ ان کی تنقید میں تاثرات کا رنگ بھی نمایاں ہے۔ ابتدا میں انہوں نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز غزلیں، نظمیں اور قطعات لکھ کر کیا۔ لیکن مجنوں گورکھپوری نے افسانوی ادب میں اپنا نمایاں کردار ادا کیا۔ تنقید کے میدان میں جو کارہائے نمایاں انجام دیے وہ ادبی تاریخ کا ایک اہم حصہ ہے۔ ان کے دس افسانوی مجموعے اور چودہ تنقیدی کتابیں منظرِ عام پر آئیں۔ 'ادب اور زندگی' ان کی مشہور تنقیدی کتاب ہے۔ ان کا پہلا افسانہ 'زیدی کا حشر' تھا۔ یہ افسانہ رسالہ نگار میں قسط وار شائع ہوا۔

زیر نظر کتاب 'مجنوں گورکھپوری کے افسانوں کا تنقیدی مطالعہ' ڈاکٹر صائمہ بی کا تحقیقی مقالہ ہے جس پر انہیں روہیل کھنڈ یونیورسٹی سے 2004 میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض کی گئی۔ ڈاکٹر صائمہ بی کا تعلق رام پور کے ایک علمی و ادبی خانوادے سے ہے۔ ان کے شوہر پروفیسر عبدالحلیم رام پور رضا ڈگری کالج میں استاد تھے۔ موصوفہ خود جامعۃ الصالحات میں (1999 تا 2022) حدیث، عربی ادب و انشا کی استاد رہی ہیں۔ امورِ خانہ داری کی ذمہ داریوں کے سبب یہ مقالہ التوا میں پڑا رہا۔ یہ مقالہ حذف و اضافوں کے ساتھ کتابی شکل میں اکیس سال بعد 2025 میں منصۂ شہود پر آیا ہے۔ موصوفہ نے اس کتاب کو چار ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے باب میں مجنوں گورکھپوری کا مختصر سوانحی خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ اس باب میں پانچ ذیلی عناوین تعارف: شخصیت کی تعمیر و تشکیل، ایک ہمہ گیر شخصیت، مجنوں بہ حیثیت معلم، اور تصانیف کا مختصر تعارف شامل ہے۔ دوسرے باب میں مجنوں گورکھپوری اور رومانیت عنوان سے قائم کیا گیا ہے۔ اس میں تین ذیلی عناوین رومانیت کا مفہوم، مغربی اور مشرقی ادبیات میں رومانیت کا میلان اور مجنوں کے افسانوں اور دیگر نثری تخلیقات میں رومانیت کا رجحان پر بحث شامل ہے۔ کتاب کے تیسرے باب 'مجنوں گورکھپوری کے افسانوں کا تنقیدی مطالعہ' میں سات ذیلی عناوین افسانہ نگاری کے ادوار، موضوعات طربیہ عناصر، حزنیہ عناصر، کردار نگاری، تکنیک، اور اسلوب کے تحت مجنوں گورکھپوری کے افسانوی جہان پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ چوتھا باب اختتامیہ عنوان سے قائم کیا گیا ہے جس میں معاصر افسانہ نگاروں سے تقابل، تراجم اور مجموعی قدر و قیمت کے ذیلی عناوین ہیں۔ آخر میں ڈاکٹر صائمہ بی نے کتابیات کی فہرست پیش کی جن کی مدد سے مقالے کو کتابی شکل عطا کی گئی۔

ڈاکٹر صائمہ بی نے زیر نظر کتاب میں مجنوں گورکھپوری کے دس افسانوی مجموعوں خواب و خیال، سمن پوش اور دوسرے افسانے، ہتیا اور دوسرے افسانے، گردش، نقش و ناہید، صید زبوں، سراب، سرنوشت، سوگوار شباب اور زیدی کا حشر کو اپنی

صفحات: 272 قیمت:-/350 اشاعت:2025
ISBN 978-81-944609-9-2
ناشر: ڈاکٹر صائمہ حلیم، مکان نمبر 244، متصل کریم ریستوران، ڈائمنڈ ٹاکیز روڈ، رامپور-244901 (اتر پردیش)
Mobile: 9412392813

تنقید کا محور و مرکز بنایا ہے۔انھوں نے ان کے افسانوں اور افسانوی عہد کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا کہ مجنوں کی افسانہ نگاری کا دور 1925 سے 1935 تک ہے ۔حالاں کہ انھوں نے اس دور کو بھی دوادوار 1925 تا 1931 اور 1932 تا 1935 کے زمانے میں تقسیم کیا۔اس دس سالہ عرصے میں مجنوں کے افسانوں کے دس مجموعے اُردو افسانے کی تاریخ میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہیں۔موصوفہ کے مطابق مجنوں گورکھپوری کا پہلا افسانہ ’زیدی کا حشر‘ ہے جسے جمیلہ بیگم کی تحریک پر لکھا گیا تھا۔لیکن مجنوں صاحب اس افسانے کو فنی اعتبار سے اپنا سب سے کمزور افسانہ گردانتے ہیں۔انھوں نے اس افسانے کے بارے میں لکھا کہ مجھے اس افسانے میں فنی لحاظ سے اتنی خامیاں نظر آئیں کہ اس کو اپنے سے منسوب کرتے ہوئے شرم آتی تھی۔مجنوں گورکھپوری نے یہ بھی لکھا کہ میں نے کافی غور وفکر کرنے کے بعد اسے رسالہ نگار میں شائع کرنے کی اجازت دی۔موصوف مغربی ادب سے خاصے متاثر تھے اور وہ چاہتے تھے کہ اُردو ادب میں بھی مغربی معیار کے افسانے تخلیق ہونے چاہئیں۔

ڈاکٹر صائمہ بی نے مجنوں گورکھپوری کے افسانوں کے موضوعات پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کی افسانہ نگاری کا دورِ آغاز اُردو ادب میں ادبِ لطیف کا عہد شباب تھا۔اس لیے ادبِ لطیف کے موضوعات اس کے رجحانات اور نظریات سے مجنوں متاثر ہوئے اور اپنے عہد کے مذاق کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے افسانوں کے لیے موضوعات کا انتخاب کیا۔مجنوں گورکھپوری نے ابتدا سے ہی اپنے افسانوں میں جمالیات کو ترجیح دی۔وہ ہر حسین وجمیل چیزوں کے بیان کے لیے حسین الفاظ و خوب صورت جملوں کو قارئین کے سامنے پیش کرتے رہے ہیں۔ ڈاکٹر صائمہ بی نے مجنوں گورکھپوری کے افسانوں میں موجود جمالیاتی حس و رومانیت کے جذبوں سے سرشار کرداروں اور مکالموں کی مثالیں جا بجا پیش کی ہیں۔ان کی نظر میں مجنوں گورکھپوری نے اپنے افسانوں میں عورت کو محبت کی دیوی کے روپ میں پیش کیا ہے۔اس لیے ان کے افسانوں کے کردار عشق ومحبت کے پرستار وعلم بردار ہیں۔

ڈاکٹر صائمہ بی نے مجنوں گورکھپوری کے افسانوں میں ’طربیہ عناصر‘ کی نشان دہی کرتے ہوئے لکھا کہ ان کے افسانوں میں ناکام محبت کی کہانیوں کے علاوہ سوز و گداز بھی موجود ہے۔مجنوں کے بیش تر افسانوں کا اختتام ٹریجڈی پر ہوتا ہے۔موصوفہ نے مجنوں گورکھپوری کے متعدد افسانوں بالخصوص خواب وخیال، نقش و ناہید، محبت، ہتیا، حسین انجام، باز گشت صید زبوں، سمن پوش، سبز پری حسن شاہ محبت کا جوگ، تم میرے ہو وغیرہ کو بطور مثال پیش کیا جن میں ’طربیہ عناصر‘ کو مخصوص مقام حاصل ہے۔

مجنوں گورکھپوری کے افسانوں میں ’حزنیہ عناصر‘ کو طشت از بام کرتے ہوئے ڈاکٹر صائمہ بی لکھتی ہیں کہ مجنوں مغربی ادب سے متاثر تھے اسی لیے انھوں نے اپنے افسانے بھی انگریزی ادب سے متاثر ہو کر لکھے۔ان کے افسانوں کی ابتدا درد وکرب سے ہوتی ہے اور اختتام بھی اسی طرح ہوتا ہے۔انھوں نے سماج کو محبت کا دشمن قرار دیا۔اس کے لیے ڈاکٹر صائمہ بی نے مجنوں کے الم ناک افسانوں کی نشان دہی کرتے ہوئے لکھا کہ انھوں نے بعض افسانے مغربی ناول نگار ہارڈی سے متاثر ہو کر لکھے۔خود مجنوں نے افسانہ ’ہتیا‘ کے بارے میں وضاحت کی کہ یہ افسانہ ہارڈی کے ناول Tess of Durbervilles سے متاثر ہو کر لکھا تھا۔

ڈاکٹر صائمہ بی نے مجنوں گورکھپوری کے افسانوی جہان پر تنقیدی بحث کی ہے۔انھوں نے اپنے تجزیوں میں اس امر کی جانب بار ہا اشارہ کیا کہ مجنوں گورکھپوری نے اپنے وسیع مطالعے کے سبب صرف دس سال میں دس افسانوی مجموعے تخلیق کیے۔حالاں کہ مجنوں یہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی شہرت و شناخت افسانہ نگار کے طور پر ہو۔وہ افسانوں کے بجائے تنقید کے میدان میں کام کرنا چاہتے تھے۔انھوں نے ترقی پسند تحریک کے وجود میں آنے سے پہلے ہی تنقید کی جانب قدم بڑھائے۔ ان کی تنقید میں مغربی نقادوں کے اثرات نمایاں ہیں۔

☆ مبصر کا پتہ: وارڈ نمبر 1، مہپا چوراہا، نگر پنچایت سِوال خاص، ضلع میرٹھ— 250501 (یوپی) موبائل 9897012528

❑❑❑

لفظ ومعانی (مقالات ادبیات فارسی)

مصنف: ڈاکٹر رضوان اللہ آروی

تبصرہ: ریاض احمد قادری☆

فارسی زبان کبھی ہمارے ملک (متحدہ ہندوستان) کی عوامی اور حکومتی زبان تھی۔ سرکاری فرامین و دستاویزات اسی زبان میں تحریر کئے جاتے تھے، اور عوام الناس فارسی زبان و ادب کے واقف کار اور اس کی نوک پلک سے آشنا تھے۔ صوفیائے عظام نے بھی اپنے دلنشین مکتوبات اور معرفت سے لبریز ملفوظات کے ذریعہ فارسی زبان و ادب کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا۔ شعرائے کرام نے اپنے نفیس ادبی قصائد و غزلیات سے فارسی ادب کے گلستان کی آبیاری کی اور خانقاہوں سے منسلک موسیقاروں نے اپنے وجد آفریں دلگداز نغموں سے فضائے سخن میں گلباری کی۔ مؤرخین اور سوانح نگاروں نے تذکار اولیاء کی تالیف و ترتیب کے دوران اس زبان کی تہذیب کی اور اس کے حسن کو نکھارا چمکایا۔ ان سارے عوامل و اسباب کے ذریعہ ہندوستان میں فارسی زبان و ادب کی ترویج و ترقی ہوتی رہی۔

جب ہندوستان میں ایک نئی زبان 'اردو' نے جنم لیا اور رفتہ رفتہ وہ پنپنے اور ترقی کرنے لگی، تو تذکرہ نگاروں اور سخن وروں نے اس نئی زبان پر اپنی توجہ مبذول کردی۔ چودھوی صدی عیسوی میں حضرت امیر خسرو، ۱۵ ویں صدی میں خواجہ بندہ نواز گیسو دراز، ۱۶ ویں صدی میں محمد علی قطب شاہ، ۱۷ ویں صدی میں ولی محمد ولی دکنی، حاتم شاہ اور مرزا مظہر جان جاناں نے اردو زبان کی پرورش و پرداخت میں حصہ لیا اور اسے طاقتور بنایا، جس سے وہ اپنے پاؤں بڑھانے لگی۔ ۱۸ ویں صدی میں اردو زبان اس قدر ترقی کر گئی کہ نامور ادیبوں، نثر نگاروں اور شاعروں کی ایک لمبی قطار نظر آنے لگی۔ خاص طور پر شعراء میں شیخ ظہور الدین حاتم، مرزا محمد رفیع سودا، میر تقی میر، شیخ قلندر بخش جرأت، ولی محمد نظیر اکبرآبادی، غلام علی ہمدانی مصحفی، بہادر شاہ ظفر، خواجہ حیدر علی آتش، محمد ابراہیم ذوق، مرزا اسد االلّٰہ خان غالب اور حکیم مومن خان مومن جیسی نمایاں شخصیتیں سامنے آئیں جن کی تخلیقات نے اردو زبان کے جسم میں تازہ خون پہنچا کر اسے تنومند بنا دیا۔ ۱۹ ویں صدی میں مرزا سلامت علی دبیر، میر ببر علی انیس، پنڈت دیا شنکر نسیم، منشی امیر مینائی، نواب مرزا داغ دہلوی، اکبر حسین اکبر الہ آبادی، علامہ شبلی نعمانی، مولانا الطاف حسین حالی، ڈاکٹر محمد اقبال، فضل الحسن حسرت موہانی، سید عاشق حسین سیماب اکبرآبادی، اور گزشتہ بیسویں صدی میں علی سکندر جگر مرادآبادی، شبیر حسن خان جوش ملیح آبادی، رگھو پتی سہائے فراق گورکھپوری، فیض احمد فیض، محمد داؤد خاں اختر شیرانی وغیرہ نے اردو زبان کو اس مقام پر پہنچا دیا کہ فارسی جیسی مقبولِ عام اور شیریں زبان کے درفشِ خسروانہ کو سرنگوں کر کے اردو زبان خود اپنا علَم اٹھانے کے لائق ہوگئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فارسی متروک زبان ہوگئی، ایک نہایت شیریں زبان سے عوام کا رابطہ منقطع ہوتا گیا، اس کے قارئین کی تعداد حد درجہ کم ہوگئی، اور اس کو پڑھنے پڑھانے والے مدارس اور خانقاہوں میں پائے جاتے تھے، یا عصری دانش گاہوں (یونیورسٹیز) کے فارسی شعبہ جات میں اس کے واقف کار محدود ہو کر رہ گئے۔ ان حالات میں کچھ ایسے اہل علم نگاہوں کے سامنے آتے ہیں جنہوں نے قدیم وجدید فارسی کو نہ صرف سیکھا بلکہ اس میں مقامِ اختصاص حاصل کیا۔ ڈاکٹر رضوان اللہ آروی صاحب بھی ان چیدہ افراد میں سے ایک ہیں۔

ڈاکٹر رضوان اللہ آروی علم و ادب کے میدان میں ایک معتبر شخص ہیں۔ ان کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ موصوف تحقیقی ذہن کے مالک ہیں، اور ان موضوعات پر قلم اٹھاتے ہیں جنہیں اکثر محققین مشکل سمجھ کر نظر انداز کر جاتے ہیں۔ ان کے تنقیدی مضامین کا پہلا مجموعہ 'بازیافت' اور دوسرا مجموعہ 'متاعِ قلیل' اہل علم و دانش اور صاحبان فکر وفن سے پذیرائی حاصل کر چکا ہے۔ 'بہار کی فارسی شاعری کے فروغ میں شعرائے پھلواری کا حصہ' ان کی ایک اہم تصنیف ہے۔

صفحات: 260 قیمت: -/350 اشاعت: 2022
ISBN 978-93-93785-48-0
ناشر: بک امپوریم، اردو بازار، سبزی باغ، پٹنہ -800004
Mobile: 9430222372

ڈاکٹر رضوان اللہ آروی کے تحقیقی مضامین کا تیسرا مجموعہ 'لفظ و معانی' جو فارسی ادبیات سے متعلق ہے، اس وقت مطالعہ کی میز پر تبصرہ کے لیے موجود ہے۔ اس میں موصوف کے 17 تحقیقی مضامین شامل ہیں۔ فارسی زبان و ادب کے ساتھ فارسی کے متصوفانہ لٹریچر سے بھی مصنف کو بہت لگاؤ ہے اور مشائخ عظام سے گہری عقیدت بھی رکھتے ہیں، اسی نسبت سے کتاب کا افتتاحی مضمون حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری (رحمۃ اللہ علیہ) کی ایک گمشدہ کتاب 'بحر المعرفت' سے متعلق ہے۔ خدا بخش لائبریری (پٹنہ) میں اس کا ایک قلمی نسخہ مصنف کو دستیاب ہوا۔ پرسوز اور دلگداز مناجات پر مشتمل یہ ایک مختصر رسالہ ہے، جسے بنارس کے ایک شخص سید محمد اکرام نے 112 سال قبل 1335ھ میں اپنے ہاتھ سے نقل کیا تھا۔ گمان غالب ہے کہ کسی کتاب کا یہ ابتدائیہ ہے، اور مکمل کتاب ضائع ہو چکی ہے۔ حضرت مخدوم الملک شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ ایک بلند پایہ عالم اور عالی نسبت کے حامل بزرگ تھے۔ ان کی ذات گرامی توحید و معرفت کی تشریح و تفہیم کے باب میں بلند ترین مقام پر فائز ہے۔ آپ کی پُر اثر تحریریں الہامی محسوس ہوتی ہیں۔ آپ کے ملفوظات اور مکتوبات کے تینوں مجموعوں کا مطالعہ کرنے والے اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ ان میں عشق الٰہی کی حرارت، معارف و بصائر کا بحرِ ذخار، اور اسرار و رموز کا ایک جہان پنہاں ہے۔ زیرِ تحقیق اس رسالہ میں بھی وہی خاص اثر و تاثیر نمایاں ہے۔ ڈاکٹر رضوان اللہ آروی نے اپنے اس مقالہ میں 'بحر المعرفت' کی اہمیت و خاصیت کو اجاگر کیا ہے۔

اسی طرح کتاب کے متعدد مقالات میں معروف صوفیا کے فارسی ملفوظات، مکتوبات، تصانیف اور ان کے تذکروں کو موضوع تحریر بنایا ہے، اور ان پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ ان میں حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ کے خلیفہ مخدوم شاہ احمد آمونؒ کے ملفوظات 'مطلوب المبارک' مرتب کردہ شیخ مبارکؒ، محبوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظات 'افضل الفوائد' جمع کردہ حضرت امیر خسروؒ، اور شیخ عبد الصمد قادری انصاری کی تصنیف 'اخبار الاصفیاء' بھی شامل ہے، جو اساسی طور پر توصوفیا کا تذکرہ ہے لیکن اس میں مغل بادشاہ جہانگیر کے دَور کی تہذیب و معاشرت کی روداد بھی ضمناً درج ہے۔

حیات اللہ حسینی کی کتاب 'حجۃ العارفین' جو حضرت امیر ابو العلاء چشتی منعمی (رحمۃ اللہ علیہ) کی سیرت و سوانح پر مشتمل ہے، اس میں صاحب سوانح کے ملفوظات، تعلیمات، طریقۂ نسبت اور فقر و سلوک کا جامع تذکرہ ہے۔ دورانِ مطالعہ صفحہ 90 پر درج کتاب کے مصنف حیات اللہ حسینی کے اس جملہ پر نگاہ ٹھہر گئی کہ ''اس سلسلہ (ابوالعلائیہ) کا مبتدی بھی دیگر سلاسل کے منتہی کے مقابل نظر آتا ہے''۔ کمترین کے نزدیک ایک حد تک اپنے اکابر کی عظمت کو بیان کرنا معیوب نہیں، لیکن صوفیانہ منہج کی کسی تحریر میں دوسرے سلاسل کے اکابر کی تحقیر کا پہلو مستور ہو، یہ کسی بھی صورت میں روا اور درست نہیں۔ کاش اس قسم کے غیر مناسب جملہ سے کتاب ''حجۃ العارفین'' محفوظ ہوتی۔

دَور جہانگیری کی ایک فارسی تصنیف 'نورِ وحدت' کے بارے میں مصنف نے بڑی محنت و جستجو کی ہے اور اس کے متعدد نسخوں تک رسائی کے لیے جو کاوشیں کی ہیں، اور اس کے اصلی مصنف تک رسائی کی جو سعی کی ہے وہ مصنف کے تحقیقی معیار کو بلندی عطا کرتی ہیں۔ اس کتاب میں صوفیا کے دو اہم متضاد نظریات 'وحدۃ الوجود' اور 'وحدۃ الشہود' پر بھی مختصر سی روشنی ڈالی گئی ہے، لیکن بحث تشنہ رہ گئی۔

ایران کا صفوی خاندان سلطنت و حکومت کی زمام سنبھالنے کے ساتھ علم و ادب میں بھی ممتاز مقام رکھتا تھا۔ شاہ اسمٰعیل صفوی کا لائق ترین فرزند شاہ زادہ سام میرزا متعدد علوم و فنون کا جامع تھا اور بڑا نفیس ادبی ذوق رکھتا تھا۔ اس کی تالیف 'تحفۂ سامی' فارسی شعرا کا ایک قدیم مستند تذکرہ ہے، جس میں سام میرزا نے معاصر سخنورانِ اہل صفا کے حالات اور ان کے نمونۂ کلام کو درج کیا ہے۔ بعد کے تذکرہ نگاروں نے تحفۂ سامی کے حوالوں سے اپنی تالیفات کو مزین کیا ہے۔ رضوان اللہ آروی نے تحفۂ سامی سے متعلق جو تفصیلی مضمون لکھا ہے لائق مطالعہ ہے۔

شہاب الدین محمد شاہ جہاں، اور محی الدین محمد اورنگ زیب کے دور میں چندر بھان برہمن فارسی زبان کے قابل فخر شاعر، نثر نگار اور دیانت دار و لائق اعتبار مؤرخ تھے۔ خدا بخش اور ینٹل

پبلک لائبریری، پٹنہ میں موجود ان کی کتابوں کے قلمی نسخوں بالخصوص دواوین اوران کے رقعات کی اپنے مضمون میں نشاندہی کی ہے۔ یہ مضمون مصنف کی محنت وکاوش کا حسین ثمرہ ہے۔

پروفیسر شکیل الرحمن مرحوم ایک ہمہ جہت شخصیت تھے۔ وہ ایک صاحب طرز ادیب، معتبر نقاد، تخیل پرست انشاء پرداز اوررومان پسند افسانہ نگار تھے۔ ان کے نثر پاروں میں جمالیاتی حسن کی بوقلمونی جس بانکپن کے ساتھ موجود ہے اس کی مثال اردوادب میں کمیاب ہے۔ اہل فن نے پروفیسر شکیل الرحمن کی تحریروں کے جس پہلو کو سب سے زیادہ سراہا وہ ان کا جمالیاتی ذوق ہے۔ رضوان اللہ آروی نے اپنے مقالہ 'شکیل الرحمن کی جمالیاتی بصیرت اور جمالیات حافظ شیرازی' میں شکیل الرحمن کی کتاب 'جمالیات حافظ شیرازی' کو موضوع گفتگو بنایا ہے۔ آٹھویں صدی ہجری کے مقبول فارسی شاعرخواجہ محمد شمس الدین حافظ شیرازی کی شاعری پر فارسی زبان کو ناز ہے۔ ان کی شاعری میں عشق ومحبت کے موضوعات نمایاں ہیں۔ ان کا کلام بر صغیر کے سلاطین وصوفیا کے یہاں بھی مقبول ہے، ان کے غزلیہ اشعار میں محبت کا کیف اورعشق کی سرمستی ہے جو اہل دل کوتڑپا دیتے ہیں اورمحفلِ سماع میں وجد وحال کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ ان کا کلام یقینا ایک صاحب دل کو اس مقام مرتفع تک پہنچادیتا ہے جسے حافظ نے'لامکاں' سے تعبیر کیا ہے:

رسیدہ ام بمقامے کہ لا مکاں آنجاست

تغزل ان کی شاعری کا امتیاز ہی نہیں، ان کی شاعری کا اعجاز بھی ہے۔ حافظ کی غزلیات میں جس عشق ومحبت اور کیف و مستی کا ذکر ہے اسے اہل محبت عشق حقیقی (محبت الٰہی) سے تعبیر کرتے ہیں اور کچھ سخن فہم اسے عشق مجازی (مادی انسان سے عشق) گردانتے ہیں۔ شکیل الرحمن ایک الگ نظریہ پیش کرتے ہیں۔ وہ حافظ کی غزلوں کی ترجمانی یوں کرتے ہیں گویاان کے اشعارجنسی آسودگی اورسیکس کی لذت پر انسان کوآمادہ کرتے ہیں۔ حافظ شیرازی کے متعلق ان کا یہ غیر دانشمندانہ جملہ کہ'' سیکس ان کے کلام کی بنیاد اورعورت مرکز نگاہ ہے'' اہل دل کوتڑپا گیا۔ ڈاکٹر رضوان اللہ آروی نے پروفیسر شکیل الرحمن کی کتاب 'جمالیات حافظ شیرازی' کوموضوع گفتگو بنایا ہے اور اپنا دامن بچاتے ہوئے ان جملوں پر اپنے مضمون کا اختتام کیا ہے کہ:

''شکیل الرحمن نے اپنی تنقید میں اس کو جمالیاتی وحدت کی صورت میں پیش کیا ہے۔ کثرت میں یہ وحدت شکیل الرحمن کی تنقید کا اختصاص بھی ہے اور حافظ شیرازی کی شاعری کا امتیاز بھی۔ اوراختصاص وامتیاز کا جب امتزاج ہوتا ہے تو'جمالیات حافظ شیرازی' جیسی کتاب وجود میں آتی ہے۔''

'جدید فارسی کا ترقی پسند افسانہ نگار: بزرگ علوی' کتاب کا بہت اہم مضمون ہے۔ فارسی کے ترقی پسند افسانہ نویس اور اشتراکیت سے متأثر نثر نگار سید مجتبٰی بزرگ علوی تہرانی ایران کی شہنشاہیت کےظلم وجور کا نشانہ بننے کے باوجود ایک بلندعزائم رکھنے والے صحافی، ایک بلند پایہ ادیب، جمہوریت پسند مفکر اور فارسی کے بالغ نظر فکشن نگار تھے۔ فارسی ادیبوں میں جب مرزا آغا تبریزی، محمد علی جمال زادہ، مرتضیٰ مشفق کاظمی، محمد حجازی اور صادق ہدایت کا طوطی بولتا تھا، بزرگ علوی نے اپنی فنی مہارت اورتخیل کی بلندی کی بنا پر الگ مقام حاصل کیا۔ فارسی زبان کے مشہور ناقد ڈاکٹر احمد خاتمی نے اپنی کتاب 'دربارۂ نثر معاصر' میں بزرگ علوی پر نقد کرتے ہوئے لکھا 'او بہ شدت تحت تاثیر ہدایت است' کہ وہ صادق ہدایت سے بہت زیادہ متأثر ہیں۔ لیکن بزرگ علوی، ڈاکٹر احمد خاتمی کا نام لیے بغیر اس دعویٰ کی مکمل طور پر تردید کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں'' بہ من گفتہ اند کہ تحت تاثیر ہدایت بودہ ام، در صورتی کہ ایں طور نیست'' (میرے متعلق کہا گیا کہ صادق ہدایت سے میں متاثر ہوں، جب کہ حقیقت میں ایسا ہرگز نہیں)۔ بزرگ علوی کا ایک منفرد اسلوب ہے جو ان کا شناس نامہ بھی ہے۔ ڈاکٹر رضوان اللہ آروی نے بزرگ علوی کی انفرادیت کو اس مضمون میں واضح کیا ہے۔

کتاب میں شامل مضامین میں 'غیاث اللغات، مطبوعہ ایران کے امتیازات' اور'پندرہویں صدی کا ہندوستان: تاریخ مبارک شاہی کے آئینہ میں' یہ دومضامین بھی نہایت گراں قدراور قابل استفادہ ہیں۔ طوالت کےخوف سے ہر ایک مضمون پر کچھ لکھنے سے اعراض کرتے ہوئے کتاب کو شائقین کے ذوق وشوق کے حوالہ کرتا ہوں کہ وہ اپنے چاہت کے مطابق اس سے فائدہ

حاصل کریں۔ میں کتاب ’لفظ ومعانی‘ کو فارسی ادب وتاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے ایک بیش قیمت تحفہ سمجھتا ہوں، اور فارسی ادب کے اسکالرز اور تشنگان معرفت سے بالخصوص کتاب کے مطالعہ کی گزارش کرتا ہوں۔

☆ مبصر کا پتہ: J-31/78 کچی باغ، وارانسی-221001 (یوپی)
Mobile: 9839878316

❑❑❑

گردشِ ایام (سوانحی ناول)

مصنف: معین الدین عثمانی

تبصرہ: پروفیسر علی احمد فاطمی☆

’گردشِ ایام‘ معروف افسانہ نگار معین الدین عثمانی کا سوانحی ناول ہے۔ خوب صورت، سادہ اور دل کش عنوان کے ساتھ جب یہ کتاب ہاتھ لگی تو بے اختیار اسے پڑھنے کے لیے طبیعت مائل ہوا ٹھی۔

پہلے ہی جملے میں اس سے یوں ربط پیدا ہوا کہ ان دنوں جو معدودے چند ناول لکھے جارہے ہیں، ان کے عنوان اور ان کی پیش کش ہی سے طبیعت الجھنے لگتی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ جیسے کوئی پیچیدہ فلسفے اور خشک فکری موشگافیوں کی آڑی ترچھی کتاب سامنے آگئی ہو۔ اس پر مستزاد یہ کہ دائیں بائیں جو نقادوں کی آراء شائع ہوتی ہیں، وہ ناول سے بھی زیادہ الجھی ہوئی ہوتی ہیں۔ اس سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ نہ نقادوں کا ذہن صاف ہے اور نہ تخلیق کاروں کا۔

ہمارے نامور اساتذہ ادب، مثلاً احتشام حسین، آلِ احمد سرور اور دیگر، ہمیں یہ سمجھاتے تھے کہ شعر وادب میں تصورات واضح ہونے چاہییں، خواہ وہ تخلیق ہو یا تنقید۔ تنقید، یوں بھی شرح وبسط کا نام ہے۔ وہ تخلیق کی گرہیں کھولتی ہے اور اشاریت کو وضاحت میں تبدیل کرتی ہے۔

مشکل کو مزید مشکل بنا دینا ہرگز بڑا ادب نہیں ہوتا۔ فن کار کا اصل کمال تو یہ ہے کہ وہ مشکل کو آسان، مگر معنوی گہرائی اور فکری وسعت کے ساتھ پیش کرے۔

اسی لیے پریم چند کہا کرتے تھے کہ آسان کہانی لکھنا مشکل ہوتا ہے اور مشکل کہانی آسان۔ حقیقت یہ ہے کہ اچھی کہانی لکھنے کے لیے انسانوں سے گہری وابستگی اور فن کارانہ دردمندی کی ضرورت ہوتی ہے۔ مصنف اگر خود پیچیدہ اور مبہم ہو جائے تو اس کا فکشن بھی دوام نہیں پا سکتا۔

لارنس نے کہا تھا کہ فلسفہ فکشن کے بطن سے پھوٹنا چاہیے، اس کے اوپر تیرنا نہیں چاہیے۔ امراؤ جان ادا ہو، گؤدان ہو یا آگ کا دریا، ان سب میں فلسفہ ضرور ہے، لیکن وہ پہلے ناول ہیں، بعد میں فلسفہ۔ ناول کو پہلے ناول ہونا چاہیے اور ناول نگار کو بھی یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ ناول نگار ہے، فقہ یا فلسفے کی کتاب لکھنے والا نہیں۔

’گردشِ ایام‘ اگرچہ ایک ناول ہے، لیکن اسے مکمل طور پر ناول تسلیم کرنے میں تامل ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اسے پوری طرح سوانحِ حیات قرار دینا بھی آسان نہیں۔ جس طرح ناول کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں، اسی طرح خودنوشت سوانح کے بھی الگ تقاضے ہیں۔ میں یہاں ان تقاضوں کی تفصیل میں نہیں جاؤں گا، کیونکہ اس بحث کی یہاں گنجائش نہیں۔

تاہم، ان تمام صورتوں کے باوجود یہ کتاب دلچسپ، کارآمد اور لائقِ مطالعہ ہے۔ اردو ادب کی تاریخ میں متعدد ایسی کتابیں موجود ہیں جنہیں کسی ایک مخصوص صنف کی حدود میں نہیں باندھا جا سکتا، لیکن اس کے باوجود وہ ہماری ادبی روایت کا ناقابلِ فراموش حصہ ہیں؛ مثلاً ’آبِ حیات‘، ’غبارِ خاطر‘ اور ’روشِ شقائق‘ وغیرہ۔ ان کتابوں کو پڑھے بغیر اردو ادب کی تاریخ کا مطالعہ مکمل نہیں ہوتا۔

شاہ عمران حسن نے اس کتاب کا ذیلی عنوان نہایت مناسب رکھا ہے: ’معین الدین عثمانی کا زندگی نامہ‘۔

ہر انسان کی اپنی ایک زندگی ہوتی ہے اور ہر زندگی کا اپنا

صفحات: 192 قیمت: -/500 اشاعت: 2026
ISBN 978-93-49083-40-0
ناشر: مرکزی پبلی کیشنز، نئی دہلی-110025
مصنف: 264 شاہونگر، جلگاؤں-425001 (مہاراشٹر)
Mobile: 9811794822

ایک نامہ بھی ہوتا ہے،لیکن قاری کسی سوانح کو اس لیے پڑھتا ہے کہ وہ اس میں اپنے آپ کو تلاش کر سکے۔ وہ یہ جاننا چاہتا ہے کہ اس مصنف کی زندگی اس کی اپنی زندگی سے کتنی قریب ہے اور کتنی دور۔

میرے نزدیک اس کتاب کا سب سے بڑا حوالہ متوسط طبقے کی زندگی ہے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ بالائی متوسط طبقے کی زندگی۔عثمانی صاحب کا تعلق اسی طبقے سے رہا ہے، اس لیے انہوں نے نہایت دیانت داری اور سادگی کے ساتھ اس طبقے کی مشکلات، محرومیوں اور روزمرہ زندگی کے نشیب وفراز کو بیان کیا ہے۔

خاندان، بچپن، ابتدائی تعلیم، معاشی دشواریاں، شادی، گھریلو زندگی اور خاندانی ذمہ داریاں بی یہ سب وہ مراحل ہیں جو تقریباً ہر انسان کی زندگی میں آتے ہیں، اور یہی سب اس کتاب میں بھی پوری فطری کیفیت کے ساتھ موجود ہیں۔ اسی لیے یہ کتاب اپنی سی محسوس ہوتی ہے، کیونکہ اس میں انہی مسائل، احساسات اور تجربات کی ترجمانی ہے جن سے عام انسان گزرتا ہے۔

پریم چند نے اپنی مختصر ’آپ بیتی‘ میں ایک مقام پر لکھا ہے:
’’میری زندگی سیدھے میدان کی طرح ہے، جس میں اونچے نیچے ٹیلے یا پہاڑ تلاش کرنے والا مایوس ہوگا۔‘‘

اگرچہ یہ بات مکمل طور پر درست نہیں، اس لیے کہ پریم چند کی چھپن سالہ زندگی عظیم جدوجہد، مسلسل محنت اور تخلیقی ریاضت کی ایک درخشاں داستان ہے۔ ان کی زندگی میں ایسے بے شمار نشیب وفراز آئے جنہوں نے نہ صرف ان کی شخصیت کو جِلا بخشی بلکہ ان کے ادب کو بھی دوام عطا کیا۔

ایک کامیاب سوانح نگار کی خوبی یہ ہوتی ہے کہ صرف وہ خود نہ بولے بلکہ اس کے ساتھ اس کا زمانہ بھی بولے۔ عہد کی دھڑکنیں، معاشرتی تغیرات اور تہذیبی رویے بھی اس کی تحریر میں نمایاں ہوں۔ ’گردشِ ایام‘ میں یہ کیفیت جگہ جگہ دکھائی دیتی ہے۔ اسی سے فلسفۂ حیات جنم لیتا ہے، اور وہ اسی وقت معنویت اختیار کرتا ہے جب مصنف کے مشاہدات اور تجربات اس کی بنیاد ہوں۔

کتاب کے آغاز ہی میں چند جملے ملاحظہ ہوں:
’’ضرورت مند گھروں میں کھانے کے اوقات معین نہیں ہوتے۔‘‘ (ص 14)

اور:
’’صحن کے احاطے میں پیشاب خانہ تھا، جو بعض اوقات بھیگنے والے بچوں کی کھیل کود کا اڈہ بن جاتا تھا۔‘‘

پہلے جملے میں فلسفہ ہے اور دوسرے میں مشاہدہ۔ مشاہدہ ہی تجربہ بنتا ہے، اور تجربہ ہی فلسفے کی بنیاد ہوتا ہے۔ اگر ناول ان دونوں چیزوں سے خالی ہو جائے تو پھر قاری آخر اسے کیوں پڑھے؟

غالب کا فلسفہ ہو یا اقبال کی فکر، دونوں کی بنیاد زندگی کے تجربات پر ہے۔ اگر ناول میں صرف فلسفہ ہو، مگر وہ زندگی کے مشاہدے سے پیدا نہ ہوا ہو، تو وہ قاری کے دل میں اترنے کے بجائے محض ذہنی مشق بن کر رہ جاتا ہے۔

اسی لیے کہا گیا ہے کہ بہترین تخلیق وہ ہے جسے پڑھ کر قاری بے اختیار کہہ اٹھے: ’’جو اس نے کہا، میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے۔‘‘

ایک مقام پر لکھتے ہیں: ’’عقل مند کبھی خود ہر تجربہ نہیں کرتا، بلکہ دوسروں کے تجربات سے سیکھ لیتا ہے۔‘‘

یہ جملہ دراصل زندگی کا ایک آزمودہ اصول ہے۔ انسان اگر دوسروں کے تجربات سے سبق حاصل کر لے تو اسے بہت سی ٹھوکروں سے بچایا جا سکتا ہے۔

اسی طرح یہ جملہ بھی قابلِ غور ہے: ’’زندگی کو سمجھنے والوں کے لیے چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی بڑی بڑی حقیقتوں کا لطف ہوتا ہے۔‘‘

اسی کیفیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ بصیرت رکھنے والا شخص قطرے میں دریا دیکھ لیتا ہے۔

اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ مصنف نے اپنی ذات یا اپنی کامیابیوں کے بارے میں کہیں بھی مبالغہ آرائی سے کام نہیں لیا۔ انہوں نے خود کو غیر معمولی ثابت کرنے کی کوشش نہیں کی، بلکہ نہایت سادگی اور دیانت کے ساتھ اپنی زندگی کے حالات و واقعات قلم بند کیے ہیں۔ یہی وصف اس کتاب کو اعتماد اور اعتبار عطا کرتا ہے۔

البتہ بعض مقامات پر یہی سادگی کتاب کی ایک کمزوری بھی محسوس ہوتی ہے۔ قاری یہ جاننا چاہتا ہے کہ معین الدین عثمانی

کے اندر تخلیق کار کی شخصیت کس طرح پروان چڑھی، افسانہ نگاری کی طرف ان کا رجحان کیسے پیدا ہوا، ان کے فکری اور فنی ارتقا کے محرکات کیا تھے، اور وہ کون سے ادبی یا سماجی عوامل تھے جنہوں نے ان کے تخلیقی شعور کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کیا۔

علامہ اقبال بھی بار بار سوال اٹھاتے ہیں:

''زندگی کا راز کیا ہے؟ سلطنت کیا چیز ہے؟''

اقبال کے یہاں سوال محض استفہام نہیں بلکہ فکر کی نئی راہیں کھولنے کا وسیلہ بن جاتا ہے۔ یہی کیفیت اس کتاب کے بعض مقامات پر بھی محسوس ہوتی ہے، جہاں مصنف کے مختصر مگر فکر انگیز جملے قاری کو غور و فکر پر آمادہ کرتے ہیں۔ یہی جملے اس کتاب کی فکری اہمیت میں اضافہ کرتے ہیں اور اسے محض سوانح حیات سے آگے لے جا کر زندگی کے وسیع تر تناظر سے جوڑ دیتے ہیں۔

کتاب کے اختتامی ابواب میں مصنف کے چند ایسے جملے سامنے آتے ہیں جو زندگی کے وسیع تر تناظر میں غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر وہ لکھتے ہیں: ''انسان کسی بھی طرح کے ماحول کا پروردہ ہو، فطری طور پر خواہشات کا اسیر ہوتا ہے، جن کی تشکیل میں خود اس کا اپنا حصہ کم ہوتا ہے۔ ان خواہشات کی بنیاد زیادہ تر والدین، قریبی رشتہ داروں اور ماحول کے اثرات پر استوار ہوتی ہے، جبکہ مخلص دوست احباب بھی غیر محسوس انداز میں ان کی تعمیر میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔''

جب کوئی کتاب اپنے ذاتی تجربات سے آگے بڑھ کر انسانی زندگی کی ایسی آفاقی سچائیوں کو چھونے لگتی ہے جو ہر عہد اور ہر معاشرے کے انسان پر یکساں صادق آتی ہوں، تو وہ اپنے محدود دائرے سے نکل کر وسیع ادبی معنویت اختیار کر لیتی ہے۔

ناول کے بعض دلچسپ کردار بھی سامنے آتے ہیں، لیکن چونکہ وہ زیادہ دیر تک قاری کے ذہن میں قائم نہیں رہتے، اس لیے ان کا تاثر بھی نسبتاً کم محسوس ہوتا ہے۔ یہی وہ پہلو ہے جس کی بنا پر یہ تصنیف ناول کے مقابلے میں سوانح حیات سے زیادہ قریب دکھائی دیتی ہے۔

اس کے باوجود کتاب میں ایسے خوب صورت اور دل نشیں جملے بھی جگہ جگہ ملتے ہیں جو دیر تک ذہن میں نقش رہتے ہیں۔

میرے نزدیک ایک ناول کے لیے محض فلسفہ کافی نہیں ہوتا، بلکہ زندگی کے گہرے مشاہدات، حقیقی تجربات اور انسانی نفسیات سے براہِ راست وابستگی زیادہ ضروری ہوتی ہے۔ 'گردشِ ایام' میں یہ عناصر مختلف مقامات پر پوری قوت کے ساتھ موجود ہیں، اور یہی اس کتاب کی اصل خوبی ہے۔

یہ بحث اپنی جگہ کہ اسے ناول قرار دیا جائے یا خودنوشت سوانح، لیکن اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ یہ ایک دلچسپ، دل کش اور فکر انگیز تصنیف ہے، جو ابتدا سے انتہا تک قاری کی دلچسپی برقرار رکھتی ہے۔

☆ مبصر سے رابطہ: سابق صدر شعبہ اردو، الہ آباد یونیورسٹی، الہ آباد۔

Mobile: 9415306239

❑❑❑

اردو افسانے میں عورت کا تصور

(پریم چند سے ترنم ریاض تک)

مصنفہ: ڈاکٹر ثمر جہاں

Mobile: 9643084411

تبصرہ: ایم نصر اللہ نصر☆

اردو افسانے میں عورت آغاز سے ہی موضوع بحث رہی ہے۔ کبھی اسے جنت کی حور کہا گیا ہے تو اکثر اس میں قصور ہی قصور نکالا گیا ہے۔ کبھی ان کو پاکیزگی کی سند دی گئی ہے تو کبھی انہیں بدچلن، بداخلاق اور پاؤں کی جوتی سمجھا گیا ہے۔ تہذیب کے مختلف ادوار میں اسے مختلف انداز سے دیکھا اور پرکھا گیا ہے۔ اس کی وفاداری اور جاں نثاری پر شک کیا گیا ہے۔ اسے برابری کا حق اکثر نہیں دیا گیا ہے۔ انہی تصورات کی تلاش ڈاکٹر ثمر جہاں نے پریم چند سے لے کر ترنم ریاض تک کے افسانوں میں کیا ہے۔ ہر چند کہ یہ کام بہت مشکل ہے پھر بھی انہوں نے اپنی تحقیق کے ساتھ انصاف کیا ہے۔

صفحات: 240   قیمت:-/400   اشاعت:2025

ISBN 978-93-6691-275-2

ناشر: عرشیہ پبلی کیشنز، A-170 گراؤنڈ فلور 3، سوریہ اپارٹمنٹ، دلشاد کالونی، دہلی-110095   رابطہ:9971775969

ابتدائی تہذیب کے تشکیلی دور میں تاریخی اعتبار سے یہ تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ کس دور میں سماج و معاشرہ میں عورت کا کیا مقام رہا۔موصوفہ نے یہ انکشاف کیا ہے کہ دُنیا کی قدیم ترین تہذیب ہو یا ہندوستان کا قدیم معاشرہ کسی بھی زمانے میں عورت کو وہ مقام یا مرتبہ حاصل نہیں ہوا جس کی وہ مستحق رہی ہے۔ مرد اساس معاشرے میں اس کی ذہنی صلاحیتوں اور قوتوں کو بارآور ہونے کے مواقع کم کم ہی نصیب ہوئے۔'رگ وید' میں کوشش کی گئی کہ معاشرے میں عورت کو بنیادی حقوق فراہم کیے جائیں لیکن جیسے جیسے ان کی زندگی کا دائرہ وسیع ہوتا گیا ان میں ذاتوں اور فرقوں کی تفریق فروغ پانے لگی۔ برہمن ،سماج اور معاشرہ میں اگر چہ اعلیٰ مقام کا اہل ٹھہرائے گئے لیکن عورت کو سماجی حقوق سے محروم رکھا گیا۔ بدھ مت اور جین مت نے عورت کو برابری کا حق دینے کی پوری کوشش کی۔ اسلام نے اس نفاق اور تفریق کو مٹانے کی پوری کوشش کی۔جب افسانوں اور کہانیوں کا سلسلہ شروع ہوا تو قلم کاروں نے انہی کمیوں کی طرف سماج اور معاشرہ کی توجہ مبذول کرانا شروع کیا اور عورت کی استحصال زدہ زندگی کو خوشگوار بنانے کی اچھی کوشش کی۔اس کتاب میں انہی افسانہ نگاروں کی نسواں فہمی کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ عورت کے مقام و مرتبے کو بلند کرنے میں جن تحریکوں کا سہارا لیا گیا ان کا بھی تفصیلی مطالعہ اس کتاب میں موجود ہے۔

پریم چند نے اپنے اصلاحی افسانوں سے ذہنی طور پر محکوم و مفلوج سماج میں جذبۂ حریت اور شعور کی بیداری کا بیڑہ اٹھایا۔ انہوں نے افسانہ نگاروں کو تصورات کی دنیا سے باہر نکالا اور حقیقت پسندی کی طرف مائل کیا۔خصوصی طور پر طبقۂ نسواں سے متعلق لوگوں کے خیالات میں تبدیلی لائی گئی۔عورتوں کو گھر کی چہار دیواری سے باہر نکالا۔ بیوہ کی شادی ، بے جوڑ شادی سے گریز، بچپن کی شادی سے انکار، جہیز کی خرابیاں ،سماج کے ٹھیکہ داروں کی من مانی پر روک ،عورتوں کے ساتھ جابرانہ سلوک سے پرہیز کی باتیں کیں۔ ان سے پہلے اہل قلم عورت کی خوبصورتی کو گنوانے میں مصروف رہے۔ان کے حسن و جمال اور زلف و کاکل کی باتیں کرتے رہے۔ان کے شیوۂ ہزار میں الجھے رہے۔

سدرشن نے اپنے افسانوں میں دبی کچلی عورت کی وفاداری اور ایثار وقربانی کا احساس دلایا۔طبقاتی افتراق پر تنقید کرتے ہوئے سماجی ہمواری اور عورت مرد کے مساوی حقوق کو سلیقے سے پیش کیا۔ سماج کی کٹر بندشوں اور عورت پر لگی پابندیوں کے خلاف آواز اٹھائی۔ پسماندہ عورتوں کو ان کا جائز مقام و مرتبہ دلانے کی باتیں کیں۔نسائی کردار کو مثالی کردار بنانے کی اچھی کوشش کی۔

اعظم کریوی کے افسانوں میں ہندوستانی عورت کو معصوم اور پاکیزہ نیز مشرقی روایت کی پاسدار بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ محبت میں امیری غریبی کی دیوار کو منہدم کیا گیا ہے۔ ہندو معاشرے میں بیوہ کی دوسری شادی کی بات کی گئی ہے۔ سسرال میں عزت دار بہو بن کر رہنے کا حق دیا گیا ہے۔ ایسے ہی خیالات و افکار کو دیگر افسانہ نگاروں کی تخلیقات میں بھی تلاش کیا گیا ہے، جو ازحد لائق ستائش ہیں۔

مصنفہ نے اس مقالے کی تکمیل کے لیے جو عناوین قائم کیے وہ کچھ یوں ہیں؛

۱۔ قدیم ہندوستانی معاشرے میں عورت کا تصور
۲۔ پریم چند کے افسانوں میں عورت کا تصور
۳۔ معاصرین پریم چند کے یہاں عورت کا تصور
۴۔ 'انگارے' کے افسانوں میں عورت کا تصور
۵۔ ترقی پسند افسانہ نگاروں کے یہاں عورت کا تصور
۶۔ غیر ترقی پسند افسانہ نگاروں کے یہاں عورت کا تصور
۷۔ قرۃالعین حیدر کے افسانوں میں عورت کا تصور
۸۔ ۱۹۶۰ کے بعد اردو افسانوں میں تانیثیت کا تصور

مذکورہ عنوانات کے تحت تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ مثالیں بھی دی گئی ہیں۔کوٹیشنس بھی نوٹ کیے گیے ہیں۔کمنٹس بھی کیے گئے ہیں۔تحقیق کے دوران کافی ثبوت فراہم کیے گیے ہیں۔مجموعی اعتبار سے ثمر جہاں کا یہ کام بہت اچھا اور لائق ستائش ہے۔اس سے ہماری نئی نسل استفادہ کرسکتی ہے۔اللہ انہیں مزید کام کرنے کی جرأت اور ہمت عطا کرے۔آمین۔ بہت مبارکباد۔

☆ مبصر سے رابطہ: باوڑہ (مغربی بنگال)
موبائل: 9339976034

□□□

اختر آصف: حیات وخدمات

مرتب: ڈاکٹر عارف انصاری

تبصرہ: ڈاکٹر ذکی طارق☆

بُرہانپور دریائے تاپتی کے کنارے آباد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس شہر کو'دکن کا دروازہ' بھی کہا جاتا ہے۔ فرقی، مغل اور مراٹھا تین حکومتیں یہاں قائم ہوئیں۔ مغلوں نے 1601ء میں اس کو فتح کیا تھا۔ مغل شہزادہ شاہ جہاں کی بیگم ممتاز کا انتقال اسی شہر میں ہوا تھا۔ چھ ماہ کے بعد 1631ء میں ان کے جسدخا کی کو آگرہ لاکر تاج محل میں دفن کیا گیا۔ شہر کا نام صوفی بزرگ سیّد برہان الدین غریب چشتی کے نام سے منسوب ہے جن کا مزار کھنڈوہ میں ہے۔ چشتیہ سلسلے کا اہم مرکز رہا ہے۔ مغلیہ دور میں اردوزبان کی جڑیں یہاں مضبوط ہوئیں، دکنی اردو کی جڑیں بھی یہاں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ دکنی اردو شاعری کے ابتدائی مراکز میں اس شہر کا شمار ہوتا ہے۔ مغلیہ دور میں فیضی اور ابوالفضل جیسے عالموں کے سبب شاعری کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ ابتدا ہی سے خواص کے ساتھ ساتھ عوام میں بھی شعر وسخن سے دلچسپی دیکھنے کو ملتی ہے۔ یہاں کی بول چال میں فارسی، مراٹھی اور ہندی کا امتزاج نمایاں ہے۔ عوامی زبان میں دکنی مٹھاس ہے جو ممبئی اور حیدرآباد والی اردو سے ملتی ہے۔ برہانپور کی فضا میں شاعری موجود ہے، تاپتی کی ٹھنڈی ہوائیں، ست پوڑا پہاڑیوں کی خاموشی شعر کہنے کے لیے کافی ہیں۔ عہد حاضر میں خوب مشاعرے ہوتے ہیں۔ یہاں کے باشندوں کو اردوزبان سیکھنے اور پڑھنے کا شوق ہے۔ اسکولوں میں اردو پڑھائی جاتی ہے۔ مقامی ادبی وشعری نشستوں میں بھی سامعین کی کثیر تعداد دیکھنے کو ملتی ہے۔ شہر کے عوام وخواص ادیبوں اورشعرائے کرام کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور دام درم سخنے ان کی حوصلہ

صفحات: 160 قیمت:-/199 اشاعت:2025
ISBN 978-81-956478-9-7
ناشر: فاضلی اردولٹریری اینڈ ویلفیئر سوسائٹی، برہانپور۔
مصنف: 34/274 نیوبس اسٹینڈ روڈ، جئے استمبھ، برہانپور
-450331 (مدھیہ پردیش) Mob: 9993994141

افزائی کرتے ہیں۔ اسی سلسلہ کو اورآگے بڑھانے اورشہر کے ادبی ورثہ کو محفوظ کرنے کی غرض سے ہی فاضلی اردولٹریری سوسائٹی نے اپنے شہر کے معرف شاعر'اختر آصف کی حیات و خدمات' کوشائع کرکے ادبی تاریخ میں اسے محفوظ کردیا ہے۔

اختر آصف ایک معروف شاعراورصحافی تھے۔ کتاب کے مرتب ڈاکٹر عارف انصاری دیباچہ میں رقم طراز ہیں:

''اختر آصف برہانپوری نے ملک کے سیاسی، معاشی اور معاشرتی حالات کا گہرائی سے مطالعہ کیا تھا۔ آپ کا گہرا سیاسی شعوراورنفسیاتی مطالعہ سخنوری کے توسط سے اظہارخیال کرنے میں ہرگام آپ کا معاون رہا۔''

پربھنی مہاراشٹر کے ڈاکٹرنورالامین کے مطابق: ''زندگی کا تجربہ اگرزندگی ہے تو اس زندگی کی شاعری کا نام اختر آصف ہے۔''

معروف ادیب وشاعر سلیم انصاری کے مطابق: ''ان کے اشعار کی زبان بظاہر سادہ ہے، نہ کوئی ابہام نہ پیچیدہ استعارات وعلامات، مگر اُن سے عصری شعور وفکر اور معاشرے کے زندہ انسان کی تصویر ابھرتی ہے۔''

معین عثمانی اپنے مضمون میں لکھتے ہیں: ''اختر آصف شاعری کو مافی الضمیر کے اظہار کا ذریعہ مانتے ہیں لیکن انہوں نے اسے گل وبلبل کی حکایت سے آگے کا قصہ تصور کرکے زندگی کی روداد بنادیا ہے۔''

اسی طرح بقیہ 21 مضامین میں بھی قابل مصنّفین نے مختلف زاویوں سے اختر آصف کی شخصیت، ان کی فنی جہات، روایت سے رشتہ، افکار وخیالات، فنکارانہ اظہارغرض کہ مختلف گوشوں کو وا کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی شخصیت اور شاعری مختلف سمتوں میں اپنی شعری لطافتوں اور غنائی لب ولہجہ کوشعری اورفنی کمالات کے ساتھ نمایاں کرنے میں پوری طرح کامیاب تھے۔

اس قسم کی مرتب کتابیں جہاں اس شاعر کوعوام سے متعارف کرانے میں معاون ہوتی ہیں وہیں اس شہر کی تاریخ مرتب کرنے میں بھی معاون ثابت ہوسکتی ہیں، بشرطیکہ وہاں کے ادبا،شعرا سنجیدگی سے اس طرح کے کام کریں۔

☆ مبصر کا پتہ: 564، کیلا روڈ، گئوشالہ پھاٹک،
غازی آباد-201009 (یوپی) موبائل نمبر: 9818860029

❑❑❑

بے محاورہ

(عالمی اردو افسانچے)

مرتبین: ڈاکٹر اطہر مسعود خاں، مظاہر حسین

تبصرہ: ایم نصراللہ نصر☆

افسانچہ افسانے کی ہی صنف ہے جو اختصار کے دائرے میں لکھا جاتا ہے اور کم سے کم وقت میں پڑھا جاتا ہے۔ اس میں کردار بھی کم ہوتے ہیں اور پلاٹ بھی چھوٹا ہوتا ہے۔ چھوٹا کا مطلب یہ کہ جسامت میں کم ہو مگر معنی و مفاہیم میں اس کی وسعت کو قید نہیں کیا جاسکتا۔ یہ دراصل یک موضوعی صنف ہے۔ مزید یہ کہ اس میں کہانی پن، پلاٹ، کردار، مکالمے، زماں و مکاں، منظر پس منظر، نظریۂ حیات اور اسلوب کی فراوانی بھی لازمی ہے لیکن تمام عوامل کے اہتمام و انصرام میں اختصار کا برتنا ضروری ہے۔ افسانچہ ایک یا چند جملوں میں بھی مکمل ہوسکتا ہے اس کے لیے افسانہ نگار کا ہوش مند، بصیرت افروز اور ماہر فن ہونا ضروری ہے۔ افسانچے کا اختتامی جملہ پُراثر اور معنی افروز ہونا چاہئے۔ وہی افسانچے کا مغز یا روح ہوتا ہے اور کلائمکس بھی۔

زیر مطالعہ کتاب میں ملک و بیرونِ ملک کے ڈھائی سو سے زیادہ افسانہ نگاروں کے 282 منتخب افسانچے شامل ہیں۔ یہ ایک طرح سے افسانچوں کا خوبصورت کلیکشن ہے جسے کافی تلاش وجستجو کے بعد یکجا کیا گیا ہے۔ یہ سارے افسانچے چند دنوں کی کاوشوں کا ثمرہ نہیں بلکہ ان کے انتخاب اور بازیافت میں برسوں لگے ہوں گے۔ واقعی یہ ایک بڑا کام ہوا ہے، جس کے لیے مرتبین لائق ستائش اور قابل تحسین ہیں۔

ان افسانچوں میں افسانے کے بنیادی اجزائے ترکیبی جیسے موضوع، تھیم، پلاٹ، کردار، منظر نگاری، زبان، اسلوب، جذبات نگاری، تجسس، مکالمے اور کلائمکس سبھی کچھ موجود ہیں۔ ان

صفحات: 352 قیمت: 800/- اشاعت: 2025

ISBN 978-81-9874-857-7

ناشر: ڈاکٹر محمد اطہر مسعود خاں، غوث منزل، تالاب ملا اِرم، رامپور- 244901 (یوپی) Mobile: 9520576079

افسانچوں میں سوچ وفکر کے اجزا بھی شامل ہیں۔ یہ صرف ذہنی سکون کا باعث نہیں بلکہ نتیجہ خیز بھی ہیں جو ان کی کامیابی کی علامت ہیں۔

وقت کی قلت اور مصروفیت کی زیادتی کے سبب اب قارئین کے پاس فاضل لمحات کی سخت کمی ہے۔ اس لیے وہ کم سے کم وقت میں معاملہ کی تہہ تک پہنچ جانا چاہتے ہیں۔ اس سے ان کو ذہنی سکون اور وقت کی بچت دونوں مل جاتی ہے لیکن افسانچے ایسے ہوں جو سبق آموز اور معاملہ فہم ہوں۔ جلتے مسائل کے عکاس ہوں۔ لفظیات کی بازی گری سے پاک ہوں۔ علامتوں کی بھول بھلیوں سے بھی الگ ہوں۔ اس کتاب میں شامل چند افسانچوں کو ملاحظہ فرمائیں:

''مقدمے کی سماعت کے دوران وکیل صفائی نے جج کو ایک کتاب پکڑاتے ہوئے کہا:

حضور! ملزم کی صفائی کا ثبوت اس کتاب کے صفحہ نمبر ۱۰۰ پر ہے۔

جج نے کتاب کھولی،

صفحہ نمبر 100 پر پانچ ہزار روپئے نتھی کیے ہوئے تھے۔

جج نے کہا،

اس طرح کے چار مزید ثبوت فراہم کیے جائیں تاکہ ملزم رہا ہوسکے۔!!

(افسانچہ 'یہ بھی سچ ہے' اسماء پروین۔ سمستی پور، بہار۔ ص: 69)

....

''ایک بڑے شاعر صاحب مشاعرے میں غربت پر بڑے ہی دلدوز اور دل گرفتہ اشعار سنا کر اور مشاعرہ لوٹ کر اپنی چچماتی کار میں بیٹھ کر نکلے۔

راستے میں ٹریفک سگنل پر ایک یتیم بچے نے ان کے آگے ہاتھ پھیلا دیا۔

تو چڑ کر بولے۔

ان غریبوں سے کب جان چھٹے گی۔!!

(افسانچہ 'غربت' ریحان احمد عبدالعزیز۔ مہاراشٹرا۔ ص: 148)

....

مالکن نے بڑے پیار سے کتے کو تھپ تھپاتے ہوئے کہا:

ڈیر جیکی! پہلے ناشتہ کرلو!
اور ایک پیکٹ کھول کر اس کے سامنے رکھ دیا۔
لیکن کتے نے سونگھ کر اسے نظر انداز کر دیا،
تبھی مالکن کی نظر دس بارہ سال کے اس مریل لڑکے پر پڑی جو اسے ملتجیانہ نظروں سے دیکھ رہا تھا،
مالکن نے حقارت سے منہ پھیر لیا اور کتے کی زنجیر پکڑے آگے بڑھ گئی۔
کتے نے مڑ کر لڑکے کو دیکھا اور کوں کوں کر کے اچھلنے لگا
لڑکے نے لپک کر پیکٹ اٹھا لیا اور کتے کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا!! (ناشتہ۔سلطانہ حجاب۔بھوپال۔ص:170)

....

افسانچہ آج کی مقبول یافتہ صنف ہے۔اس کے لکھنے والوں کی تعداد میں آئے دن اضافہ ہو رہا ہے لیکن ان میں وہ پختگی نہیں آرہی ہے جو افسانچہ نگاری کی متقاضی ہے۔موضوع تو زیر تحریر آجاتا ہے مگر افسانے کی لذت، دلکشی ،فکر،تصورات کی پرواز اور زبان کی چاشنی کی سخت قلت ہے۔اس کی طرف افسانچہ نگاروں کو دھیان دینا لازمی ہے۔

جہاں تک مرتبین کا تعلق ہے تو انہوں نے صرف افسانچوں کو یکجا کر کے چھوڑ دیا ہے۔اس کی ورائٹی ،امتیازی اختصاص، اہم موضوعات ،اچھوتے سوالات اور زبان و بیان میں ندرت اور خیال و فکر میں جدت والے افسانچوں کا انتخاب نہیں کیا ہے۔اس کے باوجود یہ کتاب بہت اہم ہے کیوں کہ اس پر تفصیل سے تنقیدی گفتگو ہوسکتی ہے۔اس نے مباحث کے در وا کر دیے ہیں۔اس کتاب کے کچھ افسانچے ایسے بھی ہیں جن کے تعلق سے اچھی بحث ہوسکتی ہے۔اس کے لیے دونوں مرتبین مبارکباد کے مستحق ہیں۔

☆ مبصر سے رابطہ: ہاوڑہ (مغربی بنگال) Mob:9339976034

❑❑❑

عہدِ وسطیٰ میں ہندوستان کے مسلم حکمراں
مصنف: پرویز اشرفی
ISBN 978-93-83239-93-1
صفحات: 272 قیمت:-/300
رابطہ: اردو بک ریویو، نئی دہلی۔فون:011-44753890

نگارشات (مجموعۂ مضامین)

مصنف: ڈاکٹر سفیان احمد انصاری

تبصرہ: ایم نصراللہ نصر☆

’نگارشات‘ بہرائچ کے مقبول و معروف ادیب ڈاکٹر سفیان احمد انصاری کے ادبی و شخصی مضامین کا مجموعہ ہے جو بے شک اہمیت و افادیت کا حامل ہے۔اس کتاب میں کل 29 مضامین شامل ہیں جن کی قرأت کے بعد قاری بے شمار شخصیات کی ادبی خدمات و ادبی معلومات سے آشنا ہوسکتا ہے۔ یوں تو بیشتر مضامین عام روش پر ہی لکھے گئے ہیں لیکن کچھ مضامین کافی محنت اور تحقیق کے بعد لکھے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس میں شامل مضامین کے عنوانات سے سمجھ سکتے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

پروفیسر ملک زادہ منظور احمد :شخصیت و شاعری ،راحت اندوری ،مظہر سعید،عبرت بہرائچی، لکھنؤ میں اردو ڈراما نگاری، عبدالماجد دریابادی، رتن ناتھ سرشار ، افق لکھنوی، فراق گورکھپوری ، حیات اللہ انصاری مرزا غالب کا سفر کلکتہ، انور جلال پوری ،اطہر رحمانی ، رباعی کا فن،محمد عالم ندوی، اردو ناول کا آغاز و ارتقا، اردو شاعری میں عید کا ذکر،مظہر سعید کی شاعری، اودھ میں اردو شاعری ،سلیم اختر مکرانی ، میر کا شکارنامہ،ڈاکٹر عبیداللہ چودھری ، بابا جمال بہرائچی ،اثر بہرائچی اردو خطوط نگاری، مولانا آزاد اور نذیر خان بہرائچی وغیرہ۔

مذکورہ سارے مضامین لائق ستائش اور قابل مطالعہ ہیں۔ پہلے مضمون میں پروفیسر ملک زادہ منظور احمد کی شخصیت، شاعری اور ملی و ادبی خدمات کا بھرپور جائزہ لیا گیا ہے۔بحیثیت مدرس بھی ان کی علمی خدمات کو سراہا گیا ہے۔اردو کی بقا کے لیے ان

صفحات: 280 قیمت:-/400 اشاعت:2025
ISBN 978-93-6062-669-3
ناشر: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی-110002
ملنے کا پتہ: مصنف، محلہ نذیر پوراپُروی، نزد وفادر مانٹسری اسکول، بہرائچ-271801 (یوپی) Mobile: 9839574196

کی کوششوں کا تذکرہ بھی اس مضمون میں موجود ہے۔ دوسرے مضمون میں راحت اندوری کی شاعری کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے اور ان کی عوامی مقبولیت کا کھل کر محاسبہ کیا گیا ہے۔ ان کی نعت گوئی پر بھی اوراق سیاہ کیے گئے ہیں۔ تیسرے مضمون میں مظہر سعید کی کتاب 'اشک ریز' (شعری مجموعہ) کے حوالے سے ان کی شاعری کا اجمالی جائزہ لیا گیا ہے اور انہیں اچھا اور مقبول شاعر بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ اسی طرح دیگر شعرا کے تعلق سے بھی مباحث موجود ہیں۔

موضوعاتی مضامین میں لکھنؤ میں ڈراما نگاری، تحریک آزادی میں علما اور مسلمانوں کا کردار، رباعی کا فن، اردو ناول کا آغاز وارتقا، اردو شاعری میں عید کا ذکر، اودھ میں اردو شاعری کا ارتقا، اور اردو خطوط نگاری اہم مضامین ہیں جن کے مطالعے سے قاری کو ڈھیر ساری معلومات فراہم ہوتی ہیں۔ اودھ میں اردو شاعری کا ذکر کرتے ہوئے مصنف نے اس کا انکشاف کیا ہے کہ بقول حافظ محمود شیرانی اردو کا پہلا شاعر مسعود سعد سلمان ہیں۔ ان کو اردو شاعری کا بانی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ دوسرے نمبر پر امیر خسرو ہیں، تیسرے پر قلی قطب شاہ کا نام آتا ہے جن کو اردو شاعری کا باوا آدم بھی کہا جاتا ہے۔ وہ ایک بادشاہ کے علاوہ اچھے شاعر بھی تھے جنہوں نے کم وبیش پچاس ہزار اشعار کہے ہیں۔ یہ اردو شاعری کا پہلا دور تھا، دوسرے دور میں ولی دکنی، خان آرزو، مرزا مظہر جان جاناں، شیخ ظہورالدین حاتم، شاہ مبارک آبرو کے نام آتے ہیں۔ اردو شاعری کا تیسرا دور اردو شاعری کا سنہرا دور کہلاتا ہے جس میں میر تقی میر، مرزا محمد رفیع سودا، میر سوز، میر حسن، ، شیخ غلام ہمدانی مصحفی، انشاء اللہ خاں انشاء، اور یحییٰ امان قلندر بخش جرأت وغیرہ کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ موصوف کو اردو شعر وادب سے کافی شغف ہے اور اس کا وہ گہرا مطالعہ بھی رکھتے ہیں۔ لیکن ایک کمی ضرور کھٹکتی ہے کہ موصوف نے کسی مضمون میں نقد ونظر کا مظاہرہ نہیں کیا ہے۔ سبھی کو تقریظ کے دائرے میں رکھا ہے۔ اگر ذرا بھی تنقیدی نظر سے کام لیا ہوتا تو اس کتاب کی اہمیت اور بڑھ جاتی۔ موصوف کو اس طرف دھیان دینے کی ضرورت ہے۔

اردو ناول کے ارتقا کا ذکر کرتے ہوئے موصوف نے لکھا ہے:

''ناول اردو ادب میں مغربی ادب کے زیر اثر وجود میں آیا۔ انگریزی میں پہلا ناول 1740 میں لکھا گیا تھا جس کے موجد رچرڈسن اور فیلڈنگ ہیں۔ اردو میں اس کا چلن سو سال بعد 1869 میں ہوا۔ اردو کا پہلا ناول نگار ڈپٹی نذیر احمد کو تسلیم کیا گیا ہے جنہوں نے 'معرۃ العروس' نام کا اردو میں پہلا ناول لکھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ ناول انہوں نے اپنی بیٹی کی اصلاح، تعلیم و تربیت کے لیے لکھا تھا۔ پھر انہیں پتہ چلا کہ یہ اردو کا پہلا ناول ہے۔ اس کی اشاعت پر انہیں ایک ہزار کا انعام ملا اور حکومت نے اس کی دو ہزار جلدیں خریدلیں۔''

اس طرح اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ ڈاکٹر سفیان احمد انصاری نے اس کتاب کی تصنیف وتشکیل میں عرق ریزی سے کام لیا ہے۔ کافی مطالعے اور مشاہدے سے گزرنے کے بعد ہی ایسا کام کوئی کرسکتا ہے۔ اس کتاب میں ایسی بے شمار باتیں شامل ہیں جن سے قاری نا آشنا ہوسکتا ہے۔ اس لیے اس کتاب کا مطالعہ سبھی اردو کے پرستار، طلبا وطالبات نیز اساتذہ کرام بھی کرسکتے ہیں۔ اس کارِ بے بہا کے لیے مصنف موصوف کو بہت بہت مبارکباد۔

□□□

بقیہ... 'بہار کی بَہار' صفحہ 12 سے آگے

اضافہ 1961: اس تحریر کے بعد دوبار پھر سفر بہار کا اتفاق ہوا۔ ایک بار 1952 میں جو اصلاً سفر گیلانی تھا۔ مولانا کی حیات میں ضمناً سفر پٹنہ بھی رہا۔ دوبارہ 1957 میں جو اصلاً سفر پٹنہ تھا اور ضمناً سفر گیلانی (تربت مولانا پر فاتحہ پڑھنے) سفر ڈیسنہ۔ سفر راجگیر۔ سفر نالندہ اور سفر پھلواری۔ اس سفر میں قیام گورنمنٹ ہاؤس میں گورنر ڈاکٹر ذاکر حسین خان صاحب کے یہاں رہا۔ اور نیاز خصوصی حاصل رہا پروفیسر عبدالمنان بیدل، حکیم عبدالاحد (پرنسپل طبیہ کالج) اور انوار احمد ایڈووکیٹ سے۔

حنیف نثر

کتاب: انشائے ماجد یا لطائف ادب

مصنف: عبدالماجد دریابادیؒ، اشاعت: 2000ء

بہ شکریہ: ادارہ علم وفن، کراچی-75210 (پاکستان)

□□□

موضوعاتی فہرست

اشاریہ اردو بک ریویو

جنوری تا دسمبر 2025، جلد 31، شمارہ 41 تا 44

سعید اختر اعظمی

مضمون نگار	عنوان	ماہ	صفحات
اداریہ			
محمد عارف اقبال	کتاب، اسمارٹ فون اور بچوں کا منفی رجحان	جنوری تا مارچ	3-4
محمد عارف اقبال	پروفیسر محسن عثمانی ندوی کے دانش ورانہ خیالات	اپریل تا جون	3-4
محمد عارف اقبال	ہندتو اور ہندوستان	جولائی تا ستمبر	3-6
محمد عارف اقبال	ایس آئی آر: کیا ہندو راشٹر کا ایجنڈا ہے؟	اکتوبر تا دسمبر	3-5
عرض ناشر			
ادارہ	● چکنا گھڑا	جنوری تا مارچ	5
ادارہ	● زندہ تحریریں؟	اپریل تا جون	5-6
ادارہ	● اردو دنیا کی ذہنی پستی	جولائی تا ستمبر	7-8
ادارہ	● اردو دنیا کی بے حسی یا تجاہل عارفانہ	اکتوبر تا دسمبر	7
قارئین کے تاثرات			
ادارہ	● اردو سے وفاداری کا دعویٰ؟ ● اردو سے تعلق اور محبت کا ثبوت دیجیے ● مسلم ممالک کو متحد ہونے کی ضرورت	جنوری تا مارچ	6-8
ادارہ	● 'غالب: کچھ تحقیق، کچھ تنقید' بعض تسامحات کی نشان دہی ● 'کتاب، اسمارٹ فون اور بچوں کا منفی رجحان' تشویش ناک صورت حال ● 'علم وادب' ماہ نامہ نہیں شش ماہی رسالہ ● جماعت اسلامی ہند کا زوال	اپریل تا جون	7-9,11
ادارہ	● 'سر بازار می رقصم': چند وضاحتیں ● ابن صفی کو اہل علم کا خراج عقیدت ● احمد حاطب صدیقی کا مضمون: دل چسپی اور معلومات سے بھرپور ● 'زندہ تحریریں': صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لیے ● بانو مشتاق کو بوکر ایوارڈ	جولائی تا ستمبر	9-11,14
ادارہ	● اداریہ: ساحل سے طوفاں کا نظارہ کرنے والوں کے لیے تازیانہ عبرت ● اردو دنیا کی ذہنی پستی: اہل اردو کے لیے دعوت فکر ● ہندتو اور ہندوستان: مسلم قیادت پہ سوالیہ نشان	اکتوبر تا دسمبر	8-10
فہرست تحقیقی مقالات			
ادارہ	● نصرت پروین ● شائق حسین ● محمد احسان خان ● خواجہ احمد شجاع الدین افتخاری حقانی پاشا ● فیروز عباس ● ثنا غزل ● محمد فہیم احمد ● محمد بن عثمان دینّی ● عرش اعظم ● اجمل علی خان ● محمد اجمل شریف ● محمد یوسف ● حافظ سید شاہ انوار اللہ قادری	اکتوبر تا دسمبر	91-93
بلاتبصرہ، فکر و نظر، علم وادب			
احمد حاطب صدیقی (ابونثر)	آرسی کیا ہے اور مصحف کیا؟	جنوری تا مارچ	13-14
احمد حاطب صدیقی (ابونثر)	کیونکر عینک کو نہ آنکھوں سے لگاؤں اے یار	اپریل تا جون	17-18

احمد حاطب صدیقی (ابونثر)	کچھ ایسی ڈھیٹ ہے کم بخت آتی ہے نہ جاتی ہے	جولائی تا ستمبر	15-16
احمد حاطب صدیقی (ابونثر)	پس ماندہ سے پیش رو بن جایئے	اکتوبر تا دسمبر	15-16
اوم پرکاش پرساد، ڈاکٹر	اورنگ زیب اور اس کا نظریہ	جولائی تا ستمبر	13-14
عبدالرؤف عروج	اکبر الہ آبادی	جنوری تا مارچ	9-10
عبدالماجد دریابادی، علامہ	آدمی نامہ	اپریل تا جون	11
قدرت اللہ شہاب	تقسیم ہند کا منصوبہ	اکتوبر تا دسمبر	11-14
محسن عثمانی ندوی، پروفیسر	دست تہ سنگ (عصر حاضر اور نظریہ جہاد)	جنوری تا مارچ	11-12
محمد عارف اقبال	ابن صفی: ہندوستان کے چند ادیب، محقق اور دانش ور کی نظر میں	اپریل تا جون	13-16

موضوعاتی اشاریہ

سعید اختر اعظمی	اشاریہ اردو بک ریویو جنوری تا دسمبر 2024	جنوری تا مارچ	87-91

کتاب زندگی

ادارہ	● ڈاکٹر محمد اظہر حیات ● ڈاکٹر ریحان حسن	جنوری تا مارچ	15-17
ادارہ	● پروفیسر شہاب الدین ثاقب ● پروفیسر مجید بیدار ● ریاض احمد قادری ● شکیل اعجاز	اپریل تا جون	19-22
ادارہ	● پروفیسر صغیر افراہیم ● پروفیسر قاضی حبیب احمد ● ڈاکٹر عقیل احمد ● ڈاکٹر اے کے علوی ● محمد رمضان عبدالشکور	جولائی تا ستمبر	17-21
ادارہ	● پروفیسر محمد نعیم فلاحی ● جلال الدین اسلم ● ڈاکٹر سید فرید احمد نہری ● حسن ضیا،	اکتوبر تا دسمبر	17-22

سیر حاصل

مبصرین	اسمائے کتب	مصنف/مرتب/مترجم	ماہ	صفحات
ابراہیم افسر	غالب: کچھ تحقیق، کچھ تنقید	ڈاکٹر شمس بدایونی	جنوری تا مارچ	19-24
ابراہیم افسر	چند ادیبوں کے خطوط بنام شمس بدایونی	مرتب: پروفیسر سید حسن عباس	اکتوبر تا دسمبر	29-33
شاہد حبیب فلاحی، ڈاکٹر	نسیم شمال (سلسلہ صوفیا)	شاداں فاروقی	جولائی تا ستمبر	31-34
محمد سلیم قدوائی، پروفیسر	چہرے پڑھا کرو (خاکے)	معصوم مرادآبادی	اکتوبر تا دسمبر	35-37
محمد عارف اقبال	ظ: ایک شخص تھا	ندیم صدیقی	جنوری تا مارچ	25-28
محمد عارف اقبال	نقد و نظر (منتخب مجموعہ مضامین)	جلال الدین اسلم	جنوری تا مارچ	29-32
محمد عارف اقبال	سربازارمی رقصم (آپ بیتی)	پروفیسر محمد حسن	اپریل تا جون	23-29
محمد عارف اقبال	نمی رقصم (خودنوشت)	ڈاکٹر ابرار رحمانی	جولائی تا ستمبر	23-29
محمد عارف اقبال	محمد مسلم: عظیم انسان، بے باک صحافی	ترتیب: جاوید اختر	اکتوبر تا دسمبر	23-28

نقد و تبصرہ

ابرار رحمانی، ڈاکٹر	مجلّہ اثبات (کتابی سلسلہ 44 مع گوشہ اطہر فاروقی)	مدیر: اشعر نجمی	جولائی تا ستمبر	45-47
ابراہیم افسر	روہیل کھنڈ میں اردو افسانہ (افسانے)	مرتبین: ڈاکٹر اطہر مسعود خاں، بینش بی،	جنوری تا مارچ	43-45
ابراہیم افسر	کنور مہندر سنگھ بیدی سحر: فن اور شخصیت	مرتبین: نارنگ ساقی، ڈاکٹر عقیل احمد	جنوری تا مارچ	48-50
ابراہیم افسر	اسرار احمد: حیات و خدمات	ڈاکٹر محمد اطہر مسعود خاں	اپریل تا جون	44-45
ابراہیم افسر	کلاسیکی شاعری کی ہیئتی اصناف	ڈاکٹر سلمٰی رفیق	اپریل تا جون	55-57
ارشد مسعود ہاشمی	تصورات و تفہیمات (ادبی مضامین)	پروفیسر عبدالبرکات	جولائی تا ستمبر	51-52
ارشاد احمد، ڈاکٹر	اردو شاعری میں قومی یک جہتی	ڈاکٹر شہلا بانو	اپریل تا جون	49-50
اے کے علوی، ڈاکٹر	ہمارے تبصرے	ڈاکٹر محمد مظاہر الحق	جولائی تا ستمبر	52-54

ایم طاہر	اعتراف نامہ (مضامین، تاثرات، تبصرے)	مرتبہ: شمع اختر کاظمی	اکتوبر تا دسمبر	61-62
ایم نصراللہ نصر	گلہائے رنگا رنگ (ادبی مضامین)	پروفیسر عبدالمجید صدیقی	جنوری تا مارچ	45-46
ایم نصراللہ نصر	اردو مضمون نگاری: فن اور تاریخ	پروفیسر مجید بیدار	جنوری تا مارچ	51-52
تنویر حسین، ڈاکٹر، سید	نشریات سرور (آل احمد سرور کی ریڈیائی تحریر)	ترتیب: ڈاکٹر محمد شکیل اختر	اپریل تا جون	33-34
ثمر جہاں، ڈاکٹر	غالب اور میرٹھ (جلد اول)	ڈاکٹر ابراہیم افسر	اپریل تا جون	57-58
ذکی طارق، ڈاکٹر	مسلم مجاہدین آزادی	پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال جاوید شیخ ابراہیم	جنوری تا مارچ	52-53
ریاض احمد قادری	خطیب اعظم: حیات اور خدمات	ڈاکٹر شعائراللہ خان وجیہی	اپریل تا جون	41-43
ریاض احمد قادری	بدلتے معاشرتی اقدار اور عورت	ڈاکٹر ارشاد احمد	اپریل تا جون	45-46
ریاض احمد قادری	اک نئی بات نکل آئی ہے	ڈاکٹر محمد اظہر حیات	اپریل تا جون	51-54
ریاض احمد قادری	مسئلۃ المصافحہ	مولانا سید محمد شاہ نظام الدین قادری	جولائی تا ستمبر	49-51
ریاض احمد قادری	قرآنی علوم کا ارتقا: عہد اسلامی کے ہندوستان میں، پروفیسر ظفرالاسلام اصلاحی		اکتوبر تا دسمبر	39-41
زہرہ خاتون، ڈاکٹر	پٹنہ یونیورسٹی میں فارسی تحقیق: تعارف و تجزیہ	رضوان اللہ آروی	اپریل تا جون	36-39
زینب حسن انصاری	سیوان کی ادبی تاریخ	ڈاکٹر ارشاد احمد	اپریل تا جون	45-46
ساجد ذکی فہمی، ڈاکٹر	کردار کا جنم (ڈرامے)	قمر جاوید	جولائی تا ستمبر	62-63
سعید اختر اعظمی	ریاض عروض	ڈاکٹر اختر ریاض	جنوری تا مارچ	46-47
سعید اختر اعظمی	تشبیہ میں تقلیب کا بیانیہ (افسانے)	نورین علی حق	جنوری تا مارچ	50-51
سعید اختر اعظمی	جدید اردو نعت: سمت و رفتار	ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی	اپریل تا جون	54-55
سعید اختر اعظمی	پرائی کوکھ کا درد (افسانے)	ایم مبین	جولائی تا ستمبر	60-61
سعید اختر اعظمی	پرورش (Parenting)	خان مبشرہ فردوس	اکتوبر تا دسمبر	49-50
سعید اختر اعظمی	ششماہی ادراک گوپال (خصوصی اشاعت: مضامین شعلہ) مدیر: پروفیسر سید حسن عباس، اکتوبر تا دسمبر			56-59
سعید اختر اعظمی	اجالے یادوں کے (خاکے)	ڈاکٹر حلیمہ فردوس	اکتوبر تا دسمبر	63-66
سعید اختر اعظمی	اجالے اپنی یادوں کے (مبارک پورنامہ)	فاروق اعظم قاسمی	اکتوبر تا دسمبر	67-68,80
سہیل انجم	اردو زبان کی تاریخ	مرتب: پروفیسر مرزا خلیل احمد بیگ	جولائی تا ستمبر	41-43
سہیل انجم	کتابیں (دوسری زبانوں کی کتابوں کا ذکر و تعارف) شاہد ندیم		اکتوبر تا دسمبر	46-48
شاہد حبیب فلاحی، ڈاکٹر	صاحب اعیان: مولانا حکیم سید شاہ شعیب۔۔	مولف: سید محمد نیر رضوی	اکتوبر تا دسمبر	43-45
شفیق الرحمٰن	اصول تحقیق: جدید ریسرچ کے اصول و ضوابط	ڈاکٹر ظفرالاسلام خان	اپریل تا جون	35-36
شفیق الرحمٰن	تحقیق و تدریس قرآن	پروفیسر ڈاکٹر ضیاءالدین احمد	جولائی تا ستمبر	35-36
شفیق الرحمٰن	عالمی یوم اردو یادگاری مجلّہ (سید محمد عالم نقوی: حیات و خدمات) ادارت: جاوید اختر و دیگر، اکتوبر تا دسمبر			54-55
شکیل رشید	اردو نثر میں جدید ترسیل کے ذرائع	پروفیسر مجید بیدار	جولائی تا ستمبر	58-60
ضیاءالحق خیرآبادی	دوماہی رہنمائے میوات مولانا محمد اسحٰق میواتی نمبر، مدیر: مولانا محمد سلیم احمد قاسمی		اکتوبر تا دسمبر	50-52
عبدالحی اثری	تلاش	سراج اکرم	جولائی تا ستمبر	54-55
عبدالحی اثری	ادراک اردو ادب	مرتب: سید ساجد علی ٹونکی	اکتوبر تا دسمبر	66
علی عباس، ڈاکٹر	وجے تیندولکر: شناخت کی تلاش	ڈاکٹر مزمل سرکھوت	جولائی تا ستمبر	64-65
علی عباس، ڈاکٹر	عالمی تہذیب کو اسلام کا عطیہ	پروفیسر محمد انوارالحق تبسم	اکتوبر تا دسمبر	53-54
عمران عاکف خان، ڈاکٹر	منتشر اوراق (مضامین)	ڈاکٹر سعید احمد سندیلوی	اپریل تا جون	59
عمیر کوثی ندوی	دبستان نعت (کتابی سلسلہ 9)	مدیر: ڈاکٹر سراج احمد قادری	جولائی تا ستمبر	39-40
فاروق احمد صدیقی، پروفیسر	معرفت حیوانات قرآنی	ڈاکٹر عبدالسمیع صوفی	جنوری تا مارچ	37-38
محمد سلیم قدوائی، پروفیسر	بٹوارا: کہانی ایس پی او برائے	پروفیسر سریندر سنگھ	اپریل تا جون	43

محمد سلیم قدوائی، پروفیسر	خدا کے سرکش دوست: عہد وسطی کے درویش	احمد طغرل کا را مصطفیٰ	جولائی تاستمبر	43-44
محمد سلیم قدوائی، پروفیسر	سوز و ساز حیات (سوانح)	ڈاکٹر عبدالوہاب	اکتوبر تا دسمبر	41-42
محمد عارف اقبال	اردو صحافت کے فروغ میں غیر مسلم صحافیوں۔۔	سہیل انجم	جنوری تامارچ	38-40
محمد عارف اقبال	اسلام کا سپاہی (مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)	عبداللہ غازی ندوی	جنوری تامارچ	42-43
محمد عارف اقبال	کیا ہم زندہ ہیں؟	علیز ے نجف	اپریل تاجون	31-33
محمد عارف اقبال	پروفیسر محسن عثمانی: شخصیت اور پیغام	عبدالرحمٰن باشا	اپریل تاجون	39-41
محمد عارف اقبال	ناجنس اور قرآن	ڈاکٹر محمد رضوان	جولائی تاستمبر	37-38
محمد عارف اقبال	سچ ہی تو ہے	ڈاکٹر سید فاضل حسین پرویز	جولائی تاستمبر	56-58
مظہر احمد، پروفیسر	سائل دہلوی (مونوگراف)	ڈاکٹر محمد فیروز دہلوی	جنوری تامارچ	40-42
مظہر احمد، پروفیسر	تنویر احمد علوی (مونوگراف)	ثمر جہاں	جولائی تاستمبر	47-49
نصرت مینو، ڈاکٹر	اردو شاعری کا سرخ پھول: کیفی اعظمی	پروفیسر فاروق بخشی، امان اے کے	اکتوبر تا دسمبر	59-61
وقار انور، ڈاکٹر	اردو شاعری میں قومی یک جہتی	ڈاکٹر شہلا بانو	اپریل تاجون	50-51

جائزہ: اردو کتب ورسائل

ایم نصر اللہ نصر	اظہر نیر: شخصیت و خدمات	مرتب: ڈاکٹر سید محمد احتشام الدین	جنوری تامارچ	59
ایم نصر اللہ نصر	عکس جمیل (شخصیاتی وتاثراتی مضامین)	عارف عزیز	اپریل تاجون	64-65
ایم نصر اللہ نصر	روضۃ الشہدا اور کربل کتھا: تقابلی مطالعہ	ڈاکٹر صابر علی سیوانی	جولائی تاستمبر	69-70
ایم نصر اللہ نصر	یادگار زمانہ ہیں یہ لوگ	مولانا سید محمد ازہر شاہ قیصر	جولائی تاستمبر	70-71
سہیل انجم	اردو صحافت اور ادب (اداریے اور شذرات)	حسن ضیا	جولائی تاستمبر	67-69
شکیل رشید	بھیگی ہوئی سگریٹ (افسانے)	مشتاق اعظمی	اپریل تاجون	62-63
فیروز دہلوی، ڈاکٹر	عتیق مظفر پوری: حیات و خدمات	مرتب: جاوید رحمانی	جنوری تامارچ	55-56
محمد اجمل قاسمی، مفتی	کھوئے ہوؤں کی جستجو	مولانا اعجاز احمد اعظمی	جنوری تامارچ	56-58
محمد عارف اقبال	حیات انقلاب ڈاکٹر محمد قطب الدین شجاع	مفتی سید آصف الدین ندوی قاسمی	اپریل تاجون	61-62
محمد عارف اقبال	ستاوا (لیہہ، لداخ)	ادارت: سنیتر وگھوشال	اپریل تاجون	63-64
محمد عارف اقبال	انگلش برائے طلباء مدارس (9 حصے)	ابصار احمد علوی	اپریل تاجون	66
منور حسن کمال، ڈاکٹر	عالمی یوم یونانی میڈیسن 12 فروری 25	ادارت: ڈاکٹر سید احمد خاں و دیگر	جنوری تامارچ	60

شعری ادب

ابرار فائق	کرب احساس	وکیل احمد ساغر	جنوری تامارچ	61-62
ابراہیم افسر	کلیات خیر	مرتب: ڈاکٹر افتخار احمد	اپریل تاجون	74-75
ابوذر انصاری	گل دستۂ غزل (آن لائن طرحی مشاعرے)	مرتب: نعیم پرتاپ گڑھی، آفتاب جون پوری،	جولائی تاستمبر	82-83
ایم نصر اللہ نصر	پرواز شاہین (رباعیات)	سید شاہین رضا زیدی	جنوری تامارچ	64-65
ایم نصر اللہ نصر	مختار ٹونکی کی منتخب غزلیات	مرتب: سید ساجد علی ٹونکی	جنوری تامارچ	67-68
ایم نصر اللہ نصر	بچوں کا بارہ ماسہ اور دوسری نظمیں	عطاء الرحمٰن طارق	جنوری تامارچ	68-69
ایم نصر اللہ نصر	چہچہاہٹ (بچوں کی نظمیں)	ڈاکٹر عزیز اللہ شیرانی	جنوری تامارچ	69-70
ایم نصر اللہ نصر	ریت کی تحریر	جاوید رانا	جولائی تاستمبر	76-77
ایم نصر اللہ نصر	پس غبار وجود	پروفیسر منظر اعجاز	جولائی تاستمبر	78-79
ایم نصر اللہ نصر	باطن	ڈاکٹر مدحت الاختر	اکتوبر تا دسمبر	72-73
ایم نصر اللہ نصر	شام کا دھندلکا	ڈاکٹر ذکی طارق	اکتوبر تا دسمبر	75
ایم نصر اللہ نصر	دشت جنوں	ڈاکٹر فداء المصطفی فدوی	اکتوبر تا دسمبر	75-76

ذکی طارق، ڈاکٹر	نقش ثبات دوام	ڈاکٹر محمد نفیس حسن	اپریل تا جون	76
سعید اختر اعظمی	غبار	فہمی بدایونی	اپریل تا جون	69-72
سعید اختر اعظمی	لہورنگ صحیفہ	فہمی بدایونی	اپریل تا جون	72-73
سعید اختر اعظمی	نصاب	رشید افروز	جولائی تا ستمبر	73-74
سعید اختر اعظمی	لہو بادبان (کلیات اول)	ساجد حمید	جولائی تا ستمبر	75-76
سعید اختر اعظمی	دیوان نسیم (دیا شنکر نسیم لکھنوی)	مرتب: ڈاکٹر سنجے کمار	جولائی تا ستمبر	77-78
سعید اختر اعظمی	اسفار زندگی	عقیل کنٹریکٹر طلب گار	جولائی تا ستمبر	83-84
سعید اختر اعظمی	ضیائے حنا (حافظ محمد ثاقب ضیا)	ترتیب وتدوین: ڈاکٹر عبدالودود قاسمی، اکتوبر تا دسمبر		69-71
سعید اختر اعظمی	نئے پیرہن کا شوق	شہاب الدین ثاقب	اکتوبر تا دسمبر	71-72
سعید اختر اعظمی	حرف حق	ظفر انصاری ظفر	اکتوبر تا دسمبر	73-74
سعید اختر اعظمی	آئینہ	ہلال حمزہ پوری	اکتوبر تا دسمبر	77-78
سعید اختر اعظمی	پیکر انوار (مجموعہ نعت ومناقب)	وارث رفیع	اکتوبر تا دسمبر	78-80
محمد آدم، ڈاکٹر	رات، سمندر، خواب	کوثر مظہری	جنوری تا مارچ	65-67
محمد مستمر، ڈاکٹر	بارش رحمت	مینو بخشی	جولائی تا ستمبر	79-81
مشیر احمد، ڈاکٹر	نکہت غزلستان (کلیات نادم بلخی)	مرتب: ڈاکٹر مظفر بلخی	جنوری تا مارچ	62-64
ندیم صدیقی	کلیات قیصر	قیصر الجعفری	اپریل تا جون	67-69

جائزہ انگریزی کتاب

شاہد حبیب فلاحی، ڈاکٹر	دی گلوریس قرآن	ظفر الاسلام خان	جنوری تا مارچ	33-35

وفیات

جنوری تا مارچ
- ڈاکٹر من موہن سنگھ • شاہ قادری سید مصطفیٰ رفاعی جیلانی • سید محمد جعفر مسعود حسنی ندوی • ڈاکٹر تابش مہدی 71-86
- ڈاکٹر محمد عتیق الرحمٰن • مختار بدری • پروفیسر قمر جہاں • الما لطیف شمسی • ڈاکٹر شعور اعظمی • فرید الدین اختر فلاحی
- مولانا محمد عصمت بوبیرے • نصیر الدین خان • مولوی سید احمد علی • محمد خورشید پرویز صدیقی • طارق متین
- شبیر شاد • ڈاکٹر آر چد مبرم • محمد رامش • شاد عباسی • سرور نگینوی • پروفیسر قاضی زین الساجدین قاسمی

اپریل تا جون
- ڈاکٹر عابد رضا بیدار • پروفیسر خورشید احمد • علامہ غلام محمد وستانوی • پروفیسر شمس الحق عثمانی 77-93
- ڈاکٹر حبیب ملک فلاحی • غازی علم الدین • پروفیسر نجمہ رحمانی • محمد عارف • ڈاکٹر احسن ظفر اللہ • پوپ فرانس
- ڈاکٹر ایم آر سری نواسن • ڈاکٹر سید عباس متقی • شگفتہ سہسرامی • میر قطب الدین علی چشتی • سید محمد عاقل
- وجے ارون • مصطفیٰ جمیل بالاپوری • اختر علوی • نسیم مخموری • اثر بہرائچی • راشد طراز • دولت رام
- شوکت جمال • پروفیسر عبدالقیوم شیخ

جولائی تا ستمبر
- پروفیسر چودھری محمد نعیم • انیس رفیع • پروفیسر زبیر حسن • پروفیسر آصفہ زمانی • ڈاکٹر ستیہ پال آنند 85-92,66
- عبدالسمیع بوبیرے • عبدالمجید خان مجید • اقبال دانش • شاکر ادیبی • خالد ندیم بدایونی • شکیل سہسرامی
- احمر جلیسری • قاضی ناصر علی • جلیس احمد حمیدی • اشتیاق لاری ندوی

اکتوبر تا دسمبر
- پروفیسر دیوان حنان خاں • ڈاکٹر عارفہ سیدہ زہرا • پروفیسر عبدالباری صدیقی • شہناز کنول • راحت ہاشمی 81-90
- عزیز بلگامی • ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف • مہر الٰہی ندیم • ڈاکٹر نذیر احمد ندوی • قاسم خورشید • نواب زادی مہر النسا بیگم
- شمیم صادقہ • سنکرشن ٹھاکر • جیلانی خان • سید ساجد میاں • خالد قلعہ دار • ڈاکٹر نصرت اللہ خان آفندی
- جلیل الرحمٰن خاں

نئی کتابیں

- جنوری تا مارچ ص 93-95 • اپریل تا جون ص 94-96 • جولائی تا ستمبر ص 93-96 • اکتوبر تا دسمبر ص 94-96

مرتب کا پتہ: ریاض، سعودی عرب۔ موبائل وواٹس ایپ 966598300320+

☆☆☆

آئیڈیل یونانی ہیلتھ کیئر کی پہل

ڈاکٹر مفتی جاوید انور دہلوی کا مشن

دہلی کے مدارس و مساجد سے بھی صحت کا پیغام

صحت سب کے لیے — صحت کی بات ہر ہندوستانی کے ساتھ

جس میں مفت یونانی دوائیں دی جائیں گی، مفت بی پی شوگر کی جانچ ہوگی، حسب انتظام خون کی جانچیں کی جائیں گی اور مفت کمپیوٹرائزڈ فل باڈی چیک اپ کیا جائے گا۔ اِن شاء اللہ

مشن صحت سب کے لیے؛ احقر نے ڈاکٹر سیّد احمد خاں صاحب کی زندگی سے یہ سبق سیکھا ہے کہ سادہ رہ کر کام کیسے کیے جاتے ہیں بلکہ یوں کہیے کہ ان کی عملی زندگی نے مجھے یہ تحریک دی ہے کہ میں یہ کام کروں، طبی دنیا میں ان کی سرپرستی میرے لیے باعثِ رحمت و برکت ہے۔

خراج تحسین برائے ڈاکٹر سید احمد خان

''سیّد کام کرتا ہے''

عزم و عمل کا پیکرِ جمیل آپ ہیں — قوم کی ترقی کی ایک نئی دلیل آپ ہیں
طب یونانی کے فروغ میں ڈٹے رہے سدا — شہرِ اردو کی خوشبو اور خلیل آپ ہیں
سید کام کرتا ہے، یہ سچ ہے بے گماں — کردار سے آپ کے ہے روشن یہ جہاں
تہذیب و ادب کی کرتے رہے خدمت جو آپ — دکھلا دیا عمل سے جو تھا اک خوابِ نہاں

ہمارے اس مشن میں مختلف دینی و طبی تنظیموں کا اشتراک مرحوم والدین کی دعائیں، بڑوں و بزرگوں کی شفقت، اساتذہ کرام کی امیدیں، دوستوں کی قدردانیاں، چاہنے والوں کی مہربانیاں، مقاصد سے اتفاق کرنے والوں کا قدم بہ قدم چلنے کا عزم و حوصلہ میری خوش قسمتی ہے۔ میرے سب بڑے و چھوٹے بھائی اور بہنیں دست بازو ہیں، اگر یہ سب لوگ مل کر بہت ساری گھریلو ذمہ داریوں سے آزادی نہیں دیتے تو میرے لیے آزادانہ کام کرنا دشوار ہو جاتا۔ اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ سب لوگوں کی محنت کو دنیا میں مخلصانہ نیک نامی کے ساتھ آخرت میں اجرِ عظیم عطا فرمائے، آمین۔ یا اللہ ہر قسم کے شرور و فتن سے ہم سب کی حفاظت فرما، آمین یا رب العالمین!

خیر اندیش

دعا گو دعا جو

ڈاکٹر مفتی جاوید انور دہلوی

Ideal Unani Health Care, 1733 Ground Floor,
Mohalla Rodgran, Lal Kuan, Delhi - 110006 **Mobile: 9643525949**

Advtt. 01/2026

جائزہ اُردو کتب ورسائل

ماہنامہ صلاح کار (بچّوں کا ڈائجسٹ)

مدیر: حامد علی اختر

صفحات:84، اشاعت: اگست 2026، قیمت: -/50 فی شمارہ، سالانہ: -/550، شمارہ: 8، جلد: 14

رابطہ: E-54 گراؤنڈ فلور، ابوالفضل انکلیو ا، جامعہ نگر، نئی دہلی-110025 موبائل: 9810218638

——از: محمد عارف اقبال

ماہنامہ 'صلاح کار' کے مدیر حامد اختر نے تیرہ سال قبل اس رسالہ کا اجرا کیا تھا۔ اس وقت تجرباتی دور سے گزرنے والا یہ عام اردو رسالہ تھا۔ غالباً چار سال کے بعد مدیر کو احساس ہوا کہ دہلی سے بچوں کے لیے اردو رسالہ شائع کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ ایک زمانے میں دہلی سے بچوں کے لیے کئی معروف رسائل شائع ہوتے تھے، جن کی اشاعت اب تقریباً معدوم ہو چکی ہے۔ 'کھلونا' اور 'پیام تعلیم' سے کون واقف نہیں۔ ادب اطفال میں ان کی بڑی دھوم تھی۔ یہ رسائل اردو سماج ہی نہیں بلکہ اردو مزاج کے بھی عکاس ہوا کرتے تھے۔ اس وقت سرکاری سطح پر دہلی سے بچوں کے لیے سیکولر مزاج کے دو اردو رسائل 'امنگ' (دہلی سرکار) اور 'بچّوں کی دنیا' (مرکزی سرکار) شائع ہو رہے ہیں۔

'بچوں کا ڈائجسٹ' صلاح کار کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے مدیر حامد علی اختر نے ادبی اور تکنیکی دونوں اعتبار سے بچوں کے لیے اس رسالہ کو باوقار اور معتبر بنانے کی کوشش کی ہے۔ بچوں کا یہ ڈائجسٹ جو 'اردو بک ریویو' کے سائز میں ہے، بامعنی سرورق کے ساتھ ہر ماہ جلوہ افروز ہوتا ہے۔ جین زی (Gen.Z) کے اس دور میں جبکہ بچوں کو اسکول میں بھی اردو پڑھنا نصیب نہیں ہوتا، بچوں کے لیے اردو رسالہ نکالنا محاورتاً نہیں بلکہ حقیقی طور پر جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ اس کے 'کالم' میں نورانی محفل، ادبی محفل، مسکراتی محفل، اسلامی کمانڈرس، تاریخ کے جھروکے سے، کلاس روم، ملاقات، منظومات، بزم اطفال، بزم صحت، گوشہ سرپرست، خطوط شامل ہیں۔ تازہ شمارے (اگست) میں یوم آزادی کی مناسبت سے 'منظومات' اور مضامین کا اہتمام کیا گیا ہے۔ 'بزم اطفال' کے تحت ادارہ کی جانب سے انعامی مقابلہ، پہیلیاں اور لطائف کی شمولیت ہے۔ بچوں کے لیے ایک اہم کالم 'نقد و تبصرہ' بھی ہے۔ 'ادب اطفال' میں بچوں کی کسی ایک نئی کتاب پر تبصرہ شامل کیا جاتا ہے۔

حامد علی اختر ہر ماہ بچوں کے لیے ایک ایسا ادبی گلدستہ تیار کرتے ہیں جس کے ذریعہ بچوں کو علمی و فکری غذا کے ساتھ ان میں احساس ذمہ داری پیدا کرنے اور آپس میں رشتوں کی پاسداری جیسے امور پر خاص توجہ دی جاتی ہے۔ 'دادی کی دوا' بھی ایک ایسی ہی کہانی ہے۔ 'قطرہ: جو دریا بن گیا' بھی ایسی ہی تمثیلی کہانی ہے۔ بچوں کے اس ڈائجسٹ کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کے حروف (Fonts) کو بچوں کی آنکھوں سے مناسبت ہے۔ اسی طرح بچوں میں 'عام معلومات' کے اضافہ کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ اس شمارہ میں بچوں کی ادیبہ ڈاکٹر فہمیدہ تبسم سے دلشاد حسین اصلاحی کا انٹرویو ہے۔ بچوں کے رسالہ میں بچوں کے ادیب یا ادیبہ سے ملاقات کی روداد بچوں میں خود اعتمادی پیدا کرتی ہے۔ 'گوشہ سرپرست' میں ابوذر اصلاحی نے 'تربیت کی ذمہ داری اور والدین' کے عنوان سے بچوں کے سرپرستوں کو ان کی اصل ذمہ داری کی یاد دہانی کرائی ہے۔

حامد علی اختر تخلیقی ذہن رکھتے ہیں اور شاعر بھی ہیں۔ انہوں نے مقصدی ادب کے ذیل میں بچوں کی ذہنی، علمی و فکری تربیت کا جو بیڑہ اٹھایا ہے، قابل صد تحسین ہے۔ جلد ہی وہ 'ننھے قلم کار' کو بھی متعارف کرانے والے ہیں۔

بچوں کا یہ ڈائجسٹ اردو کے ہر گھر کے لیے ناگزیر ہے۔ اردو اسکولوں یا جن اسکولوں میں بچوں کے لیے اردو اساتذہ موجود ہیں، وہاں کے اساتذہ کو اپنے بچوں کے لیے اس رسالہ کے مطالعہ کی سفارش کرنی چاہیے۔

□□□

کیسے انہیں بھلائیں

مصنف: **عمیر منظر**
(Mobile: 8004050865)
صفحات: 158، قیمت: -/299، اشاعت: 2025
ناشر: نا مک پبلی کیشنز، 301 دوسری منزل، نمبر دار بلڈنگ،
اوکھلا مین مارکیٹ، نئی دہلی-110025
Mobile: 7428107304

——از: ایم نصر اللہ نصر☆

یادرفتگاں کے تعلق سے کتابیں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ ایسی کتابوں میں قلم کار اپنے بزرگوں کو یاد کرتے ہیں اور ان کی خوبیوں کو بیان کرتے ہیں۔ ان سے متعلق واقعات و ملاقات نیز معاملات کو سلیقے سے بیان کرتے ہیں۔ عمیر منظر نے بھی ان بزرگوں سے اپنے روابط اور گہرے تعلقات کو خوبصورت پیرائے میں زینتِ قرطاس کیا ہے۔ اس کتاب میں جن عظیم ہستیوں کے تذکرے شامل ہیں ان میں مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی، قرۃالعین حیدر، شمس الرحمن فاروقی، پروفیسر شمیم حنفی، مولانا ابوالبقا ندوی، حفیظ نعمانی، مجتبیٰ حسین، خواجہ یونس، غالب، قاری قربان احمد، ضیا احمد فاروقی، فہد، بدھو بھیا اور معظم بلال کی یادیں شامل ہیں۔

یہ کتاب ایک طرح سے مذکورہ بزرگان کا سوانحی خاکہ بھی ہے۔ ان سے ملاقات، گفتگو اور اہم موضوعات پر بحث کے واقعات درج ہیں۔ چند واقعات ملاحظہ فرمائیں:

’’بچپن کی جو کچھ یادیں میرے ذہن میں نقش ہیں ان میں سے ایک کا تعلق مولانا ابواللیث (1913-1990) صاحب سے ہے۔ مولانا 1948 میں جماعت اسلامی ہند کے امیر مقرر ہوئے اور 1990 تک درمیان میں آٹھ سال چھوڑ کر مسلسل اس منصب پر فائز رہے۔ گاؤں کی پرانی مسجد میں نماز کے بعد مولانا ابواللیث کوئی کتاب پڑھتے۔ ان کے گرد سارے نمازی جمع ہوتے اور نہایت توجہ سے سنتے۔‘‘

’’یہ 2007 کی بات ہے کہ میں قرۃالعین حیدر صاحبہ کے یہاں ان کے مسودوں کی صفائی اور املا کے لیے خود کو راضی کر لیا۔ یہ موقع اس لیے بھی خوشی کا تھا کہ وہ شخصیت جو پوری ادبی دنیا کے لیے محترم ہے اور جس نے اردو ناول اور افسانے کو عالمی ادب میں روشناس کرایا، مجھے ان کے ساتھ کام کرنے، ان سے بات کرنے اور کچھ سیکھنے کا موقع ملے گا۔‘‘

’’فاروقی صاحب کی شخصیت غیر معمولی ادبی خوبیوں کی حامل تھی۔ ان کا نہ صرف حافظہ غیر معمولی تھا بلکہ ان کے مطالعے کی رفتار بھی بہت تیز تھی۔ کتابوں کا مسودہ اس قدر تیزی سے پڑھتے اور غلطیوں کو نشان زد کرتے کہ دیکھ کر آدمی حیران رہ جاتا۔‘‘

زیرنظر کتاب سے ان اقتباسات کا مقصد یہ ہے کہ یادرفتگاں کا تقاضا یہی ہے کہ مرحوم بزرگوں کی گفتار و کردار نیز ان کی علمی و اخلاقی برتاؤ کا ایسا اظہار کیا جائے کہ قاری کی معلومات میں اس شخصیت کا قابل احترام امیج بن سکے۔ قاری ان کی ادبی اور سماجی خدمات سے باخبر ہو سکے۔ ان کے چیدہ چیدہ اعمال کو منظر عام پر لانا ہی اس کا مقصد ہے۔ عمیر منظر نے یہی کیا ہے اور زیر مطالعہ احباب اور ارباب کی شخصیت اور ان کے علمی اعتبار کے ساتھ ان کی خدمات کا تذکرہ نہایت ہی سلیقے سے کیا ہے۔ انہوں نے اہم اور غیر اہم معاملات کو بڑے نظم و ضبط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ چونکہ یہ سارے اشخاص ان کے تعلقات کے ہیں اس لیے قاری کو کسی کے تعلق سے اجنبیت کا احساس ہو سکتا ہے مگر تمام مضامین قابل مطالعہ اور لائقِ ستائش ہیں۔ ساتھ ہی عمیر منظر کا اندازِ تحریر اور سلیقۂ بیان کافی اثر انگیز ہے۔ ان مضامین کے مطالعے سے قاری کو دوطرفہ فیض حاصل ہوتا ہے، ایک تو معلومات میں اضافہ ہوتا ہے دوسرا مصنف کے علمی مقام کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔ خوبصورت جملے حسین یادیں اور انداز تخاطب کافی پسندیدہ ہے۔ ہمیں ان کا مطالعہ بالاستیعاب کرنا چاہیے۔

☆ مبصر کا پتہ: شالیمار اپارٹمنٹ، 3/A ستین بوس روڈ، بلاک C، بکولتا، ہاوڑہ-711109 (مغربی بنگال) موبائل:9339976034

❑❑❑

اردو کی حقیقی ترقی کا راز یہ ہے کہ بچوں کو اسکول میں ابتدا سے اردو کی تعلیم دی جائے

افکار و تاثرات (تنقیدی و تحقیقی مقالات کا مجموعہ)

مصنف: ڈاکٹر پروفیسر فاروق احمد صدیقی

صفحات: 164، قیمت: -/250، اشاعت: 2025

ISBN 978-93-6062-421-7

ناشر: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، انصاری روڈ، دریا گنج، نئی دہلی-2

مصنف سے رابطہ: 9835660835

—— از: ایم نصر اللہ نصر*

'افکار و تاثرات' ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی (پروفیسر و سابق صدر شعبۂ اردو و ڈین فیکلٹی آف ہیومینیٹیز، بی۔ آر۔ اے بہار یونیورسٹی، مظفر پور) کے وقفہ وقفہ سے لکھے گئے مضامین و مقالے کا مجموعہ ہے جو بلا شبہ لائقِ مطالعہ ہے۔ اس میں کل 28 مضامین و مقالے شامل ہیں جو بیشتر سمیناروں میں پڑھنے کے لیے لکھے گئے ہیں۔ اس لیے ان کی اہمیت و افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ طلبا و طالبات اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ موصوف نے یہ مقالے لکھتے وقت مضامین نگاری کے بیشتر اصول اور اقتضائے مقالہ نگاری کا خیال رکھا ہے۔ موصوف کا مطالعہ گہرا ہے اور زبان بھی اچھی ہے۔ بیان میں ندرت ہے تو اسلوب میں جدت۔ ان مقالوں کی حنا بندی میں کافی حکمت، مطالعے اور تحقیق سے کام لیا گیا ہے۔ 'عنوان چشتی: ایک کلاسیکی نقاد' میں وہ لکھتے ہیں:

'عنوان چشتی ہمارے دور کے ایک قد آور، قابلِ قدر، اور جالبِ توجہ شخصیت کا نام ہے۔ موصوف ماہر نقاد، عظیم محقق، ممتاز مبصر، علم عروض کے بے مثال عالم، بیان و بدیع کے جید نکتہ شناس اور ممتاز شاعر ہیں (تھے)۔ ان کی اب تک اٹھارہ کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ وہ ہمارے عہد کے کلاسیکی تنقید کے سب سے بڑے امین و علم بردار رہے ہیں۔ انہوں نے معیار و مقدار دونوں جہتوں سے اس کو وزن و وقار عطا کیا ہے۔'' (ص۔ 46)

اس میں شک نہیں کہ پروفیسر عنوان چشتی کلاسیکی تنقید کے ماہر تھے بلکہ ان کے تخلیقی رویوں میں لسانی، عروضی اور فنی تقاضوں کی مکمل پاسداری پائی جاتی ہے۔ وہ ایک اچھے شاعر بھی تھے۔ ان کے اشعار میں بلند خیالی، آفاقیت اور خارجی حسن کی افراط ہے لیکن جو بات زیادہ قابل ستائش ہے وہ یہ کہ انہوں نے جگہ جگہ علم و حکمت کی باتیں لکھی ہیں۔ چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

''غزل کی فنی جمالیات میں ہیئت کس قدر اہم ہے محتاج بیان نہیں، معجزۂ فن کی نمود خون جگر کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ تخلیقی تجربوں کو شاعرانہ رنگ دینے کے لیے شاعری کی خارجی ہیئت (لسانی، فنی اور عروضی پہلو) کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ خیال چاہے جتنا اچھوتا ہو الفاظ کی صحت و لطافت کو نظر انداز کر کے اس کو فنی پیکر عطا نہیں کیا جاسکتا۔'' (ص۔ 48)

اسی بات کو عنوان چشتی نے کچھ یوں کہی ہے:

''شاعری میں زبان کی لغوی اور مجازی صورتوں، آہنگ و بحور کے اصولوں اور فن کے لوازمات سے صرف نظر کرنا ممکن نہیں۔ شاعری کی انفرادیت اور جدت کی تمام کونپلیں اسی درخت (روایت) کی شاخوں پر پھوٹتی ہیں جس کی جڑیں روایت کی زمین میں پیوست ہوں۔ یہی زندگی کا فطری عمل ہے۔'' (ص۔ 49)

ان اقتباسات کی نقل کا مقصد یہ بتانا ہے کہ صاحب کتاب نے جو مضامین لکھے ہیں وہ کافی مطالعے اور تحقیق کی منزلوں سے گزر کر لکھے ہیں۔ اس کتاب میں علم و حکمت کی اتنی باتیں درج ہیں جن کا تعین یا شمار کرنا مشکل ہے۔ ادب اور اصولِ ادب کے ایسے ایسے راز سے نقاب ہٹائے گئے ہیں جن کی تمنا ایک قاری کو شدت سے ہوتی ہے۔ اس کتاب میں شعری اصناف و اصلاحات، صوتی قوافی اور کلاسیکی تنقید کو واضح کردیا گیا ہے۔ ان کی تحریروں سے لگتا ہے کہ اصنافِ ادب سے انہیں واقفیت ہے۔ فن مقالہ نگاری پر وہ دسترس رکھتے ہیں۔ وہ بحر العلوم ہیں، ادب کے محرم اسرار ہیں اور اپنی تنقیدی و تحقیقی نگارشات سے ادب کی دنیا کو روشن کیے ہوئے ہیں۔ شبنم کمالی کے تعلق سے فرماتے ہیں:

''علامہ شبنم کی شخصیت کثیر الجہات تھی۔ ایک بافیض استاد، منتہی کتابوں کے کامیاب مدرس، شاعر خوش کلام و خوش نوا، معروف ادیب، مقبول خطیب، مجسمۂ تہذیب و شرافت اور پیکر اخلاص و محبت کی حیثیتوں میں انہوں نے اپنی پہچان بنائی تھی۔'' (ص۔ 62)

ان کی تحریر میں ابلاغ وترسیل کا مسئلہ نہیں ۔ سیدھے بات دل میں اتر جاتی ہے لیکن تنقیدی اشارے نہیں کے برابر ہیں ۔ اس کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے ۔ تقریظات اپنی جگہ مگر کچھ مشورے اور تنقیدی نکات پر بحث لازمی تھی اس کے باوجود کتاب لائق مطالعہ اور استفادہ کے قابل ہے ۔ اس کے لیے موصوف کو بہت بہت مبارکباد ۔

☆ مبصر سے رابطہ: Mobile: 9339976034 (ہاوڑہ)

❑❑❑

عرفانِ طرزی (تحقیق وتنقید)

مصنف: ڈاکٹر محمد رضوان

صفحات: 224، قیمت: -/145، اشاعت: 2025

ISBN 978-93-89733-21-1

ناشر: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، انصاری روڈ، دریا گنج، نئی دہلی-2

Mobile: 8588915646

——از: ایم نصر اللہ نصر☆

’عرفانِ طرزی‘ معروف شاعر عبدالمنان طرزی کی حیات و ادبی خدمات پر مبنی ڈاکٹر محمد رضوان کا تحقیقی مقالہ ہے جس کو ہمت وحوصلے کے ساتھ منظر عام پر لایا گیا ہے ۔ عام طور پر تحقیقی مقالے سند کی حصولیابی کے بعد دھول گرد کی نذر ہو جاتے ہیں ۔ مقالہ نگار اپنی کمزوریوں کی پردہ پوشی کے لیے اور قلعی کھل جانے کی وجہ سے اسے بحفاظت الماری میں مقفل کر دیتے ہیں لیکن ڈاکٹر محمد رضوان نے اپنے حوصلے کے ساتھ اپنی ایمانداری کا ثبوت بھی دیا ہے ۔ نیز اپنے تحقیقی مقالے کو اہلِ علم و دانش کے حوالے بھی کر دیا ہے ۔

اس کتاب کو موصوف نے پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے ۔ یہ ابواب کچھ اس طرح ہیں:

۱۔ڈاکٹر عبدالمنان طرزی کا سوانحی خاکہ ۲۔ڈاکٹر عبدالمنان طرزی کی غزل گوئی ۳۔ ڈاکٹر عبدالمنان طرزی کی نعت گوئی ۴۔ڈاکٹر عبدالمنان طرزی بحیثیت منظوم ناقد ۵۔ڈاکٹر عبدالنان طرزی بحیثیت فارسی شاعر۔

موصوف نے جو عنوانات قائم کیے ہیں اور جو تفصیل پیش کی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے موضوع کے ساتھ انصاف کرنے کی اچھی کوشش کی ہے ۔ جب قاری پہلے باب کا مطالعہ کرتا ہے تو طرزی صاحب کے خاندان، والدین اور ان کی زندگی کے واقعات و سانحات کا علم ہوتا ہے جو طرزی شناسی کے لیے اچھا مواد ہے ۔ وہ لکھتے ہیں کہ عبدالمنان طرزی ایک منکسرالمزاج انسان ہیں ۔ کسر نفسی ان کا فطری میلان ہے ۔ وہ حافظ قرآن کریم بھی ہیں اور زندگی بھر مسجد خاں صاحب کی ڈیوڑھی والی مسجد میں تراویح کی نماز پڑھائی ۔ ایم ۔ اے کے بعد تحقیقی مقالہ بھی لکھا اور سند بھی حاصل کی اور درس وتدریس کا پیشہ اختیار کیا۔ ان کی تصانیف میں لکیر (شعری مجموعہ)، رفتگاں وقائماں (قدیم دربھنگا کا منظوم ادبی وثقافتی تذکرہ) مناظر نامہ (ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کا منظوم تعارف نامہ) دستارِ طرح دار (مظہر امام کی کی شاعری اور ان کی ادبی خدمات کا منظوم تذکرہ) ان کے علاوہ نارنگ زار، مطلع البدر علینا، منظوم تعارف وتبصرہ اور منظوم جائزے شامل ہیں ۔ دوسرے باب میں طرزی صاحب کی غزل گوئی کا تحقیقی مطالعہ پیش کیا گیا ہے جس سے ان کے فن اور فنکاری دونوں سے قاری کو آشنائی ہوتی ہے ۔ ان کی غزلیہ شاعری کی خصوصیات میں عصری حسیت، موضوعات کا تنوع زندگی کے مسائل، قلبی واردات اور دیگر حادثات کا تذکرہ شامل ہے ۔ زبان بھی شائستہ اور شگفتہ ہے ۔ فکر میں بڑی بالیدگی ہے ۔

تیسرے باب میں طرزی صاحب کی نعت گوئی کے اوصاف اور حکمت کو بیان کیا گیا ہے ۔ مطلع البدر علینا‘ ان کی نعتوں کا مجموعہ ہے جس میں ان کی پچیس منتخب نعتیں شامل ہیں جس میں نعت گوئی کے فن اور نعت گوئی کے اصول کا تذکرہ بھی ہے ۔ اسی طرح ہر باب میں کچھ نہ کچھ اہم معلومات فراہم کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔ مختصراً کہا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر محمد رضوان نے واقعی اس مقالے کو تیار کرنے میں کافی سوجھ بوجھ کا مظاہرہ کیا ہے ۔ مواد کی فراہمی کے لیے دقتیں بھی اٹھائی ہیں، نیندیں حرام بھی کی ہیں ۔ دن رات کو ایک بھی کیا ہے اور لائبریریوں کی خاک بھی چھانی ہے جس کے لیے وہ لائق ستائش اور قابل داد بھی ہیں ۔ اللہ ان کو اور حوصلہ عطا کرے ۔ آمین!

☆ مبصر سے رابطہ: Mobile: 9339976034 (ہاوڑہ)

❑❑❑

اردو فکشن: تفہیم وتجزیہ

مصنف: ڈاکٹر ابراہیم افسر

صفحات:240، قیمت:-/399، اشاعت:2025
ناشر: ڈاکٹر ابراہیم افسر، میرٹھ۔موبائل:9897012528

از: ایم نصراللہ نصر☆

'اردو فکشن: تفہیم وتجزیہ' ڈاکٹر ابراہیم افسر کے گاہے گاہے تحریر کردہ تنقیدی، تحقیقی اور تجزیاتی مضامین کا مجموعہ ہے جسے انہوں نے کتابی شکل میں منظر عام کیا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اہل قلم اور اہل زبان موقع موقع سے موضوعی مضامین، تحقیقی مقالے اور دیگر اقسام کے مضامین لکھتے رہتے ہیں۔ پھر کسی موقعے سے ان کا انتخاب شائع کرتے ہیں۔ ایسی کتابیں لائق مطالعہ، معلوماتی اور اہمیت وافادیت کی حامل ہوتی ہیں۔ کم از کم نئی نسل کے لیے تو کسی خاص تحفے اور مواد سے کم نہیں ہوتیں۔ یہ کتاب بھی اس اہلیت کا مجاز رکھتی ہے۔

مذکورہ کتاب میں بیس کتابوں کا تنقیدی، تحقیقی وتجزیاتی مضامین شامل ہیں۔ ان میں عجائب القصص (ارتضیٰ کریم) ناول غالب (قاضی عبدالستار) ناول دھنورا (پروفیسر اسلم جمشید پوری) ناول لفظوں کا لہو (سلمان عبدالصمد) ناول جے این یو کمرہ نمبر ۲۵۹ (عمران عاکف) ڈراما ضحاک (پروفیسر محمد حسن) ڈراما اس شکل سے گزری غالب (صادق) انتظار حسین، صادق، ہیرا نندسوز، طارق جمیلی، بانو آپا، ستیہ پال آنند، کہانی محل، شائستہ فاخری، نگار عظیم، احمد رشید، محمد مستمر، توصیف بریلوی، ایک عورت کی نوٹ بک (سدھا اڑورا مترجم ڈاکٹر ظفر عالم) جیسی شخصیات اور ان کی تصنیفات کا بہترین جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ سارے مضامین تحقیقی، تنقیدی اور معلوماتی ہیں۔ اس کے مطالعے سے قاری اپنے علمی خزانے میں اضافہ کرسکتا ہے۔ ان مضامین کی تحقیق میں صداقت ہے۔

ڈاکٹر ابراہیم افسر زیادہ تر تحقیقی کام کرتے ہیں۔ ان کا سب سے بڑا کام 'رشید حسن خاں کی ادبی جہات' پر ہوا ہے جو ان کی تحقیق برائے پی ایچ۔ڈی کا مقالہ رہا۔ اس بہترین تحقیق کی وجہ سے ان کو ماہر رشیدیات بھی کہا جاتا ہے۔ اس لیے کہ رشید حسن خاں کے تعلق سے ان کی درجن بھر کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ اس سے ان کی ذہانت، فنکارانہ صلاحیت، اور تنقیدی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ کسی بیان کو ایسے ہی زینت قرطاس نہیں کرتے بلکہ متن کے بطن اور بین السطور میں ڈوب کر اپنی مدلل رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کے مضامین میں متانت، سنجیدگی، جستجو، اور گہری تلاش کے ساتھ گہرائی و گیرائی کے عناصر بھی ملتے ہیں۔ ٹھوس حقائق کی روشنی میں دلیل کے ساتھ اپنی باتیں رکھتے ہیں۔

موصوف نے جن اہل قلم کی تصانیف وتخلیقات پر قلم اٹھایا ہے ان کے تمام حقائق کو طشت از بام کیا ہے۔ جہاں اعتراف کرنا ہے اعتراف کیا ہے جہاں انحراف کرنا ہے انحراف کیا ہے۔ ساتھ ہی تاریخی شواہد کا جواز بھی ڈھونڈا ہے۔ اس کے علاوہ ناول، افسانہ، فکشن اور ڈراما کے اجزائے ترکیبی اور تقاضائے فن پر اچھی گفتگو بھی کی ہے۔ کسی کسی مضمون کو طوالت کے ساتھ لکھا ہے۔ جس سے قاری کی طبیعت بوجھل ہونے کے بجائے دلچسپ معلومات کی فراہمی سے مالا مال ہوتی ہے۔ ناول کے کرداروں کا خوبصورت جائزہ لیا ہے۔ افسانوں میں بھی کردار اور پلاٹ کے ساتھ منظر نگاری پر اچھی بحث کی ہے۔ کسی بھی کتاب کو ہلکے میں نہیں لیا ہے۔ بار بار پڑھا ہے اور اس کے اہم اجزا کو اجاگر کیا ہے۔ ان کے مضامین اور مقالے کے مطالعے سے ان کی پارکھی نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کے دائرۂ علم و آگہی کی پرتیں کھلتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ افہام وتفہیم کے دائرے بھی متعین ہوتے ہیں۔ پلاٹ و واقعات کو پرکھنے کا ہنر بھی دکھتا ہے۔

مجموعی اعتبار سے ڈاکٹر ابراہیم افسر فکشن کی تنقید میں خود کو مناسب جگہ میں محفوظ پاتے ہیں۔ ان کو پہلے مبارکباد اور پھر ان کے روشن مستقبل کے لیے دعائیں۔

☆ مبصر سے رابطہ: Mobile: 9339976034
بکولتا، ہاوڑہ-711109 (مغربی بنگال)

❑❑❑

ماہنامہ رہنمائے تعلیم جدید
(گوشہ آنجہانی نارنگ ساقی)

مینیجنگ ایڈیٹر: ابونعمان
شمارہ: 12، جلد: 19، اشاعت: اگست 2026
پتہ: 'رہنمائے تعلیم جدید' K7/6 گلی نمبر 22، ویسٹ گھونڈہ، دہلی-110053 موبائل: 9268083585

از: ندیم عارف*

'رہنمائے تعلیم' 1905 سے پابندیٔ وقت سے شائع ہونے والا رسالہ ہے۔ سردار صاحب ماسٹر جگت سنگھ اور سردار ہر بھجن سنگھ تھاپر کے بعد اس رسالہ کا تسلسل برقرار رکھنے کے لیے اس کے نام میں 'جدید' لفظ کا اضافہ کیا گیا۔ اس طرح 'رہنمائے تعلیم جدید' جس کے سرپرست پونے کے منور پیر بھائی ہیں، مدیر اعلیٰ (اعزازی) کے ایل نارنگ ساقی کی ادارت میں نکلتا رہا ہے۔ لیکن 'رہنمائے تعلیم جدید' کے روح و رواں ابونعمان ہیں۔ وہ اس رسالہ کے ابتدا سے مینیجنگ ایڈیٹر رہے اور ادارتی امور بھی خود ہی سنبھالتے رہے۔ البتہ ابونعمان صاحب ڈاکٹر سیّد احمد خاں اور سہیل انجم کو مشیر اعلیٰ کے طور پر بڑی مہارت سے استعمال کرتے رہے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ 'رہنمائے تعلیم جدید' کا تسلسل کبھی ٹوٹنے نہیں پایا۔

کرشن لعل نارنگ ساقی (کے ایل نارنگ ساقی) جمعہ 5 جون 2026 کو بالآخر انتقال کر گئے۔ ان کے انتقال سے اردو کا ایک بےلوث خادم محبانِ اردو سے ہمیشہ کے لیے جدا ہوگیا۔ لیکن ان کی جدائی کا غیر معمولی اثر 'رہنمائے تعلیم جدید' کے ابونعمان نے لیا کیونکہ نارنگ ساقی اس رسالہ کے نہ صرف مدیر اعلیٰ تھے بلکہ رسالہ کی اشاعت میں ہر ممکن تعاون کرتے تھے۔ اس میں مالی تعاون بےحد اہمیت کا حامل ہے۔ ابونعمان صاحب کی ہمت کی داد دینی چاہیے کہ انہوں نے انتقال کے معاً بعد کے ایل نارنگ ساقی کی خدمات اور اردو سے ان کی دیرینہ اور بے ریا محبت کو اجاگر کرنے کے لیے 'رہنمائے تعلیم جدید' کا خصوصی شمارہ ترتیب دیا۔

زیر نظر خصوصی شمارہ (72 صفحات) میں نارنگ ساقی کے لیے تقریباً 48 صفحات مختص کیے گئے ہیں۔ دو رنگین صفحات میں نارنگ ساقی کی اردو نوازی کے حوالے سے تاریخی و دستاویزی تصاویر بھی شامل ہیں۔ چند تصاویر میں ان کے اپنے خاندان کے افراد بھی نظر آتے ہیں۔ انتقال پر تین پیغامات کے علاوہ ابونعمان خاں کا اداریہ قابل توجہ ہے۔ ان کو شکایت ہے ایسے اردو نواز شخص کے انتقال پر جن کو اردو والے خوب جانتے تھے، اس رسالہ کے گوشہ کے لیے مضمون لکھنے میں دلچسپی نہیں دکھائی۔ ابونعمان خاں یہ بھی لکھتے ہیں کہ "آج کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ، نارنگ ساقی کی وجہ سے زندہ ہیں۔" صفحہ 8-7 پر نارنگ ساقی کا تعارف نامہ اردو کے ساتھ ہندی میں بھی شامل کیا گیا ہے۔ اس تعزیتی گوشے میں منظوم خراج عقیدت کے ساتھ نارنگ ساقی پر جن شخصیات کے مضامین، تاثرات شامل ہیں ان میں پروفیسر اختر الواسع، مشتاق اعظمی، قتیل شفائی، پروفیسر گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر قمر رئیس، مجتبیٰ حسین، سیفی سرونجی، چندر بھان خیال، پروفیسر سیّد حسن عباس، سہیل انجم، محمد عارف اقبال، ڈاکٹر فہیم الدین ٹونکی، رعنا سحری، ظفر انور شکر پوری، سی اے عبدالرحیم، نثار احمد صدیقی، ڈاکٹر ابرار رحمانی، ڈاکٹر عزیز اللہ شیرانی اور شارق اعجاز عباسی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ ڈاکٹر رؤف خیر نے 'قطعہ تاریخ' رقم کیا ہے۔

'رہنمائے تعلیم جدید' کا یہ گوشہ کے ایل نارنگ ساقی کو جاننے اور سمجھنے کے لیے ان کے انتقال کے بعد یقینی طور پر پہلی دستاویز ثابت ہوگی۔ نارنگ ساقی نے اس رسالہ کی آبیاری میں جو خدمات دی ہیں ناقابل فراموش ہیں۔ ان کے خاندان کے افراد کو چاہیے کہ آنجہانی نارنگ ساقی کو یاد رکھنے کے لیے، اس رسالہ کا بھرپور تعاون کرتے رہیں تاکہ یہ تاریخی رسالہ حسب معمول شائع ہوتا رہے۔ اہل خاندان کو ہماری طرف سے یہ بھی مشورہ ہے کہ نارنگ ساقی کی طرح وہ بھی اردو زبان سیکھ لیں اور اردو والوں کی محفل میں شریک ہوں۔

*مبصر سے رابطہ: سرکولیشن منیجر، اردو بک ریویو، نئی دہلی-2

□□□

ذکرِ جمیل (حمد و نعت)

شاعر: جمیل اکولوی

صفحات: 96، قیمت: -/250، اشاعت: 2026
ناشر: اپلائڈ بکس، 2878 فرسٹ فلور، گلی کیپٹن والی،
کوچہ چیلان، دریا گنج، نئی دہلی-110002
Mobile: 9953630788
شاعر سے رابطہ: 966556311494+ (ریاض، سعودی عرب)

——— از: سعید اختر اعظمی☆

''**اور اگر جتنے درخت ہیں زمین میں قلم ہوں، اور سمندر ہو اُس کی سیاہی، اس کے پیچھے سات سمندر، نہ تمام ہوں باتیں اللہ کی۔**'' سورہ لقمان کی یہی ترجمانی سورہ کہف میں بھی ملتی ہے۔ ''تو کہہ اگر دریا سیاہی ہو کہ لکھے میرے رب کی باتیں، بے شک دریا خرچ ہو چکے ابھی نہ پوری ہوں میرے رب کی باتیں، اگرچہ دوسرا بھی لائیں ہم اس کی مدد کو۔'' یہ حمد باری تعالیٰ کا اعجاز ہے کہ اسے دائرہ بند نہیں کیا جاسکتا۔ جو ذات اول و آخر سے متصف ہو اُس کی ثنا کا کیا کہنا۔ خالق کون و مکاں نے 'ورفعنا لک ذکرک' کہہ کر اپنے حبیب خاتم الانبیا کا تذکرہ کیا اور دیگر مقامات پر 'مزمل و مدثر' کے اعزاز پہ فائز کیا۔ پیکر خاکی کا مقصدِ وجود بھی 'ثنا و مدحت' کے ارد گرد گھومتا ہے جسے سخن وروں نے خاص رنگ عطا کر کے 'حمد و نعت' کے قالب میں ڈھالا ہے۔ دینی جذبہ سے سرشار جمیلؔ اکولوی کی سرشت میں حب الٰہی و مدحت نبوی داخل ہے، اسی لیے انہوں نے 'وقت فرصت' کا بہترین شغل حمد و نعت گوئی کو بنایا ہے۔ 'کتاب عظیم' اور اصناف ہذا سے خوش الحانی کو جوڑ کر وہ ہر محفل میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ گزشتہ کئی برسوں سے وہ دونوں اصناف کا حق ادا کرنے کی سعی کر رہے ہیں۔

'ذکرِ جمیل' جمیلؔ اکولوی کا اولین سخن گنجینہ ہے جو 'حمد و نعت' لکھنے کی حتی المقدور مساعی ہے۔ دو درجن حمد اور پانچ درجن نعتوں سے مزین اس مجموعے میں توصیف الٰہی اور نسبت محمدی کا اظہار دل کش پیرایہ بیان میں کیا گیا ہے۔ ستّر ماؤں سے زیادہ محبت کرنے والے خالق دو جہاں کی ثنا خوانی کائنات کی ہر شے کرتی ہے۔ انسان کا یہ عمل اس کی عبودیت کو مستحکم کرتا ہے۔ یہ اشعار دیکھیے:

شکر الٰہی کرتے ہیں بندے ترے سدا
سجدے میں ہے جبین وفا دم بہ دم عزیز

....

سجدے میں سر بچھائے بصد احترام مَیں
یوں کر رہا ہوں رب کی محبت کے تذکرے

....

پکارا ہے تجھے جب بھی بنا مشکل کشا میرا
تری رحمت کا ہر لمحہ چھلکتا جام آتا ہے

....

جب تک یہ زندگی ہو، تیری ہی بندگی ہو
خوابیدہ دل تھا کب سے، بیدار کر چکے ہیں

....

خزاں کا رنگ ہر سو ہے چمن میں زیست کے یارب
بہاروں میں بدل جائے تو شاید نیند آجائے

یہاں نیند آنا سکون و اطمینان اور راحت کا اعلامیہ ہے۔ حمد رنگ جہاں تمام ہوتا ہے وہیں سے نعت رنگ شروع ہوتا ہے۔ یہاں بھی نیند کے استعارے کو بہ حسن و خوبی برتا گیا ہے۔

بڑا بے چین رہتا ہوں مَیں یادِ شاہِ بطحا میں
مرا یہ دل بہل جائے تو شاید نیند آجائے

مدحت شاہ امم کا تسلسل سرور عالم سے قلبی محبت کا اظہار یہ ہے جو شعر در شعر، سطر در سطر اپنے نقش ثبت کرتا چلا جاتا ہے۔ یہ اشعار ملاحظہ کیجیے:

ایسے محبوب ہیں جن کا کوئی ثانی ہی نہیں
رشک اس حسن پہ یہ شمس و قمر کرتے ہیں

....

مرے رسول کے کردار کا ہے یہ درپن
گواہی دیں گے جو قرآن کے سپارے ہیں

....

آمدِ خیرالامم مسعود ہے اور محترم
ایسا لگتا ہے کہ جیسے وجد میں ہے یہ کائنات

....

وہ نقشِ پا جو زیارت اثر بناتا ہے
نبی کا عشق ہراک دل میں گھر بناتا ہے

اصناف ہذا سے تعلق شاعر کے لیے باعثِ فخر وسعادت ہے جس کا اظہار جمیلؔ اکولوی نے جابہ جا کیا ہے۔ اس میں خوش الحانی کے حوالے کو بھی معتبر کیا گیا ہے۔ بطور نمونہ یہ اشعار:

جمیلؔ خوش نوا کو حمد لکھنے کا ملا رتبہ
کہاں ہر ایک کے حصے میں یہ اکرام آتا ہے

....

نعت کہنے کی سعادت ہے جمیلؔ اس کی عطا
ورنہ ہم کیا ہیں، کہاں پیش ہنر کرتے ہیں

....

مدحِ سرکار ہی پہچان ہے میری اے جمیلؔ
بھیج کر اُن پہ درود اور نکھر جاؤں گا

....

لب پہ جمیلؔ ہے نعت احمد، کچھ بھی نہیں مطلوب مجھے
لفظوں کے گل بوٹے کھلیں تو دفتر کا دفتر مہکے

....

نبی سے نسبت ومحبت کے اظہار کے شانہ بہ شانہ انہوں نے 'شہر نبی' کے تعلقِ خاص کو بھی ملحوظ رکھا ہے۔ یہ حوالہ بطحا، طیبہ، یثرب اور مدینہ کے ذکر سے جابہ جا معتبر کیا گیا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

اپنے دل کی بات زباں سے کہنے دو
مجھ کو مدینے میں ہی یارو رہنے دو

....

گنبد خضرا کا جلوہ دیکھنے آیا ہوں مَیں
نور کا بہتا ہے دریا، دیکھنے آیا ہوں مَیں

....

آتے ہیں خوشبو لے کر سرد ہوا کے جھونکے بھی
ہر لمحہ دل کش سا نظارا شہر مدینہ ہے

....

جہاں بھر کی بہاروں کا خزینہ ہے مدینے میں
خدا کی رحمتوں کا اک سفینہ ہے مدینے میں

....

ارمان زیارت میں بصد شوق رہا ہوں
بے چین ہے دل جب سے مدینے کو چلا ہوں

پیش لفظ اور 'یہ آخری سطور' میں انہوں نے حمد ونعت لکھنے کی غرض وغایت تفصیل سے بیان کردی ہے جو نام ونمود، شہرت یا دنیاوی مقصد سے پرے ہے۔ بقول شاعر:

ذکرِ جمیل ہے مرا سرمایہ عقبیٰ
رب سرخ رو کرے مجھے میدانِ حشر میں

☆مبصر سے رابطہ: ریاض۔ (سعودی عرب)
Mobile: +966598300320

❑❑❑

نوائے رنگ

ایک متوازی کردار سے مخاطب متنوع نظمیں

شاعر: وشال کھلّر
صفحات: 222، قیمت: -/800، اشاعت: 2026
ISBN 978-81-955649-8-9
ناشر: مجلس برائے ثقافتی برادری، لدھیانہ -141012
(پنجاب)
Mobile: 9463681801

——— از: سعید اختر اعظمی☆

لفظ، رنگ، سنگ، سُر اور رقص فنون لطیفہ کے اجزائے لازمی ہیں۔ یہ ایسے اجزا ہیں جو انسان کے بنیادی خلا کو پُر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سخن ور کو ان معنوں میں منفرد قرار دیا جا سکتا ہے کہ ایک جانب وہ اپنے اندر کے خلا کو تخلیق اور تخلیقی عمل سے پُر کرنے کی سعی کرتا ہے وہیں وہ ایک خلا بھی پیدا کرتا ہے جسے پُر کرنے کی ذمہ داری قاری کی ہوتی ہے۔ جو تخلیق اپنے قاری کو زیادہ مواقع فراہم کراتی ہے وہ زندہ جاوید

ہوجاتی ہے۔شاعرالفاظ کے ذریعہ اپنی بات کودوسروں تک پہنچاتا ہےجس میں ’کہا‘ اور’اَن کہا‘ شامل ہوتا ہے۔ایک عہد کا ’کہا، اَن کہا‘ دوسرے عہد میں کچھ نہ کچھ مختلف ہوجاتا ہے۔ اسلوب کی بنیاد’ کیسے کہا‘ پر ہے جس میں ’کہا‘ اور’اَن کہا‘ دونوں شامل ہیں۔وشال کھلّر کی شاعری وردزباں کرتے ہوئے ایک ایسا کردار سامنے آتا ہے جو’خیالی‘نہیں،’متوازی‘ ہے۔وہ ساتھ ساتھ چلتا ہے مگر فاصلے ہنوز برقرار رہتے ہیں جواُن کے تفکرانہ ذہن کا عکاس ہے۔اسے انھوں نے’نوائے رنگ‘ کا نام دیا ہے۔ یہ’نوا‘نہیں بلکہ’رنگ‘ کی’نوا‘ ہے جس میں آواز کے بجائے خاموشی کی گونج ہے۔رنگ بہ معنی گونج میں ’کہا‘ اور’اَن کہا‘ دونوں شامل ہوگیا ہے۔ایک رنگ وہ ہے جوعرف عام میں سرخ،سبز،زردوغیرہ کا معتبر حوالہ ہے جبکہ دوسرا رنگ راگ، خوشی ،حال ،ناچ، بہار، جوبن، کیفیت ،سماں،جنون، خمار، رس ،رونق سے ہمارا سامنا کراتا ہے۔ان کی نظموں سے گزرتے ہوئے یہ تمام معانی ذہن میں نہ رکھے جائیں تو’بہت کچھ‘ چھوٹ جاتا ہے۔

وشال کھلّر کی’نوائے رنگ‘ میں سات رنگ (رومان، امید،شرط،نفس، دِین،فلسفہ،جنون) ہیں جنہیں’سات سُر‘ بھی کہا جاسکتا ہے ۔ یہ اندرون کے سچ تک رسائی کی لاشعوری کوشش ہے۔ یہ نظمیں تجرباتی نوعیت کی ہیں جس پہ مختلف رسائل و جرائد کے صفحات نے قبولیت کی مہر لگا کرانہیں معتبر کردیا ہے۔اول’رومان‘20 جہتوں سے مرصع ہے جس میں ’پیاری سی‘،’کاشانہ محبت آباد کرنے والی‘،’قلم کاغذ پہ رکھ کر انگلیوں سے کلام کرنے والی‘،’کمپیوٹر اسکرین پہ منعکس ہونے والی‘، ’جاذب نظر آنکھوں والی‘،’پونی ٹیل زلفوں میں سجا کر خوابیدہ‘،’باتونی‘ ’تاثیرکُن تصویر‘وغیرہ سلیقے سے جلوہ گر ہوتی رہتی ہے۔بطورنمونہ یہ دیکھیے:

’سارادن اکیلے میں/کبھی راتوں کواُٹھ اُٹھ کر/ستاتی ہو/ یوں رہ رہ کر/ ہمیشہ تنگ کرتی ہو/خیالوں میں/ یوں بے دستک چلے آنا/تمہاری پرسنل لائف نہیں ہے کیا؟ (ص52-51)

دوم’امید‘19 جادورنگ، فلسفہ آمیز،موسم سے ہم آہنگ، بنجارن ،راحت ہستی،نگہبانی تمنا،قیامت خیز وجود کا عکس ہے تو سوم’شرط‘15 کرداروں کی جیتی جاگتی شبیہ۔ چہارم’نفس‘ 18 دل کش ودل ربا پیکر ہے تو پنجم’دِین‘21 تنوع جہت حشر سامانیاں۔ششم’فلسفہ‘17 عکس دیدہ وشنیدہ ہے تو ہفتم’جنون‘ 16 مشق سخن کا معتبر حوالہ جات۔ ان سے کشیدہ چند سطور جو ’کوزے میں سمندر‘ کا احساس دلاتی ہیں۔

’دکھ کی شاخ پر/پنچھی نہیں رکتے / چہکتے ہیں/گھروندوں میں/ جہاں خوش باش رونق/تلخیوں سے پاک ہوتی ہے (ص55)

بزدل ہو/ الم کی شہ سواری میں/عبث ہی مات کھاتی ہو/ تمہیں پڑھنا نہیں آیا عبارت کو/لکھا کچھ بھی نہیں (ص102)

جنگل میں/ ہرے بارود کی خوشبو/تمہارے جسم کی مُدمِن اکائی ہے/ وبا کیسی یہ پھیلی ہے/سبھی مستعد لگتے ہیں/ یہ خوشبو آزمانے کو (ص129)

جھوٹی بات مت کہنا/زلیخا/اب کسی یوسف کی چاہت میں/کوئی دربند کرتی ہے/ نہ یوسف احتیاطاً قید ہوتا ہے (ص142)

گیلی لکڑیوں سے تم/ دھویں کی پاسبانی میں/ نئے امکان لکھتی ہو (ص186)

کوڑے دان میں /پھینکی گئی نظمیں/ بغاوت کر بھی سکتی ہیں/ وزن خارج ہوئی غزلیں/ وزن میں آ بھی سکتی ہیں/ کتابوں میں چھپے الفاظ/ ظاہر ہو بھی سکتے ہیں (ص211)

موخرالذکر نظم کا حصہ تخلیقی قدروقیمت کا اظہاریہ ہے۔اسی سلسلے کو جاری رکھتے ہوئے اختتامیہ’اردو‘ تمام اہالیان اردو اور محبان اردو کی جانب سے۔

اردو ہو/زبان خاص بھی ہو/ اورزبان عام بھی/ دونوں/مغل بچوں کی گودی سے اتر کر/ راجدھانی تک/تم ہی تم تھیں/زمانہ میر سے غالب اسد، اقبال/ اور پھر فیض بھی آئے/ کروڑوں میں/ ادیبوں نے تمہیں پالا/ کلاسک سے ترقی کر/ جدیدی تک/نوا/ نارنگ کی بیٹی بنی/’مابعد‘ ہوکر/ یوں ادب کی روشنائی /نوجواں آئی /مگراب تم/ جواں دہلیز داخل ہوچکی ہو/ اوراسی باعث/مری معشوق ٹھہریں۔(ص144-143)

☆مبصر سے رابطہ: ریاض۔(سعودی عرب)
Mobile: +966598300320

❑❑❑

متاع ضیا

شاعر وناشر: قاری اشتیاق احمد ضیا جونپوری
مرتب: محمد عرفان جونپوری

صفحات:160، قیمت:-/250، اشاعت:2025
ملنے کا پتا: عزیزیہ لائبریری اینڈ پبلی کیشنز، میرمست،
جونپور-222001 (یوپی) موبائل:9889124056

——— از: عکرمہ جونپوری☆

زیر تبصرہ 'متاع ضیا' قاری اشتیاق احمد ضیا جونپوری کا چوتھا نعت ومنقبت کا مجموعہ ہے۔ اس سے قبل موصوف کے تین شعری مجموعے 'کائنات ضیا' 2017، 'ضیائے غزل' 2022، 'ضیائے غزل' (ہندی) 2023 منظر عام پر آکر داد وتحسین حاصل کر چکے ہیں۔ ان سبھی مجموعوں کے مرتب محمد عرفان جونپوری ہیں۔ شیراز ہند جون پور میں مشہور ومعتبر شعرا کی کہکشاں آباد رہی ہے۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی کے طور پر ضیا جونپوری کو بھی دیکھا جانا چاہیے۔ ضیا جونپوری نے مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے، لیکن بنیادی طور پر وہ غزل ہی کے اسیر ہیں۔

زیر تبصرہ مجموعہ 'متاع ضیا' پر ضیا جونپوری کی شاعری سے متعلق مضامین شامل ہیں، اس میں مشہور ومعروف ادیب 'دبستان نعت' کے مدیر ڈاکٹر سراج احمد قادری نے اس مجموعہ کے حوالے سے ایک پُر مغز تحریر سپرد قلم کی ہے۔ نظام پرتاب گڑھی، انیس احمد خاں، اور سلمان جونپوری کی وقیع تحریریں بھی شامل کتاب ہیں۔ ضیا جونپوری نے بھی 'سخن چند' کے عنوان سے اپنے تاثرات پیش کیے ہیں۔ آخر میں محمد عرفان جونپوری کی ترتیب اور ضیا جونپوری کی شاعری کے حوالہ سے رقم طراز ہیں ''رہی قاری صاحب کی شاعری کی بات تو ان کی شاعری میں تنوع ملتا ہے۔ نعت ومنقبت اور غزلوں کے علاوہ موضوعاتی نظمیں بھی ان کی شاعری کے مرکز ومحور رہے ہیں۔ ان کی شاعری میں حب الوطنی، گنگا جمنی تہذیب کی علامات، بزرگان دین سے محبت و شیفتگی، ملک وشہر کی سماجی شخصیات کے خصائص پر کلام، پندرہ اگست ہو یا یوم جمہوریہ یا پھر اپنے شہر والہانہ محبت و الفت، متذکرہ سبھی موضاعات پر قاری صاحب کا کلام ملتا ہے۔'' ضیا جونپوری کے چند منتخب اشعار ملاحظہ کیجیے:

چوم لے گی قدم اس کا فتح مبیں
جو محمدؐ کی سیدھی ڈگر جائے گا

....

کیا پوچھتے ہو کس کی قیادت پسند ہے
ہمیں کو تو مصطفیٰؐ کی قیادت پسند ہے

....

مدح شاہِ دوعالم کے فیضان سے
ایک نا چیز اہل قلم ہوگیا

....

کس اوج پہ چمکا ہے مقدر کا ستارہ
سرکارؐ ہیں مہمان جہاں ایوب کا گھر ہے

'متاع ضیا' صوری اور معنوی اعتبار سے ایک اچھا نعتیہ مجموعہ کلام ہے۔ امید ہے کہ اہل علم کی طرف سے پذیرائی حاصل ہوگی۔

☆مبصر سے رابطہ: Mobile: 9889124056

□□□

اُڑان سے آگے

شاعر: ثناء اللہ ثنا دوگھروی

صفحات:144، قیمت:-/250، اشاعت:2019
ناشر: بک امپوریم، سبزی باغ، پٹنہ-800004 (بہار)
Mobile: 9304888739

———از: سعید اختر اعظمی☆

اثبات حیات کی قدر، شہری رنگینیوں سے لاتعلقی، گاؤں گھر کی مٹّی سے قربت، اخلاقی اقدار سے وابستگی، عزم وعمل کے چراغوں سے استفادہ، غم دوراں اور قصہ جاناں سے منسوب اشارات کی تفہیم، آرزوئے قلب کا اظہار اور زخم جگر کو شعری پیکر دینے میں کوشاں رہنے والے لازماً حساس ہوتے ہیں۔ وہ ماضی کا ماتم کرنے کے بجائے حال ومستقبل کے خوابوں میں رنگ

بھرنے کی سعی و جہد کرتے ہیں۔ثناء اللہ ثنا دوگھروی علم وعمل اورعزم ویقین کے ترجمان ہیں۔وہ شاعری کے شانہ بہ شانہ زندگی میں بھی روایات کی پاسداری کرتے ہیں۔ان کے یہاں حسن وعشق تنوع رنگ ہے جو ربط باہمی کا آئینہ دار ہے۔

'اُڑان سے آگے' ثناء اللہ ثنا دوگھروی کی اولین 'سخن پرواز' ہے جو حمد ونعت اور پانچ درجن غزلیات پہ مشتمل ہے۔ ابتدائی صفحات میں خالق ارض وسما کی ثنا اور 'صاحب اقرا' کی مدحت میں سرشاری محبت وعقیدت نمایاں ہے۔یہ اشعار دیکھیے:

ہوں مہ وخورشید یا کہ ہوں نجوم وکہکشاں
نور سے تیرے ہی یہ سارے کے سارے ضوفشاں
تیرگی ہوشب کی یا کہ ہوضیائے صبح نو
سب سے ظاہر تیری قدرت، تیری حکمت ہے عیاں

....

ہیں رحمت عالم، وہی محبوب خدا بھی
قرآن کے پاروں میں وہی چھائے ہوئے ہیں
آگے نہیں اب اور بلندی کوئی جس کے
طے کر کے اسے پل میں نبی آئے ہوئے ہیں

'کوئی، آپ، ہم، خاص، پاس، کبھی کبھی، آگے، آہستہ آہستہ، لوگ، بعد، دل، عید، سچ، ربط، کھٹ پٹ، قصہ، مدت تک، خوب، طرف اور یارب' کو انھوں نے بطور ردیف نہایت خوبصورتی سے برتا ہے اور تنوع جہتی پیدا کرنے کی سعی کی ہے۔ گویا کہ اک بات میں سو بات ملحوظ رکھی گئی ہے۔یہ دیکھیے:

اس کی ہر بات میں سو بات سے جی ڈرتا ہے
اس کے لفظوں کے طلسمات سے جی ڈرتا ہے
حوصلے اور نہ بڑھ جائیں کہیں اب میرے
میٹھی میٹھی تری ہر بات سے جی ڈرتا ہے

رومان میں روایت کی پاسداری کرتے ہوئے انھوں نے الفاظ کے دلکش گل بوٹے کھلائے ہیں۔یہ اشعار اس کا بیّن ثبوت ہیں:

لکھی ہے مصحف رخسار کی تفسیر مدت تک
رہے گی ضوفشاں یارو مری تحریر مدت تک

....

اس کی آنکھوں نے کہہ دیا سب کچھ
کیا ہے اب اس بیان سے آگے

....

آج بھی زینت صحرا ہیں دیوانے کتنے
آج بھی پاؤں کی زنجیر وہاں بولتی ہے

اردو زبان سے لگاؤ، انسیت، نسبت خاص اور قربت کا اظہار اُن کے کئی اشعار سے مترشح ہے۔یہ دیکھیے:

دوڑ میں کون سی زباں ہے، کہو
اپنی اردو زبان سے آگے

....

اپنی تہذیب وتمدن کا نشاں روشن رہے
اس لیے ہے لازمی اردو زباں روشن رہے

....

جو چڑھ گیا تو کہاں نام پھر اترنے کا
یہ جام اردو ہے اس کا عجب نشہ ہے کہ بس

....

بات اردو کی مکمل ہی نہیں ہوسکتی
ہو نہ جب تک کہ بیاں اہل دکن کا قصہ

....

'ادیبہ حیات شفا' ان کے گلشن حیات کی کلی ہے جس کے آخری لفظ کو انھوں نے حقیقی معنوں میں درد اور مرض میں اثراتِ دوا کے نتیجہ کے طور پر برتا ہے اور اس لفظ کا حق ادا کر دیا ہے۔

غریبوں کو بھی ملتی ہے شفا تو بس سبب یہ ہے
دوا دیتا ہے کوئی، اور دیتا ہے شفا کوئی

....

یہ حقیقت ہے ثنؔا سب کو شفا ملنے تک
درد کی ہوتی ہی رہتی ہے دوا سے کھٹ پٹ

....

مرض میں اور دوا میں ہیں معرکے جاری
دعا یہ کیجیے نہ آئے شفا نشانے پر

....

ملنے کو تو آتی ہے دوا درد سے، لیکن
مرضی نہ ہو اس کی تو شفا تک نہیں آتی

احمد فراز کی مشہور زمانہ غزل 'سنا ہے لوگ اسے آنکھ بھر کے دیکھتے ہیں' سے استفادہ کرتے ہوئے انہوں نے سہل ممتنع میں اسے جس طرح برتا ہے وہ قابل داد ہے۔

اسے اس سے چرا کر دیکھتے ہیں
ان آنکھوں میں بساکر دیکھتے ہیں
مسیحائی کے گر چرچے ہیں اس کے
تو زخم دل دکھاکر دیکھتے ہیں
بڑی شہرت ہے دلداری کی اس کی
تو ہم بھی دل لگاکر دیکھتے ہیں

تقاضائے سخن وری اور شکوۂ عدم پذیرائی کے حوالے سے وہ کہتے ہیں:

ادب کی پیاس ہے مجھ میں، سوشعر کہتا ہوں
بلاسے کوئی سخن کا نہ قدردان ہوا

....

یہ شاعری ہے مراشوق ،یہ جنوں میرا
بلاسے کوئی غزل میری شاہکارنہیں

....

ڈاکٹر عطا عابدی، ڈاکٹر محسن رضا رضوی اور ڈاکٹر توقیر عالم توقیر کی آرا صاحب سخن کے فکروفن کا احاطہ کرتی ہیں۔

آخر میں یہ دعائیہ شعر جو تخیل کی اُڑان میں استقامت برتنے کو مہمیز کرتا ہے:

جاری رہے اُڑان یہ تیرے خیال کی
ایسا نہ ہو کہ بیچ میں شہپر سمیٹ لو

☆مبصر سے رابطہ: ریاض ۔(سعودی عرب)
Mobile: +966598300320

□□□

سعید اختر اعظمی کا پہلا شعری مجموعہ
شام کے سائے
ISBN 978-93-90579-88-4
صفحات: 160، قیمت: -/200 ، اشاعت: 2024
رابطہ: اردو بک ریویو، نئی دہلی ۔ Mob: 9953630788

تاراتارانظمیں (ادب اطفال)

شاعر: پروفیسر خالد سعید
مرتب وناشر: ملنسار اطہر احمد

صفحات: 56، قیمت: -/80، اشاعت: 2024
ناشر: A-1، 414 گنگا بلاک، UGV، کورمنگلا، بنگلور-560047 موبائل: 9845227137

——— از: ایم نصراللہ نصر☆

ادب اطفال کی تخلیق یوں تو آسان لگتی ہے مگر سچ یہ ہے کہ یہ اس قدر سہل بھی نہیں ۔اس کے لیے تخلیق کار کو طفل مکتب بنا پڑتا ہے ۔وہ اپنی قابلیت کو طاق پر رکھ کر بچوں کی سوجھ بوجھ اور کچے ذہن کا خاص خیال رکھتا ہے ۔سخت الفاظ یا محاورے اور پیچیدہ مسائل وموضوع کی تخلیق سے گریز کرتا ہے ۔سہل الفاظ میں چھوٹے چھوٹے نازک عنوانات کو اپنی تخلیق کا موضوع بناتا ہے ۔ادب اطفال کے لیے لازمی ہے کہ اس میں بچوں کی دلچسپی کے اسباب موجود ہوں ۔ کہانیاں سبق آموز ہوں ۔شعری تخلیقات میں دقیق الفاظ استعمال نہ کیے جائیں ۔ گنجلک خیالات ومفاہیم سے دامن بچارہے ۔ سادگی اور سلاست ادب اطفال کے لیے لازمی ہیں ۔

اس بیان کے پس منظر میں جب ہم پروفیسر خالد سعید کی کتاب 'تاراتارانظمیں' کا مطالعہ کرتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے یہاں اس صنف میں مشاقیت بھی ہے اور انہیں مہارت بھی حاصل ہے ۔ وہ جس خوبی سے اپنی بات بچوں تک پہنچاتے ہیں وہ لائق ستائش ہے ۔ ان کا لہجہ بھی سلیس اور سادہ ہے، اسلوب میں بھی بالیدگی اور بلندی ہے ۔ اشعار میں غنائیت اور موسیقیت ہے ۔ان کی نظمیں بچوں کے لیے بے فیض نہیں ۔ان کی نظموں میں بچوں کی سوچ ،فکر، لطف اور سبق موجود ہے ۔ان کی نظموں میں تخیل کی کارفرمائی ، گیت کا آہنگ ،نظم کا ترنگ، زبان کی چاشنی اور خیال کی امنگ سب کچھ شامل ہے ۔ان کی نظمیں ابتدائی جماعتوں میں پڑھانے کے لائق ہیں ۔

زیر مطالعہ کتاب 'تاراتارانظمیں' میں بچوں کے لیے ان کی

منتخب بیس نظمیں شامل ہیں۔عنوانات کچھ یوں ہیں:

بچوں کا گیت، آؤ سیکھیں الف بے پے، گنتی گیت، بادام کا پیڑ، منظوم پہاڑا، پیارے پیارے تارے، اک موٹو تھا، ایک تھا بھالو، اب کے ایسا سرما آیا، چور سپاہی، بی بی کا بستہ، بی بی کی بلی، اپنی اپنی بولی، دیکھا ایک عجیب نگر، ٹیلی ویژن، ہماری گھڑی، آم ہیں کیا، علم کا اجالا اور شبانہ نے اک روز املا لکھا۔ بقول آفاق عالم صدیقی:

''نرسری کلاس میں بچوں کو پڑھانے کے لیے نظم ایک عمدہ وسیلہ ہے۔ بچے ہنسی خوشی سبق یاد کر لیتے ہیں۔ بچوں کی نظموں میں مقصدیت کا پایا جانا عیب کی بات نہیں، ہاں! مقصدیت پر زور ڈالنا عیب ہوتا ہے۔ بچوں کو کھیل کھیل میں پڑھانے کی نصیحت کی جاتی ہے۔ خالد سعید نے نہایت سادگی اور روانی سے بچوں کو حروف تہجی یاد کرانے کی کوشش کی ہے جو قابل تعریف ہے۔''

پروفیسر خالد سعید نے سادگی اور سلاست کے ساتھ معنی آفرینی کا خیال رکھتے ہوئے اپنی نظمیں تخلیق کی ہیں۔انہوں نے اپنی نظموں میں علم کی افادیت کو سلیقے سے بیان کیا ہے۔علم کو روشنی اور جہالت کو ظلمت اور تاریکی سے تشبیہ دی ہے۔علم کو زندگی میں کامیابی کا راز بتایا ہے۔ ان کی ایک نظم 'پیارے پیارے تارے' ملاحظہ فرمائیں:

پیارے پیارے تارے/آؤ پاس ہمارے/ہم تو کھیل رہے ہیں/تم کیوں دور کھڑے ہو/کھیلو ساتھ ہمارے/ پیارے پیارے تارے/میرے پاس ہے چاکلیٹ / کیا ہے پاس تمہارے/ پیارے پیارے تارے/آؤ پاس ہمارے!!

ایک اور نظم دیکھیں:

اب کے ایسا سرما آیا/ساتھ میں برف کے جھونکے لایا/اُف رے سردی، اُف رے سردی/ہر کوئی کرتا ہے سی سی/تھر تھر تھر مچھلی کانپے/آں چھیں آں چھیں مینڈک چھینکے/ کتے نے پُل اُووَر پہنا/مرغے نے بھی سوئٹر پہنا/گدھا کانپتا ٹھہرا بھائی/ پاس اس کے کمبل نہ رضائی / چڑیا پہن کے صدری آئی/ بکرا گھومے اوڑھ دَلائی/ چوہا مفلر باندھے آیا/ساتھ ہی اپنے ماچس لایا/ چوہے نے جب آگ جلائی/ ہاتھ تاپنے بلی آئی!!

ادب اطفال کی اہمیت و افادیت اپنی جگہ مسلم ہے۔علم حاصل کرنے کے لیے یہ پہلا زینہ ہے۔نرسری میں بچے جو نظمیں یاد کر لیتے ہیں وہ زندگی بھر نہیں بھولتے۔شرط یہ ہے کہ ان نظموں کا لحن اور لہجہ صاف اور سادہ ہو، ان میں غنائیت اور موسیقیت ہو۔ الفاظ شناسا اور اور محاورے روزمرہ کے ہوں جو آسان بھی ہوں۔ پروفیسر خالد سعید (مرحوم) نے ان کا خیال رکھا ہے اور بچوں کے لیے خوبصورت، معلوماتی اور دلچسپ نظمیں تخلیق کی ہیں۔اس کے لیے اہل اردو کی جانب سے ان کو بے شمار دعائیں۔مرتب ملنسار اطہر احمد کو خصوصی مبارکباد کہ انہوں نے مرحوم کی تخلیقات کو گرد زمانہ ہونے سے بچالیا۔ اللہ ان کو اس کا اجر عظیم عطا کرے۔آمین!

☆مبصر سے رابطہ: (ہاوڑہ) Mobile: 9339976034

❑❑❑

ماب لنچنگ پر پہلی جامع دستاویز کی اشاعت

Mob Lynching in India
A Record - 2014 - 2024

Edited by:
Dr. Zafarul Islam Khan

Pages: 744 Rs. 900/- Year: 2026

Report documents 1,743 mob violence incidents from May 2014 to May 2024, examining socio-political drivers, state impunity, and calling for strict anti-lyncing legislation and legal reforms.

Published by:
Pharos Media & Publishing
New Delhi
Email: books@pharosmedia.com
Mobile: 9911142151

قوم کے اہل ثروت اور اہل خیر حضرات سے خصوصی اپیل

یتیم خانہ اسلامیہ گیا

آپ کے مالی تعاون کا منتظر ہے۔

109 سالہ خدمات

دینی وعصری علوم کی اپنے طرز کی مشہور اقامتی (RESIDENTIAL) تعلیم گاہ

تعارف ادارہ کی بنیاد اکتوبر ۱۹۱۷ء میں ایک استاد اور دو یتیم بچوں سے آٹھ آنے (50 پیسے) ماہوار کرایہ کوٹھری میں (=/Rs. 30) روپے کی چھوٹی سی رقم سے پڑی تھی۔ **تعلیمی سال** اپریل تا مارچ **تعلیمی مراحل** ● ابتدائی ● ثانوی ● اعلیٰ ● شعبۂ حفظ وناظرہ ● عنایت (I.T.I) ● پانچ زبانوں میں تعلیم ● عربی، اُردو، فارسی، ہندی، انگریزی وغیرہ ● تعداد زیر تعلیم طلباء وطالبات: تقریباً 450 ● **تعداد کل یتیم طلبا** 60 ● بیرونی طلباء جو اپنا خرچ دے کر ہوسٹل میں رہتے ہیں علاوہ ہیں۔ ● تعداد تدریسی وغیر تدریسی اسٹاف: 28 **سالانہ خرچ** چالیس لاکھ (Rs:40,00,000) روپے سے زائد۔ **ذریعہ آمدنی** مسلم عوام کے چندے۔ **اخراجات** یتیم طلباء کا سارا خرچ مع طعام وقیام ورہائش وغیرہ بالکل مفت (Free)۔ یہ سارا خرچ ادارہ پورا کرتا ہے۔ کسی طرح کا کوئی خرچ نہیں لیا جاتا ہے۔ **یاد رکھیں** ① یہاں کا کوئی بھی محصل کمیشن (اجرت) پر چندہ وصول نہیں کیا کرتا ہے۔ ② پانچ زبانوں میں مع قرآن واسلامیات کے ساتھ درجہ اول تا میٹرک (Matric) تک جو (بہار بورڈ سے منظور شدہ ہے) معیاری تعلیم ہے۔ ● حفظ کے ساتھ ساتھ میٹرک (X) کا نظم ③ 109 سال سے یتیم اور غیر یتیم طلباء کی اسلامی ماحول میں دینی وعصری تعلیم کے ساتھ تعلیمی وتربیتی خدمات انجام دے رہا ہے۔ ④ ادارہ ہی کے احاطے (Campus) میں دوہرے بھرے پارک کے ساتھ شاندار مسجد، تعلیم گاہ اور اقامت گاہ، مطبخ اور دوسرے شعبہ جات وغیرہ۔ ● اس لئے طلباء کو کہیں آنا جانا نہیں پڑتا ہے۔ **کفالہ اسکیم (Sponsorship)** کے تحت ایک یتیم طالب علم کا سالانہ خرچ : تیس ہزار (Rs:30,000) روپے ہے۔ آپ بھی اس کار ثواب میں شریک ہوں۔

● یہاں کے طلبا کو میٹرک (Matric) پاس کرنے کے بعد کالج کے علاوہ عربی یونیورسٹی میں عالمیت کے سال اوّل و دوم میں بآسانی داخلہ مل جاتا ہے۔ ⑤ یتیم خانہ سے میٹرک (Matric) پاس کرنے والے یتیم طلباء کا داخلہ یتیم خانہ کے عنایت (I.T.I) میں بالکل مفت (Free) ہے۔ ان سے کسی طرح کا کوئی خرچ نہیں لیا جاتا ہے۔ پہلے کی طرح رہنے سہنے اور کھانے پینے کی ساری سہولیات دی جاتی ہے۔ **اپیل** اس مادہ پرستانہ اور جدید دور میں دینی وعصری علوم کے رہائشی (Residential) اداروں کی پہلے سے آج کہیں بہت زیادہ ضرورت ہے۔ ● آپ اس ہوش ربا گرانی میں اور اس رمضان المبارک کے موقع پر ادارہ کی بھرپور مالی مدد کریں۔ تعاون کی مختلف شکلیں ہیں مثلاً ● زکوٰۃ ● عطیات ● صدقات وغیرہ اور ادارہ کے باقی تعلیمی وتعمیری منصوبوں کے لئے بھی روپے کی بہت ضرورت ہے۔ ادارہ آپ سے ننھے منے معصوم یتیم بچوں کو تعلیم کے ساتھ ساتھ باہنر بنانے کے لئے اور انہیں اونچا اٹھانے کے لئے فراخدلانہ مالی تعاون کی اپیل کرتا ہے۔

نوٹ ادارہ کی مختصر تاریخ دستاویزی (Documentary Film) فلم نذر عنایت (Nazr-e-Enayeth) You Tube پر دیکھیں۔

چیک ڈرافٹ اورکور بینکنگ سلپ پر صرف یہ لکھیں : THE GAYA MUSLIM ORPHANAGE

برائے رابطہ ڈرافٹ اور منی آرڈر بھیجنے کا پتہ ●Hon. Secretary, THE GAYA MUSLIM ORPHANAGE
Cherki-824237, Distt: Gaya (Bihar) India : 9801213022, Whatsapp No. 7258063440

Beneficiary Name: THE GAYA MUSLIM ORPHANAGE
Bank A/C No.: 300402010010581 (Zakath) زکوٰۃ
Bank A/C No.: 300402010002982 (Donations) عطیات وتعمیرات
Bank IFSC Code No.: UBIN0530042
Bank : UNION BANK OF INDIA (MAIN BRANCH GAYA)
Scan to Pay

یاد رکھیں بینک میں رقم ٹرانسفر کی تفصیل۔ برائے مہربانی اسکین اینڈ پے (Scan & Pay) یا کسی ذریعہ سے رقم ٹرانسفر کے بعد اسکرین شاٹ (Screen Shot) مع نام وپتہ اوپر کے وہاٹس ایپ نمبر پر وہاٹس ایپ کردیں تاکہ رسید بھیجی جاسکے۔

انجینئر محمد حسنین خاں۔ صدر : 9631867066 ڈاکٹر زیڈ۔ ایچ۔ خاں۔ اعزازی سکریٹری

● E-mail: gmocde@yahoo.com.in ● Website: www.gmogaya.in ●

پٹنہ برانچ آفس پٹنہ شہر کے ہمدردان یتامیٰ اپنا چیک ڈرافٹ اور رقم دینے کے لئے ان سے رابطہ قائم کریں۔

جناب غلام محمد خاں۔ سمن پورہ، پٹنہ۔: 9934943229 جناب انجینیر محمد حسنین خاں۔ سمن پورہ، پٹنہ۔: 9631867066

زکوٰۃ اور عطیات وغیرہ کی رقم جمع کرنے کے لئے گیا شہر میں بنائے گئے مراکز (CENTER)

(1) شکیل احمد صاحب: ممبئی اسٹور، بزازہ روڈ، چھتہ مسجد گیا۔ (2) ڈاکٹر امیر الدین خاں صاحب: بھارت ہومیو اسٹور، اے این روڈ، گیا۔ (3) ڈاکٹر بی۔ اے خاں صاحب: ترد ریلوے کوارٹر، گیا۔ (4) ڈاکٹر تنویر صاحب: ملت اسپتال، گیا۔ (5) ڈاکٹر زیڈ۔ ایچ خاں صاحب: وہائٹ ہاؤس کمپاؤنڈ، گیا۔ (6) منصور صاحب: کارڈ سنٹر، معروف گنج، گیا۔

وفیات Obituaries

تحقیق و ترتیب: محمد عارف اقبال

(مولانا) سیّد سلمان حسینی ندوی

(دانشور، مفکر، عالم دین)

بین الاقوامی شہرت یافتہ عالم دین، سابق رکن آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ کے سابق استاذ اور اردو، عربی و فارسی زبانوں میں درجنوں کتابوں کے مصنف (مولانا) سیّد سلمان حسینی ندوی کا طویل علالت کے بعد پیر 29 جون 2026 کو فجر کی نماز سے قبل انتقال ہو گیا۔ انہوں نے لکھنؤ میں آخری سانس لی۔ ان کی عمر تقریباً 74 برس تھی۔ ان کی نمازِ جنازہ جامعہ سیّد احمد شہید کٹولی ملیح آباد میں 29 جون 2026 کو ہی بعد نماز عصر ادا کی گئی اور جامعہ میں ہی سپرد خاک کیا گیا۔ سیّد سلمان حسینی ندوی 1952 میں ایک علمی و دینی خانوادے میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد سیّد محمد طاہر حسینی، مظفر نگر ضلع سے تعلق رکھتے تھے۔ والدہ معروف عالم دین ڈاکٹر سیّد عبدالعلی حسنی ندوی کی بیٹی تھیں۔ انہیں حضرت (مولانا) سیّد ابوالحسن علی حسینی ندوی کی خصوصی تربیت اور سرپرستی حاصل رہی۔ ابتدائی اور اعلیٰ دینی تعلیم (1974 میں عالمیت، 1976 میں فضیلت) دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ سے حاصل کرنے کے بعد انہوں نے حدیث، دعوت اور اسلامی علوم میں تخصص کیا۔ بعد ازاں امام محمد بن سعود اسلامی یونیورسٹی، ریاض سے بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور علم حدیث میں تحقیقی خدمات انجام دیں۔ انہوں نے کئی دہائیوں تک دارالعلوم ندوۃ العلما میں تدریسی خدمات انجام دیں، جہاں وہ استاذ حدیث اور بعد میں فیکلٹی آف دعوت کے ڈین بھی رہے۔ اس دوران ہزاروں طلبا نے ان سے حدیث، فقہ، دعوت اور دیگر اسلامی علوم کی تعلیم حاصل کی۔ تعلیم اور دعوت کے فروغ کے لیے انہوں نے 1985 میں جامعہ سید احمد شہید کٹولی کی بنیاد رکھی، جہاں دینی اور عصری تعلیم کے امتزج کو فروغ دیا گیا۔ اس کے علاوہ وہ متعدد تعلیمی، سماجی اور رفاہی اداروں کی سرپرستی اور قیادت سے بھی وابستہ رہے۔ انہوں نے بچیوں اور بچوں کی تعلیم کے لیے مختلف مدارس قائم کیے، جب کہ یونانی میڈیکل کالج سمیت دیگر تعلیمی منصوبوں کی بھی سرپرستی کی۔ مدرسے کے ایسے طلبا جو ڈاکٹر انجینئر بنانا چاہتے تھے، ن کے لیے خصوصی کوچنگ کا بھی انتظام کیا، جہاں شاہین گروپ کے تعاون سے سینکڑوں طلبا وطالبات زیر تعلیم ہیں۔

(مولانا) سیّد سلمان حسینی ندوی عربی، اردو اور انگریزی زبانوں پر یکساں عبور رکھتے تھے۔ انہوں نے سیرت، حدیث، فقہ اور معاصر مسائل پر درجنوں کتابیں اور تحقیقی مقالات اردو کے ساتھ عربی میں تصنیف کیے، جن سے ملک و بیرون ملک کے علمی حلقوں نے استفادہ کیا۔ اردو میں ان کی چند مشہور کتابوں میں مذکراتی (خودنوشت)، خطبات بنگلور، خطبات سیرت، سفرنامہ ایک طالب علم کا، ہمارا نصاب تعلیم کیا ہو، شامل ہیں۔

سیّد سلمان حسینی ندوی کا نمایاں پہلو ان کی غیر معمولی خطابت تھی۔ وہ سامعین کو نہ صرف متاثر کرتے تھے بلکہ انہیں سوچنے، غور کرنے اور عملی طور پر تیار رہنے کے لیے آمادہ کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ روحانیت اور تزکیہ نفس کے حوالے سے بھی ان کا مقام نمایاں ہے۔ انہوں نے اکابر اہل علم و تصوف سے روحانی فیض حاصل کیا اور اصلاح باطن کو علم کا لازمی حصہ قرار دیا۔

شاہ عمران حسن نے سیّد سلمان حسینی ندوی کے انتقال کے بعد ایک طویل مضمون قلم بند کیا ہے۔ اپنے مضمون میں وہ لکھتے ہیں کہ سیّد سلمان حسینی ندوی کا تدریسی اسلوب تحقیق، استدلال، وسعت نظر اور فکری توازن کا حسین امتزاج تھا۔ عربی زبان و ادب پر ان کی گرفت مضبوط تھی۔ عرب دنیا کے جید اہل علم بھی ان کی عربی دانی کے معترف تھے۔ اردو زبان پر بھی غیر معمولی عبور حاصل تھا۔ یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ زندگی کے آخری برسوں میں (مولانا) سیّد سلمان حسینی ندوی کے بعض آراء کو لے کر علمی حلقوں میں شدید اختلافات پیدا ہوئے۔ خصوصاً قرآن کریم کے تیس پاروں اور بعض صحابہ کرامؓ سے متعلق ان کے بیانات پر ہندوستان کے مختلف علمی اور دینی مراکز سے سخت اعتراضات سامنے آئے۔ اختلافات اس حد تک بڑھ گئے کہ انہیں دارالعلوم ندوۃ العلما سے بھی علاحدہ کر دیا گیا۔ ان کے

افکار پر تنقیدی مضامین لکھے گئے۔ سوشل میڈیا پر بحث وتنقید کا سلسلہ جاری ہوگیا۔ شاہ عمران حسن مزید لکھتے ہیں:

''ہماری علمی تاریخ اس حقیقت کی روشن گواہ ہے کہ اختلاف ہمیشہ اہل علم کے درمیان موجود رہا ہے، ائمہ، محدثین، فقہا اور مفسرین کے درمیان بھی متعدد علمی اختلافات رونما ہوئے لیکن ان اختلافات نے نہ کبھی ان کے مقام ومرتبہ کو کم کیا اور نہ ہی ان کی علمی عظمت کو متاثر کیا۔''

شاہ عمران حسن آخر میں لکھتے ہیں کہ ہم اختلاف کے باوجود انصاف کرنا سیکھیں، زندہ اہل علم کی قدر کریں، ان کے علم سے فیضیاب ہوں، ان کی خدمات کا برملا اعتراف کریں اور شخصیت پرستی یا شخصیت کشی کے بجائے علمی دیانت، اعتدال، انصاف اور حسنِ ظن کا راستہ اختیار کریں۔ اللہ تعالیٰ (مولانا) سیّد سلمان حسینی ندوی کی مغفرت فرمائے، ان کے حسنات کو شرف قبولیت عطا فرمائے... انہیں جوارِ رحمت میں اعلیٰ مقام عطا کرے... آمین!◆◆

ڈاکٹر بانو سرتاج

(افسانہ نگار، ادب اطفال کی ادیبہ)

معروف افسانہ نگار اور ادب اطفال کی ممتاز ادیبہ ڈاکٹر بانو سرتاج جمعرات 13 اگست 2026 کو اپنے آبائی شہر ایوت محل میں انتقال کر گئیں۔ ان کی عمر تقریباً 81 برس تھی۔ وہ درس و تدریس کا تقریباً 31 برسوں کا تجربہ رکھتی تھیں۔ شوہر کے انتقال کے بعد بانو سرتاج اپنے آبائی شہر ایوت محل منتقل ہوگئی تھیں۔ ڈاکٹر بانو سرتاج کے افسانے، ڈرامے، لوک کہانیاں، تنقید، طنز ومزاح، ناول اور ادب اطفال وغیرہ کے حوالے سے اب تک تقریباً پانچ درجن سے زائد کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ ساتھ ہی ہندی میں بھی ان کی کتابیں چھپتی رہی ہیں۔ اردو ہندی کی 30 سے زائد کتابوں کو انعام کا مستحق قرار دیا گیا۔ ان کی پہلی تخلیق 'دائروں کا قیدی' (افسانوں کا مجموعہ) 1992 میں شائع ہوئی تھی۔ 1993 میں اس کتاب پر مہاراشٹر ریاستی اردو اکادمی کا انعام ملا۔ اس کے بعد پے در پے ان کی کتابوں کو انعام کا مستحق قرار دیا گیا۔ ایوارڈ اور اعزازات کی فہرست لمبی ہے۔ 1997 میں ہندی میں لکھی گئی کتاب 'تیسرے راستے کا مسافر' پر اس وقت کے صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر شنکر دیال شرما کی طرف سے اعزاز حاصل ہوا۔ ساہتیہ اکادمی، نئی دہلی کی طرف سے 2015 میں ادب اطفال (یک بابی ڈرامے) ایوارڈ دیا گیا۔

ڈاکٹر بانو سرتاج 17 جولائی 1945 کو پانڈھر کوڑ، ضلع ایوت محل (مہاراشٹر) میں پیدا ہوئیں۔ لیکن ان کی زندگی کا طویل عرصہ مہاراشٹر کے چندر پور میں گزرا۔ اسی سنگلاخ خطے سے انہوں نے اپنے قلمی سفر کا آغاز کیا۔ انہوں نے شری سائی بابا کالج آف ایجوکیشن، گڑچرولی میں پروفیسر اور صدر شعبہ ایم ایڈ کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ شری سائی بابا گروپ آف ایجوکیشن کالجز کی ڈائرکٹر بھی بنائی گئیں۔ بانو سرتاج نے جنتا کالج آف ایجوکیشن، چندر پور میں بحیثیت پرنسپل خدمات انجام دیں۔ انہوں نے اردو کے علاوہ ہندی اور تاریخ میں ایم اے کیا۔ پھر ایم ایڈ کے بعد تعلیم (Education) میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی تھی۔ وہ مراٹھی زبان سے اچھی واقفیت رکھتی تھیں۔ گاندھیائی فکر سے اس طرح متاثر ہوئیں کہ گاندھی جی کی کتاب My Experiments with Truth بانو سرتاج کے لیے انقلابی ثابت ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے گاندھیائی فکر پر پوسٹ گریجویٹ ڈپلومہ بھی حاصل کیا۔

ڈاکٹر بانو سرتاج کا تعلیمی وتدریسی کریئر جس طرح شاندار رہا ہے، انہوں نے ادب کے میدان میں بھی مختلف اصناف میں چراغ روشن کیے۔ ان کا شمار ان خوش نصیبوں میں ہوتا ہے جن کی تخلیقات وتصنیفات کو قدر کی نظر سے دیکھا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی زندگی میں بانو سرتاج کو 80 سے زیادہ انعامات واعزازات سے نوازا گیا۔

ماہنامہ 'اچھا ساتھی' بجنور کے ایڈیٹر ڈاکٹر سراج الدین ندوی، ڈاکٹر بانو سرتاج کی ادبی خدمات سے بہت متاثر ہیں بالخصوص ادب طفال کے حوالے سے۔ ڈاکٹر بانو سرتاج ان کے رسالہ کے لیے بھی اپنی تخلیقات ارسال کرتی تھیں۔ اپنے طویل تعزیتی مضمون میں ڈاکٹر سراج الدین ندوی ایک جگہ لکھتے ہیں:

''اردو ادب کے فروغ کے سلسلے میں انہوں نے جو عملی کام کیا، وہ ہم سب کے لیے قابل ستائش بھی ہے اور قابل تقلید نمونہ بھی۔ خصوصاً خواتین کے حلقے میں اردو ادب کے لیے ان کی

خدمات کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ انہوں نے ایک ایسے زمانے میں اردو کے چراغ کو روشن رکھا جب اردو کے لیے ماحول ہر جگہ سازگار نہیں تھا۔ ان کا قلم چلتا رہا، رسائل کے صفحات آباد ہوتے رہے، بچوں کے لیے کتابیں آتی رہیں اور نئی نسل کے لیے ادب کا ایک وسیع ذخیرہ تیار ہوتا رہا۔ یہی کسی ادیب کی اصل کامیابی ہے کہ اس کے الفاظ اس کی زندگی کے بعد بھی دوسروں کی زندگی میں کچھ نہ کچھ روشنی پیدا کرتے رہیں۔''

''آج دنیائے ادبِ اطفال سوگوار ہے، مگر بانو سرتاج کے لفظ ابھی زندہ ہیں۔''

سات برس قبل 'اردو بک ریویو' (شمارہ جولائی تا ستمبر 2018) کے کتاب زندگی کالم میں بانو سرتاج کا ایک مختصر انٹرویو شائع ہوا تھا۔ جب ان سے سوال کیا گیا کہ ''وہ کون سی کتاب ہے جسے آپ بار بار پڑھنا چاہتی ہیں؟'' تو بانو سرتاج کا جواب تھا ''شفیق الرحمن کی شگوفہ اور ابن صفی کے ناول (قرآن پڑھنا میری پسند نہیں، میری ضرورت ہے میرا فرض ہے)۔''

اللہ رب العزت مرحومہ کی مغفرت فرمائے اور ان کی نیکیوں کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔آمین!♦♦ (محمد عارف اقبال)

ڈاکٹر محمد عمر چھاپرا (ماہر معاشیات)

پاکستان کے مشہور و معروف ماہرِ معاشیات ڈاکٹر عمر چھاپرا کا جدہ، سعودی عرب میں اتوار 14 جون 2026 کو انتقال ہو گیا ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ڈاکٹر عمر چھاپرا ایک بڑے اقتصادی ماہر، شفیق استاد اور اسلامی فکر و شعور رکھنے والے مربی تھے۔ ان کا شمار عالمِ اسلام کے چند چوٹی کے ماہرینِ معاشیات میں ہوتا تھا۔ انہیں اعلیٰ خدمات کے اعتراف میں سعودی عرب کا سب سے بڑا اعزاز ''کنگ فیصل ایوارڈ'' حاصل ہوا۔ اس کے علاوہ پاکستان اور ترکیہ کے اہم اعزازات سے بھی نوازا گیا۔ وہ اقتصادیات پر درجنوں معروف کتابوں کے مصنف تھے۔ وہ علامہ مودودیؒ کے افکار سے متاثر تھے اور زمانۂ طالبِ علمی میں اسلامی جمعیت طلبا سے وابستہ رہے۔ ان کا شمار پروفیسر خورشید احمد، ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری اور خرم جاہ مراد کے رفقا میں ہوتا تھا۔

ڈاکٹر عمر چھاپرا یکم فروری 1933 کو برطانوی ہند کے شہر بمبئی میں ایک معروف میمن تاجر، عبدالکریم چھاپرا کے ہاں پیدا ہوئے۔ قیامِ پاکستان کے بعد ان کا خاندان کراچی میں آباد ہو گیا۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے آبائی شہر بمبئی میں حاصل کی۔ 1950 میں سندھ یونیورسٹی سے گریجویشن کیا، جبکہ 1954 اور 1956 میں بالترتیب کراچی یونیورسٹی سے کامرس میں گریجویشن اور پوسٹ گریجویشن ڈگریاں حاصل کیں۔ بعد ازاں وہ اعلیٰ تعلیم کے لیے امریکہ منتقل ہو گئے، جہاں انہوں نے 1961 میں یونیورسٹی آف مینیسوٹا سے معاشیات اور عمرانیات میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ اس کے بعد 6 برس تک وسکونسن (Wisconsin) اور کینٹکی کی جامعات میں ایسوسی ایٹ پروفیسر کی حیثیت سے تدریسی اور تحقیقی خدمات انجام دیں۔

1965 میں انہیں سعودی عرب کی مالیاتی ایجنسی میں مالیاتی مشیر کے اعلیٰ عہدے کی پیش کش کی گئی۔ انہوں نے وزیرِ خزانہ شیخ محمد ابا لخیل کے ماتحت، شاہ فیصل کے دورِ حکومت میں کام کیا اور سعودی عرب کے بینکاری نظام کی تعمیر کے ساتھ ساتھ آئندہ کئی دہائیوں تک حکومت کی اقتصادی اور مالیاتی پالیسیوں کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔

1990 میں انہیں اسلامیات اور معاشیات کے شعبوں میں نمایاں خدمات پر 'کنگ فیصل انٹرنیشنل پرائز' سے نوازا گیا۔ انہیں سعودی شہریت بھی عطا کی گئی۔ 1995 میں انہیں معاشیات کے میدان میں خدمات کے اعتراف کے طور پر صدرِ پاکستان کی جانب سے انسٹی ٹیوٹ آف اوورسیز پاکستانیز کا تمغہ بھی دیا گیا۔

معاشیات کے شعبے میں ان کی گراں قدر خدمات کے اعتراف میں انہیں ان اعزازات کے علاوہ بھی متعدد ایوارڈز اور اعزازات سے نوازا گیا۔ ان میں 1989 کا اسلامک ڈیولپمنٹ بینک ایوارڈ برائے اسلامی معاشیات، ترکیہ کے صدر کی جانب سے 2014 میں استنبول میں COMCEC کی 30ویں سالگرہ کے موقع پر دیا جانے والا اکیڈمک ایوارڈ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ 500 ISLAMICA کی فہرست میں بھی ان کا نام عالمِ اسلام کی پچاس ممتاز ترین شخصیات میں شامل تھا،

جنہوں نے اسلامی معاشیات کے میدان میں عالمی سطح پر قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔

ڈاکٹر عمر چھاپرا نے گزشتہ کئی دہائیوں میں اسلامی معاشیات اور اسلامی مالیات کے میدان میں بنیادی اور گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ انہوں نے تقریباً 15 کتابیں اور تحقیقی رسائل (Monographs) تحریر کیے، جبکہ 90 سے زائد تحقیقی مقالات اور کتابوں پر تبصرے شائع کیے۔ ان کی نمایاں ترین تصانیف میں Towards a Just Monetary System (1985) شامل ہے۔ اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے یونیورسٹی آف ڈرہم کے پروفیسر ولسن نے Bulletin of the British Society for Middle Eastern Studies میں لکھا:

''یہ اب تک اسلامی مالیاتی نظریے کی سب سے واضح اور جامع تشریح ہے۔''

ڈاکٹر چھاپرا کی کتابوں کے متعدد زبانوں (بشمول اردو) میں تراجم ہو چکے ہیں اور دنیا بھر کی جامعات میں انہیں پڑھایا جاتا ہے۔ انہوں نے مختلف ممالک میں بے شمار خصوصی لیکچرز دیے اور سینکڑوں بین الاقوامی کانفرنسوں میں شرکت کی۔

ڈاکٹر چھاپرا نے اپنی زندگی کا دو تہائی حصہ سعودی عرب میں گزارا۔ سعودی مالیاتی ایجنسی میں تین عشروں سے زائد عرصہ خدمات انجام دینے کے بعد وہ اسلامک ڈیولپمنٹ بینک کے اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ میں ریسرچ ایڈوائزر کے طور پر خدمات انجام دیتے رہے۔ وہ آخری وقت تک تصنیف و تالیف کے کام میں مصروف رہے۔

وہ رائل اکنامک سوسائٹی (لندن)، امریکن اکنامک ایسوسی ایشن، سعودی اکنامک ایسوسی ایشن اور اسلامک اکنامک ایسوسی ایشن کے رکن تھے۔ اس کے علاوہ وہ معاشیات کے متعدد ممتاز بین الاقوامی جرائد کے ادارتی بورڈز کے بھی رکن رہ چکے تھے۔

انہوں نے دنیا کی متعدد معروف جامعات اور تحقیقی اداروں میں لیکچرز دیے، جن میں ہارورڈ لا اسکول، آکسفرڈ سینٹر فار اسلامک اسٹڈیز، لندن اسکول آف اکنامکس، لافبرو یونیورسٹی (برطانیہ) کے علاوہ میڈرڈ (اسپین) اور جاپان کی یونیورسٹیز شامل ہیں۔

ڈاکٹر عمر چھاپرا اسلامی جمعیت طلبا کے اولین معماروں میں سے آخری شخصیت تھے جو اب تک حیات تھے۔ ان کی وفات سے ان عظیم لوگوں کا ایک باب بند ہو گیا جنہوں نے اپنے زمانۂ طالب علمی کا قیمتی وقت اسلام کی سربلندی کے لیے وقف کیا، اس سے خود بھی فائدہ اٹھایا اور دوسروں کے لیے بھی مستحکم بنیادیں فراہم کیں۔

ان میں جمعیت کے بانیوں میں سے ایک، امامِ صحافت اور'اردو ڈائجسٹ' کے مدیر الطاف حسن قریشی، ریئر ایڈمرل احمد ضمیر، پروفیسر خورشید احمد، ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری، ڈاکٹر اسرار احمد، خرم جاہ مراد، عبداللہ جعفر، ڈاکٹر جمیل احمد خان، ڈاکٹر عبدالوہاب، حسین خان اور سینکڑوں دیگر افراد شامل ہیں۔ ♦♦

(عارف الحق عارف فالسم، کیلی فورنیا، امریکہ کے طویل مضمون سے ماخوذ)

عالم بدیع اعظمی

(ایک درویش صفت سیاست داں)

کچھ لوگ مرتے ہیں تو ایک عہد ان کے ساتھ رخصت ہو جاتا ہے۔ ہندوستانی سیاست میں صداقت، ایمان داری اور شرافت کی مثالی شخصیت عالم بدیع اعظمی بدھ 22 جولائی 2026 کی شب اپنے وطن اعظم گڑھ میں انتقال کر گئے۔ ان کی عمر تقریباً 90 برس تھی۔ کہا جاتا ہے کہ عالم بدیع کی رحلت دراصل اس باوقار سیاسی روایت کے خاتمے کا اعلان تھی جس کی بنیاد ڈاکٹر عبدالجلیل فریدی نے'مسلم مجلس' کی شکل میں رکھی تھی۔ عالم بدیع اعظمی اسی'مسلم مجلس' کی آخری یادگار تھے۔

عالم بدیع اعظمی 16 مارچ 1936 کو اعظم گڑھ کے ونداول گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گورکھپور میں حاصل کی۔ انٹرمیڈیٹ کے بعد سول انجینئرنگ میں ڈپلوما کیا۔ 1967 میں اتر پردیش کے محکمہ آبپاشی میں جونیئر انجینئر کی حیثیت سے ان کا تقرر ہوا۔ لیکن انہوں نے اپنی پیشہ ورانہ زندگی کو آسودگی کا زینہ نہیں بنایا۔ اس کے برعکس ان کا دل عوام کی

خدمت کے لیے دھڑکتا تھا۔ اس لیے آسائش کے بجائے انہوں نے جدو جہد کو اپنا مقصد حیات بنایا۔عملی سیاست کا آغاز ڈاکٹر فریدی کی 'مسلم مجلس' سے کیا۔ 1996 میں اعظم گڑھ کے نظام آباد حلقے سے پہلی بار ان کو سماجوادی پارٹی سے رکن اسمبلی منتخب کیا گیا۔ 2002 میں بھی عوام نے ان پر اعتماد کا اظہار کیا۔ البتہ 2007 میں وہ بہوجن سماج پارٹی کے امیدوار انگد یادو سے شکست سے دو چار ہوئے۔لیکن عوام نے جلد ہی بدیع اعظمی کے شفاف کردار اور دیانت داری کا ایسا صلہ دیا کہ 2012، 2017 اور 2022 میں لگا تار فتح یاب ہو کر اسمبلی پہنچے۔عوام نے عالم بدیع اعظمی کی سادگی اور خدمت کے جذبات کو بخوبی سمجھ لیا تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ یہ سادہ لباس مومن سیاست داں سائیکل یا رکشہ پر سفر کرنے میں عار محسوس نہیں کرتا۔محمد اویس سنبھلی اپنے طویل مضمون میں لکھتے ہیں:

''عالم بدیع اعظمی کی شخصیت کا ایک اور پہلو ایسا تھا جس کا ذکر شاید تذکروں میں کم ملے،لیکن میرے نزدیک یہی ان کی اصل عظمت تھی۔ وہ صحافیوں، کالم نگاروں کی بے حد قدر کرتے تھے۔ اچھی تحریر کو صرف پڑھتے ہی نہیں تھے بلکہ اس پر اپنی رائے بھی دیتے تھے۔ سیاسی مصروفیات کے باوجود مطالعہ ان کی روزمرہ زندگی کا حصہ تھا۔ اردو اخبارات باقاعدگی سے ان کی میز پر آتے تھے اور ملک وملت کے مسائل پر لکھی جانے والی سنجیدہ تحریریں ان کی مستقل دلچسپی کا موضوع تھے۔''

کہا جاتا ہے کہ آزادی کے بعد کی مسلم تحریکوں اور مسلم قائدین کی پوری تاریخ عالم بدیع اعظمی کو ازبر تھی۔ عوام کی خدمت اور ضرورت مندوں کے کام آنا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ اس لیے خیال کیا جاتا ہے کہ عالم بدیع کی رحلت قومی اور ملی سیاست کا بڑا نقصان ہے،لیکن اس نقصان کو ارباب قوم وملت کے وہی افراد محسوس کرسکتے ہیں جن کا ضمیر زندہ ہے۔ معصوم مرادآبادی اپنی تعزیتی تحریر میں لکھتے ہیں:

''... انہوں نے اپنی زندگی میں تاریخ کے کئی ابواب کو رقم ہوتے ہوئے دیکھا۔ ... عالم بدیع اعظمی کی خاص بات یہ تھی کہ وہ عوام کے پیچھے چلنے والے قائدین نہیں تھے۔ وہ مسلم مسائل کے انبار کے لیے غیروں سے زیادہ خود مسلمانوں کو ذمہ دار سمجھتے تھے۔ وہ مسلمانوں کی بے عملی، بے راہ روی اور نری جذباتیت سے شاکی تھے اور انہیں بے سمت ریوڑ تصور کرتے تھے۔ ... انہیں مطالعہ کا بے حد شوق تھا اور ہر بامقصد کتاب ان کی دسترس میں رہتی تھی۔ نہ صرف خود پڑھتے تھے بلکہ دوسروں کو پڑھنے اور سنبھلنے کی ترغیب دیتے تھے۔ کئی برس ہوئے ان سے جید صحافی جمیل مہدی کی یاد میں لکھنؤ میں منعقدہ ایک سمینار میں نیاز حاصل ہوا تھا۔اس کے بعد ان کا یہ معمول تھا کہ تقریباً ہر روز فون کرکے ملی اور قومی مسائل پر تبادلۂ خیال کرتے تھے۔ ان کے اندر ملک وملت کی جو تڑپ تھی وہ بہت کم قائدین میں نظر آئی۔ وہ صحافیوں کے مسلسل رابطے میں رہتے تھے اور ان کے غم خوار بھی تھے۔''

محمد اویس سنبھلی لکھتے ہیں:

''عالم بدیع اعظمی اپنے حلقے کے ترقیاتی کاموں پر خود نظر رکھتے تھے۔ اگر کہیں سڑک یا کسی دوسرے سرکاری منصوبے میں معیار سے سمجھوتا ہوتا دکھائی دیتا تو متعلقہ افسران اور ٹھیکے داروں کو خوب کھری کھوٹی سناتے تھے۔ ان کے نزدیک عوام کا پیسہ ایک امانت تھا،جس میں خیانت کسی صورت برداشت نہیں کی جاسکتی تھی۔ اسی لیے ان کے مخالفین بھی ان کی دیانت داری پر انگلی نہیں اٹھا سکے۔ یہ بھی ان کی شخصیت کا ایک حیرت انگیز پہلو تھا کہ وہ سیاست میں رہ کر بھی سیاست کی عام بیماریوں سے محفوظ رہے۔ نہ اقتدار نے ان کی طبیعت میں غرور پیدا کیا، نہ مسلسل کامیابیوں نے ان کے قدم زمین سے اٹھنے دیے۔ وہ آج بھی اتنے ہی سادہ تھے، جتنے اپنی سیاسی زندگی کے آغاز میں تھے۔ شاید اسی لیے عوام بھی انہیں اپنا سمجھتے تھے اور سیاسی مخالفین بھی ان کا احترام کرتے تھے۔''

عالم بدیع اعظمی پانچ مرتبہ اسمبلی کے لیے منتخب ہوئے۔آج اپنے علاقے کا اسمبلی ممبر کس قدر دبنگ ہوتا ہے اور کس طرح لال بتی لگا کر گاڑی میں دندناتا پھرتا ہے،تصور کیجیے کہ وہ ہمیشہ معمولی کی پیڈ والا موبائل رابطے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ سادگی اتنی کہ وہ اپنے کمرے میں خود ہی جھاڑو لگاتے تھے۔ معمولی کرتا پاجامہ زیب تن کرتے۔معصوم مرادآباد لکھتے ہیں:

''عالم بدیع اعظمی، اعظم گڑھ کے نظام آباد حلقے سے 1996 سے سماج وادی پارٹی کے ٹکٹ پر مسلسل کامیاب ہو رہے تھے۔

یہ ایک ایسا حلقہ ہے جہاں 90 فیصد آبادی غیر مسلم ہے۔ ان کی عوامی خدمت کی وجہ سے علاقہ کے لوگ ان کے اس قدر مداح تھے کہ ان کے علاوہ کسی کو ووٹ نہیں دیتے تھے۔ انہوں نے گزشتہ اسمبلی انتخابات میں بی جے پی امیدوار کو 34 ہزار سے زیادہ ووٹوں سے شکست دی تھی۔ ... وہ روڈ ویز کی بسوں میں سفر کرتے تھے اور اپنے حلقہ میں لوگوں سے لفٹ لے کر ایک جگہ سے دوسری جگہ جایا کرتے تھے۔''

محمد اویس سنبھلی اپنے مضمون کے آخر میں لکھتے ہیں:

''عالم بدیع اعظمی نے اپنی پوری زندگی سے یہ سبق دیا کہ عوامی نمائندگی دولت، پروٹوکول اور اشتہار بازی سے نہیں بلکہ اعتماد، دیانت اور مسلسل خدمت سے حاصل ہوتی ہے۔ کاش ہمارے سیاست دان مرحوم کے نقش قدم کو اپنا رہنما بنائیں۔ کاش وہ سمجھ سکیں کہ عوام کے دل جیتنے کے لیے بلند آواز نہیں، بلند کردار کی ضرورت ہوتی ہے۔

عالم بدیع اعظمی اب ہمارے درمیان نہیں رہے، لیکن ان کی سادگی، ان کی بے باکی، ان کی شرافت، ان کا خلوص اور ان کی عوامی وابستگی ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی کامل مغفرت فرمائے۔ آمین!'' ♦♦

اطہر عزیز

(صحافی، شاعر، ناشر)

اُردو کے ممتاز صحافی، ناشر اور معروف شاعر اطہر عزیز، پیر 10 اگست 2026 کو احمد آباد (گجرات) میں انتقال کر گئے۔

اطہر عزیز 25 جون 1944 کو کٹک (اُڑیسہ جسے اب اُڈیشہ کہا جاتا ہے) میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد منشی عبدالحکیم خاں تھے تو سب رجسٹرار مگر اُس دَور کے عام رُجحان اور کچھ دینی مزاج کے تحت موصوف نے اپنے فرزند ارجمند کو بغرضِ دینی تعلیم مفتاح العلوم، جلال آباد (اُتر پردیش) میں داخل کروا دیا، مگر وہ دینی تعلیم کے درجات پار نہیں کر پائے اور پھر مظفر پور میں پڑھنے لگے۔ 1969 میں اتکل یونیورسٹی (اڑیسہ) سے انہوں نے بی ایس سی کیا، 1970 میں الہ آباد یونیورسٹی میں ایم اے (اُردو) میں داخل ہوئے مگر خرابیٔ حالات کے سبب یہ تعلیم بھی مکمل نہیں ہو سکی۔ جبکہ ایم اے سال اول کا امتحان وہ پاس کر چکے تھے۔ انہوں نے اپنی عملی زندگی الہ آباد کی مشہور 'جیپ فلیش لائٹ کمپنی' کی ملازمت سے شروع کی اور پھر وہ دہلی منتقل ہو گئے جہاں وہ اُس وقت کے ممتاز اخبار 'قومی آواز' سے وابستہ ہوئے بعدۂ دہلی سے ممبئی آ گئے۔ ممبئی میں وہ روزنامہ 'انقلاب' کے شعبۂ ادارت میں (1983 تا 1989) کام کرنے لگے۔ انقلاب سے علاحدگی کے بعد 1985 میں ہفت روزہ سہارا بھوونیشور کے چیف ایڈیٹر بنائے گئے۔ لیکن جلد ہی انہوں نے اشتہارات کی ایک کمپنی 'ایڈ شاٹ' کے نام سے 1986 میں شروع کی، ساتھ ہی ایڈ شاٹ پبلی کیشنز کی داغ بیل ڈالی۔ اسی اشاعتی ادارے نے ممبئی کی اُردو دُنیا میں اُن کی ایک ساکھ بنائی۔ انہوں نے اس ادارے سے اُردو کی سو سے زاید کتابیں شائع کیں جن میں علی سردار جعفری کی مشہور کتاب پیغمبرانِ سخن، ترقی پسند، جدیدیت، مابعد جدیدیت (پروفیسر گوپی چند نارنگ)/شعری آگہی (باقر مہدی)، آبشار اور آتش فشاں (فضیل جعفری)، آزادی بٹوارہ اور مسلمان (ڈاکٹر رفیق زکریا)، ڈاکٹر اسد اللہ خان کی کتابیں آفاق گُم گشتہ، آسماں تسخیر اور 'مردِ آہن: سید نذر حسین' شامل ہیں۔ اطہر عزیز کے مزاج میں نفاست اور انفرادیت کے عنصر غالب تھے جو اُن کی شائع کردہ کتابوں میں جھلکتے تھے۔ اطہر عزیز 'حنیف کیفی: ذات اور جہات' اور 'مسلم پرسنل لا اور ملت بیداری' جیسی کتابوں کے شریک مرتب بھی رہے لیکن روزنامہ 'قومی آواز' کی ملازمت کے دوران (1980 سے 1983) انہوں نے (1982 میں) 'قومی آواز' کا 'اُردو بک سیلرز اور پبلشرز نمبر' مرتب کیا تھا جو چار سَو صفحات کی ضخامت اور ایک معیار کا حامل تھا، جو صحافتی کارکردگی میں اُن کا تشخص بنانے میں بنیاد بنا۔ یہ اردو پبلشرز نمبر ریختہ کی سائٹ پر ہے جسے دیکھ کر اُن کی صلاحیتوں کا خوب اندازہ ہوتا ہے۔ 2018 میں وہ ہندوستانی پرچار سبھا (ممبئی) کے ممتاز رسالے 'ہندستانی زبان' سے بھی وابستہ رہے۔ ان کی ادارت میں 'ہندستانی زبان' کے جو شمارے شائع ہوئے وہ اپنے الگ معیار کے حامل ہیں۔ اطہر عزیز ایک سنجیدہ شاعر کے طور پر بھی اپنی پہچان رکھتے تھے 'سود و زیاں' کے نام سے ان کا شعری مجموعہ بھی

شائع ہو چکا ہے۔ 2024 کے اواخر تک راقم کا اُن سے رابطہ رہا، وہ میرا روڈ ہی میں مستقل قیام پذیر تھے۔ راقم نے ان کے ساتھ روزنامہ 'انقلاب' میں کام کیا ہے۔ یاد آتا ہے جب (انقلاب میں) مہینے کی پہلی تاریخ کو انہوں نے پہلی تنخواہ پائی تو کہنے لگے:

''ندیم! ایک مدت سے اُردو صحافت سے تعلق ہے اور پہلی بار پہلی تاریخ کو پورم پور تنخواہ ملی ہے اور پھر انہوں نے اپنی نم آنکھوں کو ہم سے چھپالیا۔''

کسی زمانے میں وہ سہار (اندھیری۔ممبئ) میں اُردو کے مشہور اُستاد اور ادیب ایوب واقف کے ہمسائے رہ چکے ہیں، بتایا جاتا ہے کہ وہ اُردو کے قلمکار ہوتے ہوئے اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت میں بہت سنجیدہ تھے اور انہوں نے اپنی نئ نسل کو بساط بھر خوب تعلیمی زیور پہنایا۔ اِدھر ایک عرصے سے اُن کا اتہ پتہ نہیں تھا بس یہ اطلاع تھی کہ وہ اپنے بیٹے کے پاس دُبئ میں ہیں۔ اطہر عزیز 'اردو بک ریویو' کے خصوصی قارئین میں شامل تھے۔ دبئ جانے سے قبل تک وہ پابندی سے زرسالانہ بھیجتے رہے۔ 'اردو بک ریویو' (جنوری تا مارچ 2017) کے کتاب زندگی کے کالم میں ان کا مختصر انٹرویو بھی شائع ہوا تھا۔ ان سے ایک سوال یہ پوچھا گیا کہ ''ملک میں اردو کی بنیادی اور حقیقی ترقی کے اہم نکات کیا ہو سکتے ہیں؟ کیا اردو کی ترقی کے لیے اردو کو روزگار سے جوڑنا ناگزیر ہے؟'' اطہر عزیز نے یوں جواب دیا ''سب سے اہم نکتہ تو ہم اردو والوں میں بیداری کا ہے۔ اردو کو روزگار سے نہیں بلکہ روزگار پیشہ افراد کو اردو سے جڑنا ہے، تب ہی ترقی ممکن ہے۔'' تاہم اس اطلاع نے چونکایا کہ وہ احمد آباد میں تھے اور حال ہی میں وہ گھر میں گِر گئے اور سَر میں چوٹ اتنی شدید تھی کہ اطہر عزیز کوما کے شکار ہو گئے۔ اسی حالت میں پیر 10 اگست کو انتقال کر گئے۔ افسوس ہمیں اُن کی سناونی بھی دو دِن بعد ملی۔ انقلاب ہی کی ملازمت کے زمانے سے اطہر عزیز سے ایک خاص قربت رہی، وہ جب تک میرا روڈ میں رہے تو ہفتے عشرے میں ان کا فون ضرور آتا تھا۔ انہوں نے ایک دن اپنی سوانحی سرگزشت یہ کہہ کر بھیجی کہ ''کسی وقت یہ تمہارے کام آئے گی'' اور اپنے بیٹے 'شہزاد' کا موبائل نمبر بھی دیا مگر کوئی ڈیڑھ برس کی مدت ہوتی ہے کہ شہزاد میاں سے باوجود کوشش، رابطے میں ہم ناکام رہے۔ اطہر عزیز کی رِحلت کی خبر نے ذہن میں انہی کا یہ شعر تازہ کر دیا:

زندگی! آ کبھی مُڑ کر ذرا دیکھیں تو سہی
کتنے زخموں کے قدم راہ میں چھوڑ آئے ہیں

(تحریر: ندیم صدیقی، ممبئ)

◆◆

پروفیسر وہاب قیصر

(مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے سابق انچارج وائس چانسلر)

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد کے اولین کنٹرولر برائے امتحانات اور سابق انچارج وائس چانسلر پروفیسر وہاب قیصر جمعہ 24 جولائی 2026 کو دن میں گیارہ بجے انتقال کر گئے۔ ان کی عمر تقریباً 77 برس تھی۔ 30 ستمبر 2014 کو وہ سبکدوش ہوئے لیکن یونیورسٹی نے ان کی خدمات سے استفادہ کا سلسلہ جاری رکھا۔ انہیں انچارج کنٹرولر امتحانات کی دوبارہ ذمہ داری دی گئی۔ وہ 'آفیسر آن اسپیشل ڈیوٹی' (OSD) کے عہدے پر بھی مامور رہے اور 2018 تک خدمات انجام دیتے رہے۔ وہ انتہائی منکسرالمزاج تھے۔ اپنی شگفتہ مزاجی کے باعث وہ یونیورسٹی کے تمام ادبی حلقوں میں قدرومنزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کے پس ماندگان میں اہلیہ نصرت زمانی ہیں۔

پروفیسر وہاب قیصر (اصل نام سیّد عبدالوہاب) 5 ستمبر 1948 یا 1949 کو پیدا ہوئے۔ ان کا شمار مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے ممتاز اردو اسکالرز میں ہوتا تھا۔ وہ ممتاز کالج، حیدراباد کے پرنسپل بھی رہے۔ انہوں نے 2002 میں 'مانو' کے کنٹرولر امتحانات کی حیثیت سے پنی خدمات کا آغاز کیا تھا۔ پروفیسر وہاب قیصر 8 جنوری 2003 کو مانو (MANUU) کے اولین وائس چانسلر (VC) پروفیسر شمیم جیراج پوری (مرحوم) سے 'وی سی' کے عہدہ کا چارج لیا تھا۔ انہوں نے یہ ذمہ داری 2004 میں پروفیسر اے ایم پٹھان کے عہدہ سنبھالنے تک نبھائی۔ پروفیسر وہاب قیصر نے فزکس میں ڈاکٹریٹ کی تھی لیکن

اردو زبان و ادب سے نہ صرف وہ گہرا شغف رکھتے تھے بلکہ اردو کے اوریجنل اسکالر تھے۔ انہوں نے اردو میں کئی اہم کتابیں تصنیف کیں جن میں 'سائنس اور غالب' (2000) کتاب کو بے حد پذیرائی حاصل ہوئی۔

پروفیسر وہاب قیصر کی دیگر کتابوں میں منظر بہ چشم غالب (2012)، مولانا آزاد کی سائنسی بصیرت (2004)، مولانا ابوالکلام آزاد: فکر و عمل کے چند زاویے (2009)، مولانا آزاد کے سائنسی مضامین (2006)، سوالوں میں رنگ بھرے: سائنسی مضامین (2011، 2013)، سائنس کے نئے افق (1996)، ماحولیات مطالعہ (1994) شامل ہیں۔ ♦♦

یاسمین شیخ

(مراٹھی ادیبہ، ماہر لسانیات)

معمر ادیبہ اور ماہر لسانیات یاسمین شیخ کا 101 سال کی عمر میں غالباً 24 اگست 2026 کو پونے (مہاراشٹر) کے ایک اولڈ ایج ہوم میں انتقال ہوگیا۔ پس ماندگان میں ان کی دو بیٹیاں ڈاکٹر شمع اور ڈاکٹر رخسانہ شامل ہیں۔ یاسمین شیخ کو گرامر کا ماہر سمجھا جاتا تھا۔ انہوں نے بطور مشیر کئی اداروں میں خدمات انجام دیں۔

یاسمین شیخ کی پیدائش 21 جون 1925 کو پونے میں ایک یہودی گھرانے میں ہوئی۔ ان کے والد ایک سرکاری ملازم تھے۔ انہوں نے پونے کے ایس پی کالج سے بی اے کی ڈگری لی اور مراٹھی زبان میں مہارت حاصل کی۔ پروفیسر ایس ایم ماٹے اور پروفیسر کے این والٹوے ان کے اساتذہ میں شامل تھے۔ انہوں نے مراٹھی زبان و ادب میں ایم اے کی ڈگری بھی حاصل کی۔ یاسمین شیخ کا گھریلو نام جیرو شا روبین تھا۔ 1949 میں عبدالعزیز ابراہیم شیخ سے ان کی شادی ہوئی تو وہ یاسمین شیخ بن گئیں۔ یاسمین شیخ نے اورنگ آباد کے ملند کالج اور ممبئ کے کے ایس آئی ایس کالج میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ یاسمین شیخ کو پروشتم بھاگوت اور ورندا کرندیکر جیسے ادیبوں کے ساتھ بھی کام کرنے کا موقع ملا۔ حتیٰ کہ انہیں مراٹھی کا شعبہ صدر بنایا گیا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد بھی انہوں نے ادب اور لسانیات سے رشتہ قائم رکھا۔ انہوں نے مقابلہ جاتی امتحانات خاص کر آئی اے ایس اور آئی پی ایس امتحانات میں حصہ لینے والے طلبا کو مراٹھی کی باریکیاں سکھانی شروع کیں۔ دریں اثنا انہوں نے لسانیاتی تصانیف پر بھی کام کیا۔ ان کی تین کتابیں 'مراٹھی لیکھن مارگ درشکا'، 'شبد لیکھن کوش' اور 'سُگم مراٹھی ویاکرن کوش' شائع ہوئیں۔

یاسمین شیخ کو مراٹھی سمّیلن کی طرف سے اعزاز بھی دیا گیا۔ ان کی آخری رسومات میں مراٹھی ادیب حاضر رہے۔ مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ دیویندر فرنویس نے یاسمین شیخ کے انتقال پر کہا کہ ''ڈاکٹر شیخ نے اپنی پوری زندگی مراٹھی زبان، لسانیات اور قواعد کے مطالعے اور فروغ کے لیے وقف کردی۔ مراٹھی زبان نے ایک مخلص اور دانشور شخصیت کو کھو دیا۔'' ♦♦

مہ جبیں اختر

(مترجم و ادیب)

ترقی اردو بیورو (موجودہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان) کی کارکن مہ جبیں اختر کا پیر 15 جون 2026 کو دہلی میں 72 برس کی عمر میں انتقال ہوگیا۔ ان کی تدفین دہلی گیٹ کے قبرستان میں ہوئی۔ وہ سنجیون ہسپتال میں زیر علاج تھیں۔

مہ جبیں اختر کی پیدائش 14 اکتوبر 1953 کو دہلی میں ہوئی۔ ان کے والد کا نام رونق علی صدیقی تھا۔ مہ جبیں نے ایم اے (اردو) اور بی لب دہلی یونیورسٹی سے کیا۔ انہوں نے نومبر 1978 سے مارچ 1998 تک ترقی اردو بیورو میں بحیثیت ریسرچ اسسٹنٹ کام کیا۔ اس کے بعد وہ نیشنل گیلری آف موڈرن آرٹ چلی گئیں۔ وہاں اپریل 1998 سے اکتوبر 2013 تک بحیثیت اسسٹنٹ لائبریری اینڈ انفارمیشن آفیسر (ALIO) کام کیا اور وہیں سے ریٹائرڈ ہوئیں۔ انہوں نے کئی کتابوں کے ترجمے کیے جیسے 'عہدۂ ناظم کتب خانہ داری: ایک تعارف'، 'ذرائع نقل وحمل کی ابتدا' اور 'تیز تر اور دور تر (نقل وحمل کی کہانی)' تینوں کتابیں ترقی اردو بیورو سے ہی شائع ہوئی ہیں۔ انہوں نے اردو انگریزی میں کئی مضامین بھی تحریر کیے ہیں۔ مہ جبیں اختر نے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان (NCPUL) کے ذریعے شائع کردہ جامع انگلش — اردو

ڈکشنری کی مشترکہ تدوین بھی کی ہے۔ انہیں ان کی خدمات کے صلے میں اتر پردیش اردو اکیڈمی نے اردو ترجمے کے ایوارڈ سے بھی نوازا ہے۔ ♦♦

(اردو دنیا، شمارہ اگست 2026 سے ماخوذ)

محترمہ بسمل صابری (شاعرہ)

معروف اور ممتاز شاعرہ بسمل صابری کا بدھ 29 جولائی 2026 کو ساہیوال (پاکستان) میں انتقال ہوگیا۔ پیشے کے اعتبار سے وہ ساہیوال کی طالبات کے کالج میں فزیکل ایجوکیشن کی ڈائرکٹر کے عہدے پر فائز رہیں۔ ان کی عمر تقریباً 88 برس تھی۔

محترمہ بسمل صابری کی پیدائش 22 ستمبر 1938 کو ہوئی۔ گھر والوں نے ان کا نام بسمل اللّٰہ بیگم رکھا۔ شاعری شروع کی تو بسمل صابری بنیں۔ بسمل صابری کے بقول 1960 میں ثریا علیگ (ایم اے) نے خواتین کا کُل پاکستان انعامی مشاعرہ کرایا تھا۔ اخبار 'امروز' میں اشتہار دیکھ کر وہ بقول ان کے 'تک بندی' لے کر ساہیوال سے وائی ایم سی اے ہال لاہور پہنچ گئیں۔ مشاعرے کے منصفین میں فیض احمد فیض، صوفی تبسم، احسان دانش اور قتیل شفائی جیسے اکابر تھے۔ نتیجے کا اعلان ہوا تو بہترین کلام کا پہلا انعام ہی نہیں، بہترین ترنم کا اول انعام بھی بسمل صابری کو ملا۔ اس کے بعد ملک کے ہر بڑے مشاعرے کا وہ لازمی حصہ بن گئیں۔

بسمل صابری کے پانچ شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ 1998 میں 'پانی کا گھر'، 2011 میں 'روشنیوں کے رنگ'، 2013 میں 'یادوں کی بارشیں'، 2015 میں 'رس کی پھوہار' اور ایک نعتیہ شعری مجموعہ 'بیاض نظر' کی بے حد پذیرائی ہوئی۔ بسمل صابری کے دو اشعار دیکھیے:

وہ بے وفا ہی سہی آؤ اس کو یاد رکھیں
تمام عمر پڑی ہے اسے بھلانے میں

وہ عکس بن کے مری چشم تر میں رہتا ہے
عجیب شخص ہے پانی کے گھر میں رہتا ہے

♦♦

ظہیر عالم (شاعر و نغمہ نگار)

تاخیر سے ملنے والی اطلاع کے مطابق معروف و مقبول نغمہ نگار و شاعر ظہیر عالم اتوار 10 مئی 2026 کو رات گیارہ بجے انتقال کر گئے، وہ کچھ دنوں سے علیل تھے۔

ظہیر عالم یکم جون 1952 کو ناگپور میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام عبدالحفیظ تھا۔ وہ بنگری کے پیشے سے وابستہ تھے۔ معاشی تنگدستی کے باعث ظہیر عالم چوتھی جماعت سے آگے تعلیم حاصل نہ کر سکے مگر فطری شاعرانہ صلاحیت نے کم عمری ہی میں انہیں شعر و سخن کی دنیا سے جوڑ دیا۔

مشہور زمانہ گیت 'تم تو ٹھہرے پردیسی ساتھ کیا نبھاؤ گے' ظہیر عالم ہی نے لکھا تھا جسے الطاف راجا نے اپنی آواز سے مزین کیا تھا۔ گیت نے مقبولیت کے نئے ریکارڈ قائم کیے اور ظہیر عالم کو لازوال شہرت ملی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے بیشتر نغمے عوامی احساسات کی ایسی ترجمانی کرتے ہیں کہ دل میں اتر جاتے ہیں۔

ان کا ایک اور مقبول گیت آج بھی ملک و بیرون ملک ذوق وشوق سے سنا جاتا ہے:

ماں تیرے دودھ کا حق ہم سے ادا کیا ہوگا
تو جو ناراض ہو، خوش ہم سے خدا کیا ہوگا

ظہیر عالم کے کلام کی بڑی خوبی اس کی سادگی، عام فہم زبان اور جذبات کی سچی عکاسی ہے۔ ان کے غیر فلمی گیتوں اور نغموں نے پوری ایک نسل کو متاثر کیا۔

بات نغموں اور گیتوں کی چل رہی ہے تو دلتوں کے مسیحا بھیم راؤ امبیڈکر سے منسوب گیت کا ذکر بھی ضروری ہے جسے ان کے ماننے والے آج بھی عقیدت و احترام سے گاتے اور سنتے ہیں۔ اس کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

بھیم جی نے ہم دلتوں کو اونچا اٹھا دیا
ذرے کو آسمان کا تارا بنا دیا

شبدوں کی کل تلک ہمیں پہچان تک نہ تھی
لکھنا سکھا دیا ہمیں پڑھنا سکھا دیا

ایک دوسرے کا بوجھ اٹھانے لگے ہیں ہم
تم نے ہمارے ہاتھوں کو لوہا بنا دیا

شہرت ومقبولیت کی بلندیوں پر پہنچنے کے باوجود ظہیر عالم منکسر المزاج، تواضع و انکساری کے پیکر تھے۔ وہ زندگی کی حقیقتوں سے بخوبی واقف تھے۔ ان کا یہ شعر ان کی شخصیت کا آئینہ دار محسوس ہوتا ہے:

بہت اونچائیوں میں بھی بھٹک جانے کا خطرہ ہے
فضاؤں میں اڑو لیکن زمیں سے واسطہ رکھنا

ان کے بعض اشعار تو اردو دنیا میں مقبول خاص وعام ہیں۔ لوگ آج بھی ان اشعار کے خالق سے ناواقف ہیں۔

گھر سے نکلو تو پتہ جیب میں رکھ کر نکلو
حادثہ چہرے کی پہچان مٹا دیتا ہے

خاموش مزاجی تمھیں جینے نہیں دے گی
اس دور میں جینا ہے تو کہرام مچا دو

میرے بچوں کا صبر بھی کیا مثالی ہے
جارہے ہیں میلے میں اور جیب خالی ہے

یہ اشعار دراصل ہمارے معاشرے کی تلخ حقیقتوں کا آئینہ ہیں۔ ان میں نہ لفظوں کی ملمع سازی ہے اور نہ ہی تصنع و بناوٹ، اس لیے قاری متاثر ہوتا ہے۔

ظہیر عالم نے کبھی کلام کی اشاعت پر توجہ نہیں کی بلکہ اس معاملے میں وہ قدرے سست واقع ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا سارا کلام مختلف بیاضوں میں ان کے شکستہ قلم سے لکھا موجود ہے۔ ضرورت ہے کہ کلام زیور طباعت سے آراستہ ہوکر شایع ہوجائے تو یقیناً اردو شاعری میں خوشگوار اضافہ ہوگا۔

انتقال کے دس روز قبل ان کی رہائش گاہ پر ملاقات ہوئی تو اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنی جلدی دنیا سے رخصت ہوجائیں گے۔ البتہ اس وقت ان کی زبانی جو اشعار سنے تھے اس سے ایک انجانا ساخدشہ ضرور محسوس ہوا تھا۔ شعر ملاحظہ فرمایے:

مجھ کو معلوم ہے دنیا کی حقیقت کیا ہے
زندگی تو بھی چلی جائے گی دھوکہ دے کر

کیا اب نباہ کی کوئی صورت نہیں رہی
اے روح جارہی ہے بدن چھوڑ کر کہاں

خاک تو چھان چکے سارے جہاں کی عالَم
اب ہمیشہ جہاں رہنا ہے وہیں گھر دیکھو

اللہ نے ظہیر عالم صاحب کو تین بیٹیاں اور ایک بیٹے سے نوازا تھا۔ بیٹیاں شادی کے بعد اپنے گھروں میں خوش ہیں اور سعادت مند بیٹا گاڑیوں کا میکینک ہے۔

ان کی ساری زندگی شعر وسخن کی خدمت میں گزری۔ انہیں نہ ستائش کی طلب تھی نہ ہی شہرت کی آرزو۔ سادگی اور قناعت ان کی شخصیت کا نمایاں وصف تھا۔

اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے، جوار رحمت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین! ♦♦

(تحریر: ڈاکٹر اظہر حیات، ناگپور)
موبائل:9823704714

پروفیسر سیّد ظہیر حسین جعفری

(شعبہ تاریخ کے سابق استاد)

ممتاز مورخ پروفیسر ظہیر حسین جعفری کا منگل 14 جولائی 2026 کو انتقال ہوگیا۔ وہ تقریباً دو برس سے بستر علالت پر تھے۔ ان کا وطن اور خاندانی تعلق اتر پردیش کے ضلع رائے بریلی میں واقع تاریخی قصبہ سلون سے تھا۔ پروفیسر حسین جعفری 1957 میں پیدا ہوئے۔ وہ سلون کے معروف خانقاہ کریمیہ نعیمیہ سے وابستہ تھے۔ روحانی تعلق کا اظہار 2003 میں شائع ہونے والی ان کی کتاب 'مسند فقر وارشاد: تاریخ خانوادہ نعیمیہ کریمیہ سلون' سے ہوتا ہے۔ دہلی یونیورسٹی، شعبہ تاریخ کے سابق استاذ پروفیسر جعفری کا شمار نہایت لائق اساتذہ میں ہوتا تھا۔ پروفیسر حسین جعفری دہلوی یونیورسٹی میں شعبہ تاریخ کے 2007 سے 2010 تک صدر رہے۔ انڈین ہسٹری کانگریس سے ان کا خاص تعلق تھا۔ ان کے ڈاکٹریٹ کے لیے لکھا ہوا تحقیقی مقالہ (حذف واضافہ کے ساتھ) شائع ہوچکا ہے۔ انہوں نے اپنا

تحقیقی مقالہ پروفیسر عرفان حبیب کی نگرانی میں لکھا تھا۔ ان کے بڑے بھائی پروفیسر نقی حسین جعفری مرحوم کا تعلق جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی کے شعبہ انگریزی سے تھا۔ وہ اساتذہ کی کل ہند تنظیم کے عہدے دار بھی تھے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے فیض یافتہ پروفیسر جعفری ایک ممتاز محقق، نہایت شائستہ و باوقار شخصیت اور علم وفضل کے پیکر تھے۔ ان کو عہد وسطیٰ کی تاریخ پر اتھارٹی سمجھا جاتا تھا۔ جس زمانے میں ایودھیا کا تنازعہ شباب پر تھا، انہوں نے اس حوالے سے کئی ہوش رُبا انکشافات کیے تھے۔ ان کا انتقال دہلی میں ہوا لیکن ان کی تدفین ان کے آبائی شہر سلون، ضلع رائے بریلی (یوپی) میں ہوئی۔ پروفیسر حسین جعفری اپریل 2012 سے مارچ 2015 تک Indian History Congress کے سکریٹری رہے۔ ان کے انتقال پر انڈین ہسٹری کانگریس، علی گڑھ نے پروفیسر جعفری کی خدمات پر طویل وفات نامہ (Obituary) جاری کیا ہے۔ وہ عظیم استاد کے ساتھ بہترین مربی بھی تھے۔ انہوں نے تاریخ شناسوں کی کئی نسلوں کی آبیاری کی۔ اپنی علمی خدمات، انکساری اور خوش اخلاقی کے باعث ہر خاص وعام میں عزت، احترام اور محبت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ♦♦

(معصوم مرادآبادی کے مضمون سے جزوی طور پر ماخوذ)

جسٹس ایم ایس لبراہن

(بابری مسجد شہادت کی تحقیقاتی کمیشن کے سربراہ)

جسٹس (ریٹائرڈ) منموہن سنگھ لبراہن (ایم ایس لبراہن) جنہوں نے بابری مسجد شہادت کی تحقیقاتی کمیشن کی 17 سال سربراہی کی، اتوار 2 اگست 2026 کو چنڈی گڑھ میں انتقال کر گئے۔ ان کی عمر تقریباً 87 برس تھی۔ وہ مدراس ہائی کورٹ اور آندھرا پردیش ہائی کورٹ کے چیف جسٹس رہے۔ جسٹس ایم ایس لبراہن کو اس وقت کے وزیر اعظم پی وی نرسمہا راؤ نے بابری مسجد شہادت کی تحقیق کے لیے لبراہن کمیشن کا چیئرمین مقرر کیا تھا۔ جسٹس لبراہن نے 6 دسمبر 1992 کو کارسیوکوں کے ہاتھوں بابری مسجد کی شہادت کی جانچ رپورٹ تقریباً 17 سال بعد 30 جون 2009 کو سابق وزیر اعظم ڈاکٹر منموہن کو پیش کی تھی۔ انہوں نے اپنی رپورٹ میں بابری مسجد کی شہادت کو منصوبہ بند سازش قرار دیا تھا۔

ایم ایس لبراہن 11 نومبر 1938 کو چنڈی گڑھ کے ایک گاؤں میں معروف قانون داں چودھری بختاور سنگھ کے گھر پیدا ہوئے۔ ان کی تعلیم امبالا اور چنڈی گڑھ میں ہوئی۔ 10 اکتوبر 1962 کو انہوں نے بحیثیت وکیل امبالا کے ضلعی عدالت میں پریکٹس شروع کی۔ اس کے بعد وہ ہریانہ اسٹیٹ کے ایڈووکیٹ جنرل مقرر کیے گئے۔ جسٹس لبراہن 2009 تک لبراہن کمیشن کے چیئرمین رہے۔ دریں اثنا ان کو مدراس ہائی کورٹ سے آندھرا پردیش ہائی کورٹ ٹرانسفر کر دیا گیا۔ آندھرا پردیش ہائی کورٹ ہی سے جسٹس لبراہن اپنی خدمات سے باضابطہ سبکدوش (Retired) ہوئے۔

ایودھیا میں 6 دسمبر 1992 کو متنازع بابری مسجد کو ہندو انتہا پسندوں کے ذریعے شہید کرنے کے بعد 16 دسمبر 1992 کو اس کی انکوائری کے لیے جسٹس ایم ایس لبراہن کو تین مہینے کی مہلت دی گئی تھی۔ بابری مسجد کو شہید کرنے والی بھیڑ جسے 'کارسیوک' کہا جاتا ہے، اس کی تعداد ایک لاکھ پچاس ہزار کے قریب تھی۔ اس بھیڑ کی قیادت متعدد انتہا پسند ہندو تنظیموں اور جماعتوں کے سربراہ کر رہے تھے۔ ان کے سرخیل ایل کے اڈوانی تھے، جنہوں نے پورے ملک میں 'رتھ یاترا' نکال کر ہندو انتہا پسند تنظیموں کو اکسانے میں کلیدی رول ادا کیا تھا۔ انتہا پسند ہندوؤں کی اس بھیڑ کو بی جے پی کی سیاسی حمایت حاصل تھی۔ بابری مسجد کی شہادت کے بعد ایودھیا اور ملک کے دیگر حصوں میں فسادات کی وجہ سے کم سے کم دو ہزار افراد ہلاک ہوئے تھے۔ لبراہن کمیشن کو اپنی رپورٹ پیش کرنے کے لیے تین مہینے کا وقت ناکافی تھا۔ لہٰذا یونین ہوم منسٹری کی طرف سے تقریباً 48 مرتبہ مدت کی توسیع کی گئی۔ بالآخر 17 برسوں کے بعد 30 جون 2009 کو جسٹس لبراہن نے اپنی رپورٹ وزیر اعظم ڈاکٹر منموہن سنگھ کے سپرد کر دی۔ لیکن ایک دن کے بعد ہی اخبار میں اس رپورٹ کے مواد کے چند نکات شائع کر دیے گئے۔ پارلیمنٹ میں لبراہن کمیشن کی رپورٹ کو اس وقت کے وزیر داخلہ پی چدمبرم نے پیش کیا تھا۔ ♦♦

ڈاکٹر شہناز مزمل (تخلیق کار، شاعرہ)

معروف شاعرہ اور کئی درجن کتابوں کی مصنفہ ڈاکٹر شہناز مزمل منگل 14 جولائی 2026 کو اسلام آباد (پاکستان) میں انتقال کرگئیں۔ ان کا شعری اسلوب عفت، پاکیزگی اور شائستگی کا عکاس ہے۔

ڈاکٹر شہناز مزمل 10 اپریل 1948 کو فیصل آباد (پاکستان) کے ایک علمی و ادبی گھرانے میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد مزمل حسین قادری (حشر القادری) بھی ایک قادر الکلام شاعر تھے۔ ڈاکٹر شہناز کی پیشہ ورانہ زندگی کا آغاز بطور لائبریرین ہوا۔ ماڈل ٹاؤن لائبریری سمیت وہ قائد اعظم لائبریری، لاہور کی منتظم اعلیٰ رہیں۔ ان کی شاعری میں روایتی عشقیہ مضامین کے بجائے فکر و شعور، انسانی ہمدردی اور معاشرتی اقدار کی پاسداری نمایاں نظر آتی ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری میں عورت کے حقوق کی بھی وکالت کی ہے۔ شہناز مزمل نے نئے لکھنے والوں اور تخلیق کاروں کی آبیاری کے لیے اپنی رہائش گاہ پر 'ادب سرائے' کے نام سے ایک مستقل پلیٹ فارم قائم کر رکھا تھا۔ اس میں ملک کی نامور ادبی شخصیات شرکت کرتی تھیں۔ ان کے اب تک 15 شعری مجموعے اور 7 نثر کی کتب شائع ہو چکی ہیں۔ ان میں نورِ توکل، قرضِ وفا، جادہ عرفان اور 'کتابیاتِ اقبال' قابل ذکر ہیں۔ ان کی علمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں 'سلمیٰ تصدق ایوارڈ' دیا گیا۔ ◆◆

سیّد انور جاوید ہاشمی

(شاعر، محقق، نقاد)

معروف شاعر، محقق، نقاد اور ادیب سیّد انور جاوید ہاشمی جمعہ 24 جولائی 2026 کو کراچی میں انتقال کر گئے۔ وہ سرطان کے عارضے میں مبتلا تھے۔ نماز جنازہ بعد نماز جمعہ جامع مسجد احد، گارڈن سٹی، گلشنِ معمار، کراچی میں ادا کی گئی۔

سیّد انور جاوید ہاشمی 28 فروری 1953 کو سیّد عبداللہ ہاشمی کے گھر کراچی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد سیّد عبداللہ ہاشمی المعروف سالک الہاشمی علیگ حسرت موہانی کے شاگرد تھے۔ سالک ہاشمی اپنے زمانے کے معروف ادیب و شاعر ماہنامہ 'مضراب'، ماہنامہ 'الانسان' اور ترقی پسند ادب کے ترجمان جریدہ 'ترکش' کے مدیر رہے۔ انور جاوید ہاشمی نے 1974 میں جامعہ کراچی سے بی اے کی ڈگری لی تھی۔ لیکن ان کی شاعری کا آغاز اسکول وال میگزین 1966 کے ساتھ ہوا۔ ان کی پہلی تخلیق 'چاند کی تسخیر' ہمدرد نونہال کے ستمبر 1969 کے شمارے میں شائع ہوئی۔ ادبی صحافت سے منسلک ہونے کے بعد 1970 کی دہائی میں جن رسائل و اخبارات کے معاون مدیر رہے ان میں ہفت روزہ انکشاف، روزنامہ نئی روشنی، اعلان، ماہنامہ کشش، کھلتی کلیاں، نئی کرن، بچوں کا ہفتہ وار اخبار 'اقدام' وغیرہ شامل ہیں۔

انور جاوید ہاشمی کا کلام، مضامین و تبصرے پاکستان کے جن معیاری رسائل و جرائد میں شائع ہوئے ان میں ادب لطیف لاہور، تخلیق، اردو ادب، تجدید نو، چہار سو قابل ذکر ہیں۔ تصنیف و تالیف کے میدان میں ان کی تین کتابیں 'نئے بت پرانے پجاری'، 'مشاہدہ حق' اور 'تکلف برطرف' خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ ان پر روزنامہ جنگ کے مبصر شفیع عقیل نے بھی تبصرے کیے تھے۔ ان کے تنقیدی مضامین میں مطالعہ اہل قلم و تصانیف پر تبصرے کا مجموعہ 'کاغذ کا رزق'، کراچی کی منظوم تاریخ (مع حواشی و تشریحات)، جاپانی شاعری (شعرائے جاپان و پاکستان کی مختلف اصناف میں طبع زاد و ترجمہ شدہ شاعری کے تعارف و پر مبنی) ان کی ادبی قد و قامت میں اضافے کا باعث ہیں۔ ◆◆

(شمیم ریاض انصاری کی تحریر سے ماخوذ)

اصغر علی اسد جعفری

(معلم، مزاح نگار، شاعر)

اردو ادب کے نامور مزاح نگار، معلم، شاعر اور ڈرامہ نگار اصغر علی اسد جعفری کا منگل 22 اگست 2026 کو لاہور میں انتقال ہو گیا۔ نماز جنازہ اور تدفین بعد نماز عصر سوسائٹی قبرستان لاہور میں عمل میں آئی۔ ان کی عمر تقریباً 94 برس تھی۔ ان کے پس ماندگان میں معروف گلوکارہ و شاعرہ قندیل جعفری، نعمانہ جعفری اور وزارت خارجہ سے اپریل 2025 میں سبکدوش ہونے والے سفارت کار شکیل جعفری شامل ہیں۔

اصغر علی اسد جعفری 3 جون 1935 کو غلام حسین جعفری کے ہاں دریا خاں (بھکر) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد اسکول ٹیچر تھے۔ انہوں نے گورنمنٹ ایمرسن کالج ملتان سے گریجویشن مکمل کی۔ 1961 میں وہ میونسپل کمیٹی ہائی اسکول، بھکر میں بطور ہیڈ ماسٹر منتخب ہوئے۔ 24 سال تک وہ اس اسکول میں نئی نسل کی آبیاری کرتے رہے۔ 1985 سے 1990 تک انہوں نے ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر، بھکر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔

ادب میں اصغر علی اسد جعفری کی پہچان مزاح تھی، لیکن ایسا مزاح جو ہنساتے ہنساتے رُلا دیتا ہے۔ ان کے قطعات اردو مزاحیہ شاعری کا اثاثہ ہیں۔ قطعات کے دو مجموعے 'خندہ نوازی' اور 'ترا ہنسنا قیامت ہے' شائع ہوئے۔ ان کی سنجیدہ شاعری کا مجموعہ 'قندیلِ جاں' ان کے باطن کے چراغ کی لَو ہے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے پاکستان کی کئی فلموں کے لیے گیت لکھے۔ خوشیوں کے لیے سہرے اور رخصتیاں لکھیں اور غمِ آلِ محمدؐ میں نوحے بھی قلم بند کیے۔ وہ بیک وقت ڈرامہ نگار بھی تھے، مزاح نگار بھی اور مرثیہ گو بھی۔

اندر سے شکستہ جاں ہونے کے باوجود ان کے چہرے کی شاندار مسکراہٹ آخر دَم تک قائم رہی۔ یہی ان کا کمال تھا کہ وہ اپنا دکھ چھپا کر دوسروں کو ہنساتے رہے۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے۔ آمین! ♦♦

(ایم زیڈ کنول، لاہور کی تحریر سے ماخوذ)

غلام یزدانی ایڈووکیٹ

(ماہر قانون، سماجی مصلح)

حیدرآباد (دکن) کے ایک معروف بزرگ، ماہر قانون اور سماجی مصلح غلام یزدانی ایڈووکیٹ کا جمعرات 28 مئی 2026 کو انتقال ہو گیا۔ ان کی عمر تقریباً 98 برس تھی۔ وہ کئی سماجی و رفاہی تنظیموں سے وابستہ رہے۔ انوار العلوم، ممتاز کالج، اردو آرٹس ایوننگ کالج، اردو اورینٹل کالج وغیرہ کے وہ صدر و سکریٹری رہے۔ ان کو اردو زبان سے غیر معمولی لگاؤ تھا۔ مجاہد اردو حبیب الرحمن (مرحوم) کی سرپرستی میں اور مشہور زمانہ معالج ڈاکٹر سیّد عبدالمنان (مرحوم) کی معاونت میں غلام یزدانی نے سابق متحدہ ریاست آندھرا پردیش میں اردو کو اس کا دستوری حق دلانے کی بے تکان جدوجہد کی۔ وہ حیدرآبادی تہذیب کا جیتا جاگتا نمونہ اور راسخ العقیدہ مسلمان تھے۔ وہ انکسار اور خلوص کا پیکر تھے۔

غلام یزدانی 14 مارچ 1929 کو تلنگانہ کے ضلع میدک کے ایک گاؤں نارسنگی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد غلام صمدانی اس وقت انتقال کر گئے جب یزدانی چھٹی جماعت کے طالب علم تھے۔ غلام یزدانی نے 1946 میں H.S.C. کیا۔ سیف آباد سائنس کالج سے B.Sc کرنے کے بعد انہوں نے 1958 میں عثمانیہ یونیورسٹی کے ایوننگ کالج سے ایل ایل بی کی ڈگری لی اور پیشہ وکالت سے وابستہ ہو گئے۔ کچھ عرصہ انہوں نے مدرسہ آصفیہ میں سائنس ٹیچر کی حیثیت سے بھی کام کیا۔ لیکن پھر پیشہ وکالت کے لیے یکسو ہو گئے۔

غلام یزدانی کا اصل کارنامہ جامع مسجد عالیہ کی تعمیر جدید اور وہاں مختلف دینی اور علمی سرگرمیوں کا انعقاد ہے۔ وہ مسجد کو ایک مومن کے لیے ہمہ جہت تربیت گاہ تصور کرتے تھے۔ انہوں نے مسجد عالیہ کو اسلامی مرکز بنایا۔ مسجد عالیہ میں دینی و علمی محفلیں منعقد کی جاتیں۔ ان محفلوں میں اقبال شناسی، تاریخ اسلام نشست، شریعت انفارمیشن سروس شامل ہیں۔ 1990 میں 'اقبال شناسی' کا آغاز ہوا۔ اب تک اس کی 1250 نشستیں ہو چکی ہیں۔ 'تاریخ اسلام' کی نشست کا آغاز 2000ء میں ہوا اور اب تک اس کی 1140 نشستیں ہو چکی ہیں۔ ڈاکٹر سید اسلام الدین مجاہد 'تاریخ اسلام' پر 300 لیکچرس دے چکے ہیں۔ غلام یزدانی کی شخصیت کا ایک نمایاں پہلو یہ رہا ہے کہ انہوں نے کبھی مال و دولت کو ترجیح نہیں دی، شدید آزمائش میں بھی صبر و تحمل کا دامن نہیں چھوڑا۔ علامہ اقبال کہتے ہیں:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

(ڈاکٹر سید اسلام الدین مجاہد کے طویل مضمون سے ماخوذ، بحوالہ ہفت روزہ گواہ حیدرآباد، 12 جون 2026)

♦♦

(مولانا) عابد اسعدی مظاہری (شاعر، مصلح)

ممتاز عالم دین، قادرالکلام شاعر اور صاحب طرز مصلح (مولانا) عابد اسعدی مظاہری کا ہفتہ 15 اگست 2026 کو انتقال ہوگیا۔ان کی عمر تقریباً 84 برس تھی۔

عابد اسعدی کا اصل نام محمد صادر خان تھا۔تخلص عابد اور نسبتی نام اسعدی تھا۔ وہ 1942 میں اتر پردیش کے ضلع ہردوئی کے قصبہ پہانی میں ایک کاشتکار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی و اعلیٰ تعلیم مظاہر علوم، سہارنپور سے حاصل کی۔ ان کے اساتذہ میں محمد زکریا مہاجر مدنیؒ بھی شامل تھے۔ عابد اسعدی نے لکھنؤ یونیورسٹی سے بھی فاضل تفسیر، ہندی، انگریزی اور ریاضی جیسے علوم میں اپنی علمی صلاحیتوں کا لوہا منوایا تھا۔ ان کو معقولات اور منقولات میں یدطولیٰ حاصل تھا۔ روحانی تربیت کی راہ میں عابد اسعدی، شاہ وصی اللہ الہ آبادیؒ اور حضرت سیّد بشارت علی کے فیض یافتہ اور معتمدین میں شامل تھے۔حضرت اشرف علی تھانوی کے اجل خلیفہ اور معروف ادیب حضرت اسعد اللہ کی نسبت سے انہوں نے اپنے نام میں 'اسعدی' شامل کرلیا تھا۔

عابد اسعدی ایک طویل عرصے تک ادارہ محمدیہ جامع مسجد کٹرہ بازار پہانی میں درس وتدریس کی خدمات انجام دیتے رہے۔ وہ ایک بلند پایہ شاعر بھی تھے۔ انہوں نے غزل، نظم، قطعات، رباعی، حمد اور نعت میں طبع آزمائی کی۔ ان کا منظوم شاہکار 'مسدس: آیات ذکر وفکر' ہے۔ 170 صفحات پر مشتمل یہ کتاب ایک طویل، مدلل اور تخلیقی نظم ہے۔اسے توحید، عظمت الٰہی اور کائنات کے مظاہر کی منظوم تفسیر کہا جاسکتا ہے۔اس کے بعد اس میں نعت و مدحت، امہات المومنین، اہل بیت اطہار، خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کی سیرت کا تذکرہ بھی ہے۔ ◆◆

(ڈاکٹر حافظ سلیم اللہ اسلم پہانوی کے مضمون سے ماخود، انقلاب 23 اگست 2026)

ریحانہ خطیب (انجمن اسلام کی سابق پرنسپل)

انجمن اسلام گرلز ہائی اسکول اینڈ جونیئر کالج باندرہ (ممبئی) کی سابق کارگزار پرنسپل ریحانہ ریاض الدین خطیب کا طویل علالت کے بعد منگل 21 جولائی 2026 کو انتقال ہوگیا۔ان کی عمر تقریباً 74 سال تھی۔ تدفین بدھ کے دن جوگیشوری کے اوشیوارہ قبرستان میں ہوئی۔ پس ماندگان میں ایک بیٹی اور دو بیٹے شامل ہیں۔

ریحانہ خطیب کا آبائی تعلق اورنگ آباد (مہاراشٹر) سے تھا۔ ان کی تعلیم اورنگ آباد میں مکمل ہوئی۔ شادی کے بعد 1976 میں وہ اورنگ آباد سے ممبئی منتقل ہوگئیں۔ 1976 میں بحیثیت معلمہ انجمن اسلام باندرہ گرلز ہائی اسکول سے منسلک ہوئیں۔ 2009 میں اسی ادارے سے بطور کارگزار پرنسپل سبکدوش ہوگئیں۔اپنی 33 سالہ تدریسی دور میں ریحانہ خطیب نے ایک مثالی ٹیچر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ وہ بہترین ادیبہ اور مقررہ بھی تھیں۔ 1975 میں مراٹھواڑہ یونیورسٹی سے انہوں نے جرنلزم کا کورس بھی کیا تھا۔ اورنگ آباد سے شائع ہونے والے اخبار 'آج' کے بچوں کے صفحہ پر ان کی تخلیقات شائع ہوتی تھیں۔روزنامہ انقلاب کے معروف کالم 'اوڑھنی' کے لیے بھی ایک عرصہ تک لکھتی رہیں۔انھی مضامین پر مشتمل ان کی کتاب 'عکس زندگی' شائع ہوچکی ہے۔ان کے افسانے انقلاب ودیگر رسائل میں بھی شائع ہوتے رہے۔ ◆◆

(روزنامہ انقلاب، ممبئی، 23 جولائی 2026 سے ماخوذ)

منظور پروانہ (افسانہ نگار، ادیب وشاعر)

معروف ادیب، افسانہ نگار و شاعر منظور پروانہ کا جمعہ 5 جون 2026 کو تقریباً 78 سال کی عمر میں انتقال ہوگیا۔ پس ماندگان میں اہلیہ کے علاوہ دو بیٹیاں اور پانچ بیٹے شامل ہیں۔ تدفین بعد نماز جمعہ مشن باغ قبرستان میں ہوئی۔

منظور احمد صدیقی جن کا قلمی نام منظور پروانہ ہے، 20 جون 1948 کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ 1970 میں لکھنؤ یونیورسٹی سے سیاسیات میں ایم اے کیا۔ یکم جون سے 17 اگست 1972 تک اتر پردیش اردو اکادمی میں ملازم رہے۔ اس کے بعد وہ محکمہ آبپاشی میں ملازم ہوئے جہاں 18 اگست 1972 سے 30 جون 2008 تک برسرکار رہے۔

ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد منظور پروانہ نے اردو زبان وادب کی خدمت کے لیے خود کو وقف کردیا۔ان کا افسانوی مجموعہ 'دست حنائی' مضامین کا مجموعہ 'اعتبارِ حرف' شعری مجموعہ،

'چراغِ فکر' اور بچوں کے لیے لکھے گئے مضامین اور کہانیوں کا مجموعہ 'نیکی کا نور' شائع ہو چکے ہیں۔ ادبی حلقوں سے انہیں داد و تحسین بھی حاصل ہوئی۔ گزشتہ کئی برسوں سے روزنامہ 'آگ' لکھنؤ میں ان کے تبصرے بھی شائع ہو رہے تھے۔ منظور پروانہ کو ان کی ادبی خدمات کے اعتراف میں ایوارڈز و اعزازات سے بھی نوازا گیا۔ ◆◆

نعیم بدایونی (شاعر)

نامور شاعر نعیم بدایونی کا ہفتہ 11 جولائی 2026 کو اچانک حرکت قلب بند ہونے کے سبب انتقال ہو گیا۔ ان کی عمر تقریباً 66 برس تھی۔

نعیم بدایونی 20 اپریل 1960 کو بدایوں (اتر پردیش) میں پیدا ہوئے تھے۔ بچپن ہی سے شاعری سے لگاؤ رہا۔ اپنے لفظوں اور انداز بیان سے انہوں نے بہت کم وقت میں مشاعروں میں اپنی شناخت قائم کر لی تھی۔ وہ نہ صرف عمدہ شاعر تھے بلکہ اچھے انسان بھی تھے۔ صرف ایک ہفتہ قبل 4 جولائی 2026 کو نعیم بدایونی نے دہلی کے ایوانِ غالب میں منعقدہ ادبی چوپال فاؤنڈیشن، دہلی کے مشاعرے میں شرکت کی تھی۔ ادبی چوپال فاؤنڈیشن دہلی کے بانی صدر خمار دہلوی ہیں۔ ◆◆

پروفیسر انصاری محمد سلیم

(معروف نعت خواں، گلوکار)

دھولیہ (مہاراشٹر) کے ایس ایس وی پی ایس کالج کے شعبہ اردو کے سابق استاد پروفیسر انصاری محمد سلیم جمعرات 16 جولائی 2026 کو 71 سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔ نماز جنازہ مفتی واجد نے پڑھائی۔ جلوس جنازہ میں تمام مکتب فکر کی شخصیات کے علاوہ فنکاروں کی بڑی تعداد شامل تھی۔ انہوں نے شہر کے معروف ایل ایم سردار ہائی اسکول میں بھی کئی برس تک تدریس کا فریضہ انجام دیا۔ لیکن ان کی شناخت پورے شہر میں گلوکار اور نعت خواں کی حیثیت سے زیادہ ہو گئی۔ ان کی آواز کا ترنم ہر کسی کو مسحور کر دیتا تھا۔ وہ مہاراشٹر اردو اکادمی کے رکن بھی رہے۔ انہوں نے خاندیش کے شعرا، ادبا، آرکیسٹرا کے فنکاروں کو مالی مدد دلائی۔ طلبا کے لیے کریئر گائڈنس کے پروگرام کا انعقاد کیا۔

پروفیسر انصاری محمد سلیم نے اردو میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی تھی۔ اپنے اردو شعبہ میں بحیثیت پروفیسر انہوں نے نارتھ مہاراشٹر یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی گائڈ کے طور پر بھی کئی برس تک خدمات انجام دیں۔ پروفیسر انصاری محمد سلیم اپنی نعت خوانی اور گلوکاری کے سبب ریاست بھر میں مقبول تھے۔ درجنوں قومی، ریاستی اور علاقائی ایوارڈز سے ان کو نوازا گیا۔ موسیقی کے شوق نے مرحوم محمد سلیم کو مہاراشٹر کے علاوہ دیگر ریاستوں میں بھی شہرت حاصل ہو گئی تھی۔ آرکیسٹرا کی دنیا میں ان کا نام بے حد مقبول ہو گیا تھا۔ پولیس پریڈ میدان میں یوم جمہوریہ پر ہزاروں طلبا سے علامہ اقبال کا 'سارے جہاں سے اچھا' گواتے تو سماں بندھ جاتا۔ وقت کے ساتھ انہوں نے آرکیسٹرا کی دنیا کو الوداع کہہ دیا اور نعت خوانی کی طرف مائل ہوئے۔ اس کے لیے انہوں 'محفل ترانہ محمدیؐ' کے نام سے گروپ قائم کیا تھا۔ ان کی مسحور کن آواز میں نعتیں سن کر عاشقانِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) محو ہو جاتے۔ ◆◆

پیرزادہ رئیس میاں چشتی

(سجادہ نشین، درگاہ حضرت شیخ سلیم چشتی)

عالمی شہرت یافتہ درگاہ حضرت شیخ سلیم چشتی (آگرہ) کے سجادہ نشین پیرزادہ رئیس میاں چشتی بدھ 8 جولائی 2026 کی رات انتقال کر گئے۔ وہ 88 برس کے تھے اور کچھ عرصے سے علیل تھے۔ ان کے صاحبزادے ارشد فریدی کے مطابق رئیس میاں چشتی نے بدھ کی رات تقریباً ساڑھے گیارہ بجے لکھنؤ کے ایرا میڈیکل کالج میں آخری سانس لی۔ ان کی نماز جنازہ جمعرات 9 جولائی کو نماز عصر کے بعد فتح پور سیکری میں حضرت شیخ سلیم چشتی کے مزار پر ادا کی گئی۔ جنازے میں شرکت اور آخری دیدار کے لیے ملک کے مختلف حصوں سے زائرین، علما اور سماجی و مذہبی شخصیات نے شرکت کی۔

پیرزادہ رئیس میاں چشتی حضرت شیخ سلیم چشتی کی 16 ویں نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ سات برس کی عمر میں سجادہ نشین بننے کے بعد انہوں نے تقریباً 81 برس تک درگاہ کی خدمات انجام دیتے ہوئے صوفی روایات، ہندو مسلم اتحاد، فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور حب الوطنی کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کے دورِ سجادگی میں تقریباً 20 ممالک کے سربراہانِ مملکت، متعدد وزرائے اعظم اور دیگر اہم شخصیات نے درگاہ پر حاضری دی۔

پیرزادہ رئیس میاں چشتی نے کئی دہائیوں تک سجادہ نشین کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ وہ اپنی سادگی، روحانی رہنمائی اور خوش اخلاقی کے لیے جانے جاتے تھے۔ انہوں نے پوری زندگی صوفی روایت، امن، بھائی چارے، انسانیت، گنگا جمنی تہذیب اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے فروغ کے لیے کام کیا۔ ان کے انتقال کو صوفی روایت اور ملک کے مشترکہ ثقافتی ورثے کے لیے بڑا نقصان قرار دیا جارہا ہے۔ ◆◆

(روزنامہ انقلاب، 10 جولائی 2026 سے ماخوذ)

ساحل تماپوری (شاعر)

گلبرگہ کے معروف اردو شاعر ساحل تماپوری (محمد منور پاشاہ) طویل علالت کے بعد سنیچر 18 جولائی 2026 کو انتقال کر گئے۔ ان کی عمر تقریباً 63 برس تھی۔ تدفین 19 جولائی کو آزاد پور قبرستان گلبرگہ میں ہوئی۔

ساحل تماپوری 18 جولائی 1963 کو تماپور (یادگیر) میں پیدا ہوئے۔ ان کے بھائی جوہر تماپوری بھی اردو زبان کے مشہور شاعر تھے۔ ساحل تماپوری کا شعری مجموعہ 'ساحل پر بکھرے موتی' زیر اشاعت ہے۔ ان کے پس ماندگان میں اہلیہ یاسمین تماپوری، فرزند انجینئر ابرار اور دو بیٹیاں شامل ہیں۔ ◆◆

(ڈیجیٹل اردو اخبار دی تحریک ٹائمز، ہمنا آباد سے ماخوذ)

راشد سعید دہلوی (ناشر، مکتبہ دینیہ کے مالک)

معروف دینی اشاعتی ادارہ مکتبہ دینیہ کے مالک اور جمعیۃ علماء ضلع نئی دہلی کے نائب صدر راشد سعید دہلوی کا بدھ 22 جولائی 2026 کی شب اچانک اپنی رہائش گاہ کوچہ تاراچند، دہلی میں دل کا دورہ پڑنے سے انتقال ہوگیا۔ وہ 75 برس کے تھے۔ راشعد سعید دہلوی ایک نہایت معزز علمی و دینی خانوادے سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ دینی اشاعت کے میدان میں نمایاں خدمات انجام دے رہے تھے اور جمعیۃ علماء ضلع نئی دہلی کے نائب صدر کی حیثیت سے بھی دینی، ملی اور سماجی سرگرمیوں میں فعال کردار ادا کر رہے تھے۔ مرحوم کے دادا (مولانا) احمد سعید دہلویؒ جمعیۃ علماء ہند کے بانی ارکان میں شامل تھے۔ وہ جمعیۃ کے پہلے ناظم اعلیٰ، نائب صدر اور بعد ازاں صدر کے منصب پر بھی فائز رہے۔ ان کے والد (مولانا) محمد سعید دہلویؒ بھی جمعیۃ علماء ہند کے ناظم رہ چکے ہیں۔ ان کی نماز جنازہ مسجد دائی والی، تراہا بہرام خاں، دہلی میں ادا کی گئی جس کے بعد انہیں مہرولی کے ظفر محل آبائی قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ نماز جنازہ میں محمد حکیم الدین قاسمی، عظیم اللہ صدیقی، غیور احمد قاسمی، محمد قاسم نوری، قاری محمد عارف قاسمی، ضیاء اللہ قاسمی، سابق سفیر م۔ افضل، ڈاکٹر سالم سمیت جمعیۃ علماء ہند کے عہدے داران، دینی و سماجی شخصیات اور مرحوم کے عزیز و اقارب کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ ◆◆

(روزنامہ انقلاب، 23 جولائی 2026 سے ماخوذ)

بشیر پرواز (شاعر، ڈرامہ نگار، نقاد)

بزرگ شاعر، ادیب، نقاد، صحافی، ڈرامہ نگار اور معلم بشیر پرواز کا جمعہ 4 ستمبر 2026 کو سولاپور (مہاراشٹر) میں انتقال ہو گیا۔ وہ سولاپور کی ادبی انجمن 'بزم غالب' کے صدر تھے۔ ان کی عمر تقریباً 82 سال تھی۔

بشیر پرواز 2 دسمبر 1944 کو پیدا ہوئے۔ وہ برسوں درس و تدریس سے وابستہ رہے۔ سولاپور شہر میں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد ان کا تقرر دی پروگریسیو اردو ہائی اسکول میں ہوا تھا، وہیں سے وہ سبکدوش ہوئے۔ تقریباً 35 برسوں سے وہ 'بزم غالب' کے صدر تھے۔ اس ادارے کے زیر اہتمام بیت بازی مقابلے، ادبی کوئز، ڈراما مقابلے اور مشاعرے منعقد کیے جاتے رہے ہیں۔ اسی ادارے کے تحت فن شاعری اور کتابت (Calligraphy) کی کلاسیز بھی جاری ہیں۔ بشیر پرواز نے درجنوں ڈرامے مقابلے میں شرکت کے لیے طلبا کو لکھ کر دیے۔ ان کا فل لینتھ ڈرامہ مولانا آزاد پر تھا، جو کافی مشہور ہوا۔

بشیر پرواز اچھے اور مستند شاعر تھے۔ ان کا مجموعہ کلام 'خیال' شائع ہو چکا ہے۔ ان کی تحریر کردہ حمدیہ نظم (عزم محکم عطا کر) ڈی ایڈ کالج میں پڑھائی جاتی ہے۔

بشیر پرواز کے پس ماندگان میں اہلیہ کے علاوہ دو بیٹے اور دو بیٹیاں شامل ہیں۔ ان کے چھوٹے بھائی میر افضل بھی اچھے شاعر ہیں۔ مرحوم کی تدفین جڑے صاحب بنگلہ قبرستان میں ہوئی۔ ◆◆

(روزنامہ انقلاب ممبئی، 5 ستمبر 2026 سے ماخوذ)

نئی کتب

NEW ARRIVALS
Classified List

تحقیق و ترتیب: محمد عارف اقبال

اسمائے کتب	مصنف/مؤلف/مترجم	صفحات	قیمت	ناشر/تقسیم کنندگان
اسلامیات: قرآنیات، سیرت، احادیث، فقہ				
آؤ قرآن سمجھیں (تربیتی پہلو سے...)	ڈاکٹر عبدالحمید/ذکی الرحمن غازی	528	550/-	المنار پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی۔ M: 9667072147
اسلام: رسول اللہ کی وفات کے بعد	اسرار عالم	120	200/-	دارالعلم، نئی دہلی۔ Email: daralilmnewdelhi@gmail.com
اسلام میں ذہنی وجسمانی غلامی کے انسداد کی تاریخ	مبشر نذیر	462	750/-	حرا بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 7007892005
اسلامی زندگی: کتاب وسنت کی روشنی میں	ڈاکٹر محمد علی الہاشمی/ڈاکٹر رضی الاسلام	414	450/-	بینات پبلشرز، اونگ آباد۔ M: 8208309240
The Prophet Muhammad: A Perfect Role Model	ڈاکٹر علی ڈی الشمالی، ترجمہ: ڈاکٹر محمد ابوالمفضل	380	درج نہیں	المنار پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی۔ M: 9667072147
بقائے کائنات کی دو بنیادیں	مناظر احسن گیلانی	89	100/-	ادارہ المناظر، بہار شریف۔ M: 9117394766
تذکرہ سورۃ الکہف (دجالی فتنہ کے...)	مناظر احسن گیلانی	359	——	ادارہ المناظر، بہار شریف۔ M: 9334314696
قرآن مجید کے فیوض وبرکات...	ظفرالاسلام اصلاحی	80	درج نہیں	اقرا کالونی، علی گڑھ۔ Mob: 9058281494
سماجیات: سائنس، سیاست، تعلیم، میڈیا				
آؤ جانوروں سے ملیں	عبدالودود انصاری	156	190/-	NCPUL، نئی دہلی۔ Tel. 011-26109746
اپنے اندر کے فلسفی کو تلاش کیجیے	پروفیسر کرن میکین/کلیم الٰہی امجد	154	280/-	حرا بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 7007892005
اردو تدریسی قواعد	علی رفاد فتیحی	484	305/-	NCPUL، نئی دہلی۔ Mob: 8595263970
امت مسلمہ کا عروج وزوال (اسباب...)	پروفیسر حبیب اللہ چشتی	248	250/-	بینات پبلشرز، اونگ آباد۔ M: 8208309240
اندرون کا سفر: محبت ذات (Self-Love)	سعدیہ فراہ/ڈاکٹر محمد ریحان	——	350/-	کریٹیوا اسٹار پبلی کیشنز، جامعہ نگر، نئی دہلی-25
انسانی دانش کا ارتقا	ڈاکٹر محمد خالد سہیل (کنیڈا)	336	550/-	حرا بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 7007892005
انسانی نفسیات کی گرہیں (انٹرویوز پر مبنی)	ڈاکٹر محمد قطب الدین ابوشجاع	320	499/-	وہائٹ ڈاٹ پبلشرز، D-307، AFE، نئی دہلی-25
ایک ماہر نفسیات کی ڈائری	ڈاکٹر خالد سہیل (کنیڈا)	320	500/-	حرا بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 7007892005
بھارت کی تعمیر وترقی میں مسلمانوں کا حصہ	مجلس انتظامیہ سمینار	1188	درج نہیں	المعہد العالی الاسلامی، قبا کالونی، شاہین نگر، حیدرآباد
تاریخ مسائلِ فلسفہ (جلد اول، دوم)	پال ژانے، گیبرایل سیلے/جون بشیر	916	1400/-	حرا بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 7007892005
تہذیب کی قرأت	احمد جاوید	512	795/-	حرا بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 7007892005
ذہنی امراض کے راز (ڈپریشن اور شائزوفرینیا)	ڈاکٹر خالد سہیل (کنیڈا)	144	300/-	حرا بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 7007892005
طرز زندگی (اپنے ایمانی تناظر میں)	سلمان آصف صدیقی	270	450/-	حرا بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 7007892005
عملی روحانیت	سوامی اگنی ویش	88	100/-	NCPUL، نئی دہلی۔ Mob: 8595263970
فکری روایات کا تنقیدی مطالعہ	جمشید اقبال	468	700/-	حرا بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 7007892005
فلسفہ اور قانون (استدلالی بحث)	پروفیسر اسٹیفن میتھس/کلیم الٰہی امجد	192	350/-	حرا بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 7007892005
مذہب اور سائنس	البرٹ آئنس ٹائن/کلیم الٰہی امجد	108	220/-	حرا بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 7007892005

نافع الاساتذہ والطلبا والطالبات	ڈاکٹر سعید احمد سندیلوی	184	250/-	مصنف کتاب، لکھنؤ۔ Mob: 9455551607
نورانی جنرل نالج: مطالعہ برائے تحقیق و جستجو	ڈاکٹر عبدالسمیع صوفی	200	300/-	اردو بک ریویو، نئی دہلی۔ M: 9953630788

ادب: سوانح/خودنوشت/خطوط

حیرت کدہ (خودنوشتوں و دیگر کتب... واقعات) پہلی جلد	راشد اشرف	520	750/-	اَرسم پبلی کیشنز، نئی دہلی۔ M: 9899506816
دکن سے دورآکسفورڈ کے روز و شب (...1935 کا روزنامچہ)	محمدی بیگم	278	2000/-	ہدیٰ پبلشرز، حیدرآباد۔ Tel. 040-24514892
دل ہی تو ہے (خودنوشتوں سے... رومانی داستانیں)	راشد اشرف	496	700/-	اَرسم پبلی کیشنز، نئی دہلی۔ M: 9899506816
رشید حسن خاں کے خطوط (جلد چہارم)	ڈاکٹر ٹی آر رینا	432	800/-	البلاغ پبلی کیشنز، نئی دہلی۔ M: 9971477664
مکاتیب گیلانی (خطوط کا مجموعہ)	مرتب: سیّد منت اللہ رحمانی	421	——	ادارہ المناظر، بہار شریف۔ M: 9117394766

شخصیات

امیر خسرو: ایک ہمہ جہت شخصیت	پردیپ شرما خسرو/ڈاکٹر بشیر عالم	344	235/-	NCPUL، نئی دہلی۔ Mob: 8595263970
حضرت عثمان ذوالنورینؓ	محمد عنایت اللہ اسد سبحانی	192	250/-	ہدایت پبلشرز، نئی دہلی۔ M: 9891051676

ادب: تحقیق و تنقید/لسانیات/نصابیات

آزادی کے بعد کی غزل کا تنقیدی مطالعہ	بشیر بدر	343	500/-	انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی Tel. 011-23231722
روایات کے قیدی (عورت کے جذباتی مسائل)	سعدیہ عظمیٰ	200	200/-	المنار پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی۔ M: 9667072147
زیر نظر (تنقیدی و تحقیقی مضامین)	محمد اسد اللہ	240	200/-	محمد اسد اللہ، ناگپور۔ Mob: 9579591149
عصری لغت برائے فنون لطیفہ	روپ نرائن باتھم/محمد سجاد عثمانی	606	685/-	NCPUL، نئی دہلی۔ Mob: 8595263970
کتابوں کے ساتھ (تعارف و تبصرہ)	ثناء اللہ ثنا دوگھروی	272	300/-	ثنا دوگھروی، دربھنگہ۔ Mob: 8271577185
مجموعہ ابوالکلام آزاد (تحریروں کا مجموعہ)	ترتیب: وصی اللہ کھوکھر، سیّد امتیاز علی	3 جلدیں	4400/-	حرا بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 7007892005
محمد علی جوہر: شخصیت اور شاعری	محمد مونس/جسٹس ناہید آرا مونس	128	300/-	اسرار احمد، رامپور۔ Mob: 9412645632
مطالعہ حیاتِ جاوید کے 125 سال	ڈاکٹر شمس بدایونی	714	950/-	عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی۔ Mob: 9971775969
معاشیات (Economics) فرہنگ اصطلاحات (انگریزی — اردو)		371	205/-	NCPUL، نئی دہلی۔ Tel. 011-26109746
میمونہ علی چوگلے: نسائی ادب کی ایک اہم دستخط	ڈاکٹر محمد دانش غنی	400	500/-	کوکن ادبی فورم، رتنا گری-415639 (مہاراشٹر)
نشاطِ فکر و نظر (منتخب تحقیقی مضامین)	اسلم مرزا	188	350/-	مرزا ورلڈ بک ہاؤس، اورنگ آباد۔ M: 9325203227

ادب: افسانے/ناول/خاکے/طنز و مزاح/انشائیے/ڈرامے

ٹوٹتی سانسوں کے درمیان (افسانے)	ڈاکٹر وصی الحق وصی	176	300/-	عبارت پبلی کیشنز، نئی دہلی۔ M: 9015698045
خار و گل (ناول)	یحییٰ السنوار، ترجمہ: ڈاکٹر ظل ہما	476	400/-	بینات پبلشرز، اورنگ آباد۔ M: 9172931440
سُن سکو گے (افسانوی، افسانچوں کا مجموعہ)	ابوذر	140	150/-	الفاظ پبلی کیشنز، کامٹی، ناگپور۔ M: 7721877941
شکاریات کی ناقابلِ فراموش داستانیں (پہلی جلد)	راشد اشرف	560	750/-	اَرسم پبلی کیشنز، نئی دہلی۔ Mob: 9899506816
کراما زوف برادران (روسی ناول کا اردو ترجمہ)	فیودور دوستوئفسکی/شاہد حمید	1250	2000/-	حرا بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 7007892005
گردشِ ایام (سوانحی ناول)	معین الدین عثمانی	192	500/-	مرکزی پبلی کیشنز، نئی دہلی۔ M: 9811794822
گنج ہائے گرامایہ (خاکے)	رشید احمد صدیقی	270	300/-	پاریکھ بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 9389456786
مستقبل کے اندھیرے (افسانوی مجموعہ)	ڈاکٹر عارف انصاری	166	200/-	مصنف، برہانپور۔ Mob: 9993994141
ہر کربلا کے بعد: خونیں مکالمہ	اشعر نجمی	——	500/-	اشعر نجمی، ممبئی۔ Mobile: 9372247833

تاریخ و تذکرہ

تذکرہ فقیہات (فقہ وافتا کے میدان کی خواتین)	محمد رضی الاسلام ندوی	680	800/-	ادارہ تحقیق وتصنیف، علی گڑھ۔ M: 9027445919
جی سے نہ جائیں گی تمہاری باتیں	ڈاکٹر غضنفر اقبال	196	300/-	مصنف، گلبرگہ۔ Mobile: 9945015964
محسن مائیں	محمد عنایت اللہ خان فلاحی	180	225/-	منشورات پبلشرز، نئی دہلی۔ M: 9811650228
مسلم تاریخ (عہد صحابہ اور جدید ذہن کے شبہات)	مبشر نذیر	774	100/-	حرا بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 7007892005
یادگار زمانہ شخصیات کا احوالِ مطالعہ	ابن الحسن عباسی	832	900/-	پاریکھ بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 9389456786

ادب اطفال

باتوں باتوں میں (کہانیاں، مکالمے، 12 سے 16 سال)	محمد اسد اللہ	80	60/-	مصنف کتاب، ناگپور۔ M: 9579591149
بچوں کی شکیل کہانیاں	شکیل اعجاز	110	500/-	شکیل اعجاز، اکولہ۔ Mob: 7219319382
بلیک بورڈ (کہانیاں)	حبیب سیفی	20	25/-	NCPUL، نئی دہلی۔ Tel. 011-26109746

شعری ادب

بازگشت (قرآن مجید کی منظوم ترجمانی پارہ 30)	ڈاکٹر محمد ظفر عالم سہسرامی	96	50/-	سائبان پبلی کیشنز، سہسرام۔ M: 8521913174
جزیرۂ جاں (غزلیں)	ف۔س۔اعجاز	264	500/-	انشا پبلی کیشنز، کولکاتہ۔ M: 9830483810
خواب منزل (دیوانِ وصی)	ڈاکٹر وصی الحق وصی	372	400/-	عبارت پبلی کیشنز، نئی دہلی۔ M: 9015698045
ذکر جمیل (حمد و نعت)	جمیل اکولوی	96	250/-	اپلائڈ بکس، نئی دہلی۔ Mob: 9953630788
عطا عابدی: حیات اور فن (منظوم)	ثناء اللہ ثنا دوگھروی	64	100/-	دربھنگہ ٹائمز پبلی کیشنز، دربھنگہ۔ M: 9234772764

رسائل و جرائد: خصوصی اشاعت

- آج کل، ماہنامہ (خصوصی گوشہ ابن صفی، بشیر بدر)، ایڈیٹر: عبدالمنان، صفحات: 106، سالانہ: -/350، جولائی 2026، جلد: 84، شمارہ: 12،
پتہ: پبلی کیشنز ڈویژن، سوچنا بھون، CGO کمپلیکس، نئی دہلی-110003 فون نمبر: 01 / 011-24044000
- تجلی جدید، ماہنامہ (مسلم پرسنل لا نمبر)، بیادگار: عامر عثمانی، ایڈیٹر: عبدالرحمن سیف عثمانی، جولائی اگست 2026، صفحات: 184، قیمت: -/150،
شمارہ: 8-7، جلد: 1، پتہ: عبدالرحمن سیف عثمانی، محلہ ابوالمعالی، دیوبند-247554 (اترپردیش) فون: 9456995566
- چراغِ راہ، سلسلہ نمبر 1، (پروفیسر خورشید احمد نمبر)، ایڈیٹر: ڈاکٹر ظفر حسین ظفر، ڈاکٹر فخر الاسلام، مئی تا اگست 2026، صفحات: 404، قیمت: -/1200،
پتہ: ادارہ علم وادب پاکستان، اسلام آباد۔ Email: chragerah2026@gmail.com
- چہارسو، ماہنامہ (اسرار گاندھی نمبر)، مدیر مسئول: گلزار جاوید، جولائی اگست 2026، صفحات: 124، آن لائن، جلد: 35، پتہ: راولپنڈی (پاکستان)
Email: chaharsu@gmail.com
- غالب نامہ، ششماہی (اردو میں علمی اور تحقیقی رفتار کا آئینہ)، ایڈیٹر: ڈاکٹر ادریس احمد، جنوری تا جون 2026، صفحات: 306، قیمت: -/300، جلد: 9،
پتہ: غالب انسٹی ٹیوٹ، ایوانِ غالب مارگ، نئی دہلی-110002 فون نمبر: 011-23232583
- فکر و تحقیق، سہ ماہی (ترجمہ نمبر)، ایڈیٹر: ڈاکٹر شمس اقبال، جولائی تا ستمبر 2026، صفحات: 320، قیمت: -/50، شمارہ: 3، جلد: 29،
پتہ: فروغ اردو بھون، FC-33/9، جسولہ، نئی دہلی-110025 فون نمبر: 011-26109746
- قندیلِ ادب انٹرنیشنل لندن، ماہنامہ (عالمی اردو فورم نمبر)، ایڈیٹر: رانا عبدالرزاق خان، ستمبر 2026، صفحات: 44، قیمت: 25 برطانوی پونڈ،
شمارہ: 165، پتہ: Abdul 7 ELM Place, Gu 11 3 SU Aldershot, London، موبائل: 0044 7886 304637
- الکلام (مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی میگزین۔ اردو، ہندی، انگریزی)، ڈاکٹر محمد مصطفیٰ علی سروری (PRO)، جون 2026، شمارہ: 35، صفحات: 96،
قیمت: درج نہیں، پتہ: مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، گچی باؤلی، حیدرآباد-500032 فون نمبر: 040-23006609

❑❑❑

ایک اپیل ایک اعلان اور تعارف

آپ کی خصوصی توجہ کا سب سے زیادہ مستحق

مسلم لڑکیوں کا یتیم خانہ گیا

40 سالہ خدمات

لڑکیوں کے لئے جدید اور مکمل اسلامی طرز تعلیم سے مزیّن قومی سطح کا معیاری رہائشی (Residential) ادارہ

کیفیت قیام ادارہ کا تین (۳) یتیم لڑکیوں سے ۲۱ر دسمبر ۱۹۸۶ء کو ایک کرایہ کے کھپریل مکان میں قیام عمل میں آیا تھا۔ جو کبھی سانپ، بچھو اور چڑیوں کا بسیرا تھا۔ بقول علامہ اقبالؒ ۔ عشق نے آباد کر ڈالے ہیں دشت و کہسار۔

ہندوستان کی ریاست بہار، جھارکھنڈ، بنگال، اُڑیسہ (اُڈیشہ) میں اپنے طرز کی پہلی اور واحد اقامتی (Residential) دینی وعصری علوم کی مشہور تعلیم گاہ جو اسلامی اور عصری علوم کا سنگم ہونے کی وجہ کر مشہور ہے۔ ● ادارہ بنیاد کے دن سے ہی صحیح اسلامی خطوط پر یتیم کے ساتھ ساتھ غریب اور غیر یتیم طالبات کی تعلیمی و تربیتی خدمات انجام دے رہا ہے۔ ● یہاں کی طالبات کو میٹرک (Matric) پاس کرنے کے بعد کالج کے علاوہ عربی یونیورسیٹی میں سال اوّل و دوم میں بآسانی داخلہ مل جاتا ہے۔ ● شعبۂ حفظ کی طالبہ کو بھی حفظ کے ساتھ ساتھ میٹرک (Matric) تک پڑھایا جاتا ہے۔ ● پانچ زبانوں میں مع قرآن واسلامیات اور بہار بورڈ کے نصاب تعلیم کے ساتھ معیاری تعلیم کا نظم ہے۔ ● **تعلیمی سال** اپریل تا مارچ ● ادارہ کے احاطہ (Campus) میں ہی پردہ (Purdah) میں رہ کر درجہ نرسری (Nursery) تا میٹرک (Matric) تک کی تعلیم مع ہوم سائنس (امور خانہ داری) سلائی کٹائی، مہندی و پینٹنگ اور کمپیوٹر کی تعلیم وغیرہ دی جاتی ہے۔ اس لئے بچیوں کو کہیں آنا جانا نہیں پڑتا۔ **تعلیمی مراحل** ابتدائی ● ثانوی ● اعلیٰ ● شعبہ حفظ **تعداد یتیم طالبات** 75 **نوٹ** یتیم طالبات کا سارا خرچ مع طعام وقیام ورہائش وغیرہ بالکل مفت (Free) کسی چیز کا کسی طرح کا کوئی خرچ نہیں لیا جاتا ہے۔ **تعداد بیرونی طالبات** اپنے خرچ پر دار الاقامہ (Boarding) میں رہ کر تعلیم حاصل کرنے والی اور دوسرے گاؤں سے پڑھ کر جانے والی تقریباً 100 ہیں۔ **کفالہ اسکیم (Sponsorship)** کے تحت ایک یتیم بچی کا سالانہ خرچ تیس ہزار (=/Rs 30,000) روپے ہے۔ آپ بھی ایک یتیم بچی کی کفالت کا بار اٹھا کر کارثواب میں شریک ہوں۔ **تعداد اساتذہ و معلمات اور دیگر ملازمین** 30 تدریسی اور غیر تدریسی اسٹاف کی ایک ماہ کی تنخواہ ایک لاکھ اسّی ہزار (Rs1,80,000) روپے سے زائد ہے۔ **سالانہ خرچ** تقریباً پینتالیس لاکھ (=/Rs 45,00,000) روپے **ذریعہ آمدنی** مسلم عوام کے چندے **اپیل** آج کے مادہ پرستانہ اور جدید دور میں لڑکیوں کے لیے جدید اور مکمل اسلامی طرز تعلیم کے ساتھ رہائشی (Residential) اداروں کی پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ کر ضرورت ہے۔ ● آپ اس آسمان چھوتی گرانی کو دیکھتے ہوئے اور ماہ رمضان المبارک کے مبارک موقع پر ادارے کی ننھی منی معصوم یتیم بچیوں کو اونچا اٹھانے کے لیے اپنے ● زکوٰۃ ● عطیات ● صدقات سے بھرپور مالی مدد کریں تاکہ وہ تعلیم اور ہنر کے میدان میں آگے بڑھ سکیں اور کسی سے پیچھے نہ رہیں ● باقی تعمیری و تعلیمی منصوبوں کو پورا کرنے کے لئے رقم کی فوری ضرورت ہے ● ادارہ آپ کے فراخدلانہ اور مخلصانہ بھرپور مالی تعاون کا منتظر ہے۔ **یاد رکھیں** یہ لڑکیوں کا ادارہ ہے۔ یہاں چندہ وصول کرنے والوں کی بہت کمی ہے۔ یہاں کا کوئی بھی محصل کمیشن (اجرت) پر چندہ وصول نہیں کیا کرتا ہے۔

نوٹ ادارہ کی مختصر تاریخ دستاویزی (Documentary Film) فلم نذر عنایت (Nazr-e-Enayeth) You Tube

چیک وڈرافٹ اورکور بینکنگ سلپ پرصرف یہ لکھیں: THE GAYA MUSLIM GIRLS' ORPHANAGAE

برائے رابطہ چیک وڈرافٹ اور منی آرڈر بھیجنے کا پتہ ●Founder & Hon. G. Secretary,THE GAYA MUSLIM GIRLS' ORPHANAGE
At: Kolowna, P.o: Cherki-824237, Distt: Gaya (Bihar) India
●Email:thegayamuslimgirlsorphanage@gmail.Com ● Website: www.gmgo.in 8969435151

Beneficiary Name: THE GAYA MUSLIM GIRLS' ORPHANAGE
Bank A/C No.: 300402010007752 (Zakath) زکوٰۃ
Bank A/C No.: 300402010009846 (Donations) عطیات و تعمیرات
Bank IFSC Code No.: UBIN0530042
Bank : UNION BANK OF INDIA (MAIN BRANCH GAYA)

Scan & Pay

نوٹ: بینک میں رقم ٹرانسفر کی تفصیل برائے مہربانی اسکین اینڈ پے (Scan & Pay) یا کسی ذریعہ سے رقم ٹرانسفر کے بعد اسکرین شاٹ (Screen Shot) مع نام و پتہ وہاٹس ایپ نمبر پر وہاٹس ایپ کردیں تاکہ رسید بھیجی جاسکے۔

وہاٹس ایپ نمبر 7367909126 بانی واعزازی جنرل سکریٹری اقبال احمد خاں 9934480190

پٹنہ برانچ آفس پٹنہ شہر کے ہمدردان یتامیٰ اپنا چیک وڈرافٹ اور رقم دینے کے لئے ان سے رابطہ قائم کریں۔

جناب غلام محمد خاں (صدر) سمن پورہ، پٹنہ۔: 9934943229 جناب انجینیر محمد حسنین خاں۔ سمن پورہ، پٹنہ۔: 9631867066

زکوٰۃ اور عطیات وغیرہ کی رقم جمع کرنے کے لئے گیا شہر میں بنائے گئے مراکز (Center)

(1) شکیل احمد صاحب : ممبئ اسٹور، بزازہ روڈ، چھتہ مسجد گیا۔ (2) ڈاکٹر امیر الدین خاں صاحب : بھارت ہومیو اسٹور، اے این روڈ، گیا۔ (3) ڈاکٹر بی. اے خاں صاحب : نزد ریلوے کوارٹر، گیا۔ (4) ڈاکٹر تنویر صاحب : ملت اسپتال، گیا۔ (5) ڈاکٹر زیڈ. ایچ خاں صاحب : وہائیٹ ہاوس کمپاؤنڈ، گیا۔ (6) منصور صاحب : کارڈ سنٹر، معروف گنج، گیا۔

ابرار احمد کی فکر انگیز اسلامی کتابیں

فہم قرآن

تفہیم قرآن مجید کے حوالے سے نئی نسل کے لیے ایک گراں قدر تحفہ

صفحات: 480 قیمت:-/350 ISBN 978-93-83239-89-4

نقوشِ کفِ پائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ مبارکہ عام فہم انداز میں ... طلبا اور نوجوانوں کے لیے ایک اہم کتاب

صفحات: 424 قیمت:-/300 ISBN 978-93-83239-75-7

سیّد البشر (صلی اللہ علیہ وسلم)

سیرتِ رسولؐ پر نادر اور جداگانہ اُسلوب میں ایک اہم تالیف

اس کتاب میں واقعات اور کرداروں کے ساتھ سیرتؐ سے متعلق

ذیلی عنوان قائم کرکے سیرت کے اصل پیغام کو ذہنوں میں نقش کرنے کی کوشش کی گئی ہے

صفحات:800 (مجلد) قیمت:-/800 اشاعت:2022 ISBN 978-93-90579-46-4

کائنات گواہ ہے

اللہ کی نشانیوں کے تعلق سے قرآن اور سائنس کے موضوع پر فکر انگیز کتاب

قرآن انسانوں کے لیے کتابِ ہدایت ہے۔اس کتاب میں قرآنی آیات کے

حوالوں کے ساتھ سائنسی آرا اور افکار کا جائزہ لیا گیا ہے۔

صفحات: 248 قیمت:-/300 اشاعت:2023 ISBN 978-93-90579-40-2

اوراقِ حکمت

قرآنی آیات اور مضامین کے حوالے سے دینی موضوعات پر اہم تالیف

صفحات: 672 قیمت:-/800 اشاعت:2025 ISBN 978-93-90579-94-5

تذکیر

منتخب قرآنی آیات کے حوالے سے یہ کتاب اتحادِ اُمت کی حقیقی دعوت دیتی ہے

صفحات: 640 قیمت:-/700 اشاعت:اکتوبر 2025 ISBN 978-93-90579-93-8

Advtt. 02/2026

ناشر: القاسم پبلی کیشنز، سوائی مادھو پور (راجستھان) Mobile: 9414308409

دہلی میں ملنے کا پتہ: اردو بک ریویو، نئی دہلی۔فون نمبر 011-44753890

معروف محقق و نقاد

ڈاکٹر شمس بدایونی کی تازہ تحقیقی کتاب

مطالعہ حیاتِ جاوید
کے
ایک سو پچیس سال

صفحات: 714 اشاعت: 2026 قیمت:-/950 روپے

ISBN 978-93-6691-042-0

یہ کتاب 1901 سے 2025 تک کے دوران لکھے جانے والے ایسے مضامین کے انتخاب پر مشتمل ہے جو 'حیاتِ جاوید' پر لکھے گئے۔ ان میں 'حیاتِ جاوید' کا جائزہ و احتساب بھی ہے اور اس کے محاسن کی داد بھی۔ ڈاکٹر شمس بدایونی نے انہیں صحیح ترین متن، جدید املا، سنوں کی تطبیق، آیاتِ قرآنی و احادیث، عربی فقروں اور اشعار کی تخریج، متنازع امور پر توضیحی حواشی، غلط واقعات وغیرہ کی تصحیح، اغلاط کتابت کی درستگی وغیرہ کے ساتھ مرتب کیا ہے۔

مصنف کی دو دیگر اہم کتابیں

غالب: کچھ تحقیق، کچھ تنقید

صفحات:407، اشاعت:2024 ، قیمت:-/650 روپے

ISBN 978-93-6691-273-8

خطوط شبلی بنام خواتین فیضی (جدید اضافہ شدہ ایڈیشن)

صفحات:258 ، اشاعت:2020 ، قیمت:-/300 روپے

ISBN 978-81-944111-9-2

Advtt. 01/2026

ملنے کے پتے: ○ عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی موبائل نمبر 9971775969

○ اردو بک ریویو، نئی دہلی موبائل نمبر 9953630788

ابن صفی کی عصری معنویت پر پانچ اہم کتابیں

ابن صفی: مشن اور ادبی کارنامہ مولف ومرتب: محمد عارف اقبال

اردو میں جاسوسی ادب کے معمار ابن صفی کی ادبی خدمات کا احاطہ کرتے ہوئے ہندوستان میں پہلی بار ایک جامع کتاب۔ ابن صفی کے پرستاروں اور ابن صفی پر تحقیق کرنے والے اسکالرز کے لیے۔

صفحات: 904 (مجلد)، نیا اڈیشن: 2016 (حذف واضافہ شدہ)، قیمت: -/900 روپے

ISBN 978-93-83239-27-6

اوراقِ پارینہ از: ادریس شاہجہانپوری

جاسوسی دنیا کے پیش لفظ، اداریے اور پیش رس، تفریح کے ساتھ تحقیق کرنے والوں کے لیے یہ کتاب تحقیق کے نئے در وا کرتی ہے۔

صفحات: 614 (مجلد)، اشاعت اول: 2023، قیمت: -/1000 روپے

ISBN 978-93-9513-423-95

ابن صفی کا ادبی نصب العین: تحقیقی وتنقیدی مطالعہ مصنف: محمد عارف اقبال

ابن صفی کی تخلیقات میں مستقبل کی آگہی اور زبان وادب کے گراں قدر علوم پوشیدہ ہیں۔

اردو اکادمی دہلی سے اول انعام یافتہ کتاب

صفحات: 312، اشاعت: 2018، قیمت: -/300 روپے

ISBN 978-93-83239-81-8

فلسفی ابن صفی تالیف وترجمہ: ایم طاہر

ابن صفی کے ناولوں سے 283 متنوع موضوعات پر منتخب اقتباسات کا مجموعہ اردو اقتباس کے ساتھ انگریزی ترجمہ۔ نئی نسل کے لیے گراں قدر تحفہ

صفحات: 144، اشاعت: جون 2022، قیمت: -/250 روپے

ISBN 978-93-90579-43-3

فنگر پرنٹس (ابن صفی کی قلمی جولانیاں) تحقیق وترتیب: ادریس شاہجہانپوری

ان تمام ثقہ حضرات کے نام جنہوں نے اپنی خلوتوں میں بیٹھ کر ابن صفی کی تخلیقات سے حظ تو اٹھایا لیکن روز روشن میں ان کی عظمت کا اعتراف کرنے کا حوصلہ نہ کر سکے۔

صفحات: 808، اشاعت اول: مارچ 2021، قیمت: -/850 روپے

ISBN 978-93-5457-057-5

رابطہ: اردو بک ریویو نئی دہلی Mob.: 9953630788

URDU BOOK REVIEW QUARTERLY
NEW DELHI-110 002
Ph.: (Office) 011-44753890, Mobile: +91-9953630788

R.N.I. No. 63106 / 95
VOL. XXXII ISSUE NUMBER - 47
July, August, September - 2026

’آل انڈیا یونانی طبّی کانگریس‘

فروغِ طب کی ایک مکمل تحریک ہے آپ بھی ممبر بن کر اس تحریک کا حصہ بن سکتے ہیں!

ممبر شپ حاصل کرنے کے لیے دو عدد فوٹو، ووٹر آئی ڈی یا آدھار کارڈ کی فوٹو کاپی اور ایک ہزار روپے کا ڈی ڈی کسی بھی بینک سے

"ALL INDIA UNANI TIBBI CONGRESS"

کے نام بنوا کر مرکزی دفتر ’آل انڈیا یونانی طبّی کانگریس‘ کو رجسٹرڈ ڈاک سے ارسال کریں۔

درج ذیل اکاؤنٹ میں آن لائن ٹرانسفر بھی کر سکتے ہیں:

Current A/c No. 200110100034672 IFSC: BMCB0000044
Bombay Mercantile Co-Operative Bank Ltd., Branch: Darya Ganj, New Delhi-2

Scan & Pay

مرکزی دفتر

آل انڈیا یونانی طبّی کانگریس

D-49، نیو سیلم پور، نزد شہید اشفاق اللہ خاں پارک،
دہلی-110053

Contact Office

SADAR UNANI CLINIC
3546, Behind Sablok Clinic, Darya Ganj, New Delhi - 110002
Tel.: 011-47524630 / 9810429359 / 7893246825
E-mail: aiutcongress@gmail.com, mahmad1952@yahoo.com
Website: www.aiutc.com

ISSN 0971-9288

Printed, published and owned by **Mohammad Arif Iqbal**, Printed at Asila Offset Printers, 1307-08, Kalan Mahal, Darya Ganj, New Delhi-2 and published from 1739/3 (Basement) New Kohinoor Hotel, Pataudi House, Darya Ganj, New Delhi-110002 *Editor :* **Mohammad Arif Iqbal**